سلاطینِ ہند
کی ادبی خدمات

از

سید صباح الدین عبدالرحمن

مرتبہ

ڈاکٹر مہ جبین زیدی

Marfat.com

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

Marfat.com

Marfat.com

سلاطینِ ہند کی ادبی خدمات

از

سید صباح الدین عبدالرحمٰن

مرتبہ

ڈاکٹر مہ جبین زیدی

Marfat.com

جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ ہیں

133331

کتاب کا نام	سلاطینِ ہند کی ادبی خدمات
مصنف	سید صباح الدین عبدالرحمٰن
مرتب	ڈاکٹر مہ جبین زیدی
سالِ اشاعت	2005ء
تعدادِ اشاعت	1000
گرافکس اور ڈیزائننگ	پرنٹ اینڈ کمیونیکیشن
طباعت	ذکی پرنٹرز' کراچی
ناشر	منزل اکیڈمی A-10 ،الکرم اسکوئر، بلاک 3، لیاقت آباد کراچی۔ موبائل 0320-4002766
قیمت	Rs.250/=

Marfat.com

عزم و ہمت

کی پیکر

شاہدہ بھابھی

کے نام

Marfat.com

فہرست

ابواب	عنوانات	صفحہ نمبر
باب اوّل	فتوح سلاطین	۱
باب دوئم	ہمایوں کا علمی ذوق	۷۸
باب سوئم	اکبر کا علمی ذوق	۹۲
باب چہارم	جہانگیر کا علمی ذوق	۱۳۰
باب پنجم	شاہجہاں کا علمی ذوق	۱۵۴
باب ششم	عالمگیر کا علمی ذوق	۱۸۱
باب ہفتم	عالمگیر اور اس کے معاصر	۲۲۲
باب ہشتم	تیموری شہزادوں کا علمی ذوق	۲۴۰
باب نہم	تیموری شہزادیوں کا علمی ذوق	۲۹۲
باب دہم	آخری مغلیہ سلاطین کا علمی ذوق	۳۲۰
باب یازدہم	بہادر شاہ ظفر کا علمی ذوق	۳۳۹

Marfat.com

دیباچہ

اعظم گڑھ ایک مردم خیز خطہ ہے، اس نے جو بڑی شخصیات پیدا کی ہیں، صباح الدین عبد الرحمٰن ان میں سے ایک ہیں، وہ دار المصنفین سے وابستہ رہے، اردو اور فارسی کے علاوہ انگریزی پر بھی دسترس رکھتے تھے، بڑے بڑے علمی کام کیے، تاریخ پر ان کی خاص نظر تھی، انھوں نے برعظیم پاک و ہند کے صوفیہ کے حالات اور سلاطین کے ذوقِ علم و ادب کے حوالے سے بہت کچھ لکھا، ''معارف'' جیسے دقیع پرچے میں صباح الدین صاحب نے تیموری بادشاہوں کی علم دوستی اور ادب پرستی، ان کے درباروں سے منسلک اہلِ علم و اہلِ قلم کے حالات اور فروغ علم اور اس کی روایات سے متعلق مضامین لکھنے شروع کیے تو ہر کہ و مہ نے انھیں سراہا، بعد میں انھوں نے اس میں اضافے کیے اور کتابی صورت میں شائع کرایا تو یہ سارا علمی ذخیرہ اصل سے بھی دوگنا ہو گیا۔

صباح الدین صاحب کا انداز ایک تاریخ داں کا سا ہے، وہ جذبات کی رو میں بہہ کر غیر مستند روایات کو نقل (بلکہ نقل در نقل) نہیں کرتے، نہ ہی عقیدت و احترام کی وجہ سے غلو کا شکار ہوتے ہیں، ان کی کتابیں مثلاً بزمِ صوفیہ اور بزمِ مملوکیہ وغیرہ اس بات کی شاہد ہیں کہ وہ لکھنے میں کتنی تحقیق و تدقیق اور کتنی کاوش سے کام لیتے تھے۔

صباح الدین صاحب کے کردار کا ایک پہلو ان کی انتظامی صلاحیتیں تھیں، دار المصنفین میں (اندرونی سیاست کے باوجود) انھوں نے اپنی انتظامی صلاحیتوں کا لوہا منوایا، ۱۹۸۷ء میں انتقال سے کچھ عرصے قبل پاکستان آئے اور دار المصنفین کی کتابوں کی پاکستان میں اشاعت کے حقوق حکومت پاکستان کے ہاتھ فروخت کیے اور اس طرح دار المصنفین کے لیے ایک خطیر رقم کی فراہمی کا ذریعہ بھی بنے۔

بڑی خوشی ہے کہ ان کے بعض اہم تاریخی مضامین کو اس کتاب میں از سرِ نو پیش کیا جا رہا ہے، کیونکہ اب ان کی کتابیں نایاب ہو چکی ہیں اور شائقین انھیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں، لہٰذا ان

Marfat.com

کی دوبارہ اشاعت ایک فالِ نیک ہے۔

محترمہ جبین زیدی صاحبہ جامعہ کراچی کے شعبۂ اردو سے وابستہ ہیں اور انھوں نے اس مفید علمی کام کو بڑے ذوق وشوق سے انجام دیا ہے، بلکہ شاہانِ تیمور کے علمی ذوق کو سامنے لانا بھی ان کی علم دوستی اور خوش ذوقی کا ثبوت ہے، بعض مقامات پر انھوں نے حواشی کا بھی اہتمام کیا ہے جو علمی کاموں میں بہت مفید بلکہ ناگزیر ہوتے ہیں، یہ توقع غالباً بے جا نہ ہوگی کہ محترمہ جبین صاحبہ اس طرح کے مزید مفید علمی کام انجام دیں گی۔

ڈاکٹر رؤف پاریکھ

چیف ایڈیٹر اردو ڈکشنری بورڈ،
کراچی

Marfat.com

مقدمہ

صباح الدین عبدالرحمٰن دارالمصنفین شبلی اکیڈمی ،اعظم گڑھ (بھارت) کے ناظم ،ماہنامہ "معارف" کے مدیر اور علامہ سید سلیمان ندوی کے ہونہار شاگرد رشید تھے، وہ باون سال تک دارالمصنفین سے وابستہ رہے، انھوں نے انگریزی اور اردو میں تقریباً چھتیس کتابیں تحریر کیں، ان کی بیشتر کتب اردو میں ہیں۔

۱۹۳۵ء میں دارالمصنفین اعظم گڑھ سے جب وہ وابستہ ہوئے، اس وقت سید سلیمان ندوی کے ساتھ مولانا عبدالسلام ندوی، مولانا ریاست علی ندوی، پروفیسر محمد عزیر اور شاہ معین الدین جیسے سربرآوردہ اہلِ قلم موجود تھے۔

۱۹۵۰ء میں سید سلیمان ندوی پاکستان آئے، اس وقت شاہ معین الدین دارالمصنفین کے ناظم مقرر ہوئے، اُس وقت صباح الدین عبدالرحمٰن پر ادارے کی تقریباً نصف ذمہ داری کا بوجھ آ گیا، ان دونوں صاحبان نے بڑی خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دیئے، ادارے کے لئے مالی امداد کہیں سے کوئی امید نہ تھی، صرف "معارف" کی معمولی فروخت سے یہ ادارہ چل رہا تھا، ۱۹۷۴ء میں شاہ معین الدین بھی جب اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو ادارے کی ساری ذمہ داری صباح الدین عبدالرحمٰن کے کاندھوں پر آ گئی اور آپ مدیر، مولانا ابوالحسن علی ندوی صدر اور مولانا عبدالسلام ندوی شریک ناظم اور شریک مدیر ہوئے۔

دسمبر ۱۹۷۴ء سے نومبر ۱۹۸۷ء تک کے عرصہ میں صباح الدین عبدالرحمٰن نے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ دارالمصنفین کی وہ کتب جو پاکستان میں شائع ہو رہی تھیں اور ان سے دارالمصنفین کو کوئی مالی فائدہ نہیں ہو رہا تھا اور جن کی تعداد تقریباً سو سے زیادہ تھیں ان کے حقوقِ طباعت حکومت پاکستان کو فروخت کئے اور پندرہ لاکھ روپے کی خطیر رقم دارالمصنفین کے لئے حاصل کی، اس رقم سے دارالمصنفین کی رگوں میں نیا خون گردش کرنے لگا لیکن انھیں اس کے لئے مسلسل چار سال تک جدوجہد کرنی پڑی، اس لئے انھیں کئی بار پاکستان آنا پڑا اور کئی کئی مہینہ اسلام آباد اور کراچی کے بھی چکر کاٹنے پڑے۔

Marfat.com

وہ اپنے حسنِ اخلاق، تواضع، انکسار اور شیرینیٔ گفتار کی وجہ سے ہر دل عزیز تھے، دارالمصنفین کے حلقہ میں اور شہر اعظم گڑھ میں ہر شخص ان کا گرویدہ تھا، وہ مختلف کانفرنسوں میں شرکت کرنے کے لیے لکھنؤ، دہلی، کلکتہ، بھوپال کے علاوہ مختلف شہروں میں بھی جاتے تھے، ہندوستان کے علاوہ پاکستان میں بھی ان کی اسی طرح سے پذیرائی ہوتی تھی، ان کا انتقال ۱۸/ نومبر ۱۹۸۷ء میں لکھنؤ کے ایک ٹریفک حادثہ میں ہوا، اس وقت ان کی عمر ۷۶ سال کی تھی۔

ان کے ادبی، علمی، تحقیقی کاموں کی ایک طویل فہرست ہے، یہ میری دیرینہ خواہش تھی کہ میں ''معارف'' کی ان تحریروں کو یکجا کروں جو ہماری تاریخ کا حصہ ہیں، بلاشبہ ''معارف'' رسالہ ادبی حلقوں میں بڑی عظمت و اہمیت کا حامل ہے۔

ان کے ان ادبی مقالوں کو جو بہت اہمیت کے حامل ہیں اور جو ضابطہ حیاتِ انسانی پر محیط ہے، اُسے یک جا کرنے کی کوشش کی ہے، میں نے اِس کتاب میں ''فتوح السلاطین'' کے ساتھ ''مغلیہ دور کے علمی ذوق'' کو بھی شامل کیا ہے، تاکہ اُس دور کے علمی ذوق کے بارے میں بھی معلومات فراہم ہو سکیں۔

''فتوح السلاطین'' ایک فارسی منظوم تاریخ ہے اور وہ اس زمانہ سے تعلق رکھتی ہے جب اردو بحیثیت علمی زبان موجود نہ تھی، اسی موضوع پر تاریخی کتب بھی لکھی گئیں، مقالہ نگار نے اپنے مقالہ میں سیر حاصل تبصرہ کرتے ہوئے یہ بتایا کہ ہر کسی نے اپنی سمجھ، ذوق اور طبع کے مطابق واقعات قلم بند کیے ہیں، ان میں اختلاف، اختصار یا مبالغہ کا ہونا بعید از قیاس نہیں، کیوں کہ بعض طبائع میں کچھ واقعات کو نظر انداز اور کچھ کو مبالغہ آمیزی سے دل چسپ بتانے کا ذوق ہوتا ہے اور یہی حال پڑھنے والوں کا بھی ہوتا ہے اور اسے اسی وقت پرکھا جاسکتا ہے جب انھیں یک جا کیا جائے اور قاری اسے جانچ سکے، انھوں نے یہ کام احسن طریقہ پر کیا، انہوں نے محمود غزنوی کے دور کو بیان کرتے ہوئے محمد تغلق تک کے واقعات کو بیان کیا ہے۔ مقالہ فتوح السلاطین میں حواشی کا اندراج نہیں تھا جسے میں نے مکمل کیا۔

مغلیہ دور کے کارناموں اور علمی ذوق پر مقالہ نگار نے روشنی ڈالتے ہوئے نہ صرف بادشاہ بلکہ شہزادوں اور شہزادیوں کے علمی ذوق کو بھی ظاہر کیا ہے، تاکہ اس زمانے کے ہر دور کے علم و ادب کی

Marfat.com

نشان دہی کے ساتھ ساتھ ان کے مکمل حالات سے واقفیت بھی ہو اور اس بات کا بھی اندازہ ہو جائے کہ اس زمانے میں بھی نہ صرف مرد حضرات بلکہ خواتین میں بھی علمی ذوق پایا جاتا تھا

ہمایوں نہ صرف ایک بادشاہ تھا بلکہ اس میں بدرجہ اتم علمی ذوق بھی پایا جاتا تھا، وہ ایک بلند پایہ شاعر ہونے کے علاوہ علمِ ریاضی اور علمِ ہیئت کا ماہر بھی تھا، حالاں کہ اس نے تمام زندگی جنگ وجدل میں گزاری، لیکن فرصت کے اوقات میں وہ شعر وسخن کی مجلسوں میں نہ صرف شریک ہوتا، بلکہ اپنا کلام بھی سناتا، ان محفلوں کی وجہ سے اس میں نکتہ سنجی، دقتِ نظر اور معنی آفرینی پیدا ہوئی، جس کی وجہ سے وہ اصلاح بھی کرتا تھا، ایک بار ملا حیرتی نے اس کے سامنے یہ شعر پڑھا

ہمچو پروانہ بشمع سروکار است مرا　　پس اگر پیش ردم بال و پرم می سوزد

ہمایوں نے دوسرے مصرعے کی اصلاح کرتے ہوئے کہا کہ اس کو اس طرح سے پڑھا جائے تو اس کا لطف دوبالا ہو جائے گا۔

می ردم پیش اگر بال وپرم می سوزد

ملا حیرتی اس اصلاح سے بہت محظوظ ہوئے، ہمایوں کے شعری ذوق سے محظوظ ہونے کے لیے اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ہستیم زجاں بندۂ اولادِ علی　　ہستیم ہمیشہ شاد با یادِ علی
چوں سرِ ولایت زعلی ظاہر شد　　کردیم ہمیشہ ورد خود نادِعلی
در آئینہ گرچہ خود نمائی باشد　　پیوستہ زخویش جدائی باشد
خود را بنمائی غیر دیدن عجب است　　ایں بوالعجبی کار خدائی باشد

ہمایوں نے علمِ ہیئت کا فن علامہ الیاس اردبیلی سے سیکھا تھا اور اس میں مہارت بھی حاصل کی وہ علمِ ہیئت وریاضی کا درس بھی دیتا تھا۔ نورالدین ترخان نوری سفید دتی جو ریاضی، نجوم، اور حکمت کے ممتاز عالم تھے اور وہ ہمایوں کے شاگردوں میں بھی شامل تھے، فلکیاتی ذوق کی وجہ سے سعد اور نحس کا اس قدر قائل تھا کہ ملک کے تمام کاموں کو اسی اصول کے ذریعہ انجام دیتا تھا یہ اشعار اس کے فلکیاتی ذوق کا بین ثبوت ہیں۔

Marfat.com

آں چرخ چیست کا مہ بر محورش مدار — آں مدر کز میانہ شہابش کند گذار
پیوستہ آسماں و زمیں زیر حکم اوست — ہمچو نگینِ خاتم شاہ جسم اقتدار
شاہِ بلند قدر ہمایوں کہ از شرف — بر در گہش سپہر نہد رے افتقار

اکبر خود پڑھا لکھا نہیں تھا، لیکن اس کے شوق کا عالم یہ تھا کہ فارسی کی نثری مشہور کتابیں اس نے سنیں، اس کے علاوہ مولانا جامی، خاقانی اور انوری کے دیوان اور قوموں کی تاریخوں کو بھی سنا کرتا تھا، یہ روایت مشہور ہے کہ پڑھنے والا جہاں ہر روز کتاب کو بند کرتا، وہاں اکبر خود اپنے ہاتھ سے نشان لگا دیتا اور جب کتاب ختم ہو جاتی تو اپنے جیبِ خاص سے اُسے انعام و اکرام سے بھی نوازتا، اسی وجہ سے تاریخی سرگذشت، فقہی، مسئلہ علم وفن اور فلسفہ وحکمت کا کوئی بھی نکتہ ایسا نہ تھا، جو اس کے علم میں نہ ہو اور جس پر وہ خود بحث نہ کر سکتا ہو، اس کا علمی و ادبی ذوق اس قدر بلند ہو گیا تھا کہ وہ خود بھی شعر کہنے لگا۔

گریہ کردم زغمت موجبِ خوش حالی شد — ریختم خونِ دل از دیدہ دلم خالی شد
من بنگ نمی خورم می آرید — من چنگ نمی زنم نیا رید
حاجی بسوئے کعبہ رود از برائے حج — یارب بود کہ کعبہ بیاید بسوئے م

اکبر نے اصلاح کے فرائض بھی انجام دیئے، ایک دفعہ کسی نے افغانی کا یہ شعر پڑھا

مسیحا یار و خضرش ہم رکاب و ہم عنان عیسیٰ — فغانی آفتاب من بدین اعزاز می آید

اکبر نے دوسرے مصرعہ میں برجستہ اصلاح دی

فغانی نے شہسوارِ من بدیں اعزاز می آید

اس نے ۹۹۰ھ میں ''مہابھارت'' کتاب کے ترجمہ کا کام نقیب خان کے سپرد کیا اور ملا عبدالقادر بھی جو سنسکرت زبان کے ماہر تھے اس کام پر مامور ہوئے، ان کے علاوہ کئی اور شخصیات نے بھی اس کام کو انجام دیا، اکبر نے اس ترجمہ کا نام "رزم نامہ" رکھا۔ رامائن کتاب کا ترجمہ عبدالقادر بدایونی نے کیا، اکبر کی خواہش کے مطابق کتاب کے آغاز میں ایک فاضلانہ مقدمہ بھی موجود ہے جسے بہت سراہا گیا۔ ''سنگھاس بتیسی'' ۹۸۲ھ میں عبدالقادر بدایونی نے ایک برہمن کی مدد سے قصوں کا فارسی ترجمہ کیا اور کتاب کا تاریخی نام ''خرد افزا'' رکھا، ''انجیل'' اکبر نے دینِ مسیحی کی جزئیات اور تفصیلات سے واقف ہونے کے لیے اس کتاب کا فارسی ترجمہ

Marfat.com

ابوالفضل سے کرایا، ''تزک بابری''۔ بابر نے اپنے حالات اور واقعات ترکی میں قلم بند کئے تھے، اکبر نے خانخانان عبدالرحیم سے اس کا فارسی ترجمہ ۹۹۸ھ میں کرایا، ''کلیلہ دمنہ'' یہ ایک مشہور سنسکرت کی کتاب ہے، سب سے پہلے اس کا فارسی ترجمہ ملا واعظ سے کرایا، لیکن مشکل الفاظ اور استعارات کی وجہ سے اس کا سمجھنا مشکل تھا اس لیے اس کا دوبارہ ترجمہ ابوالفضل سے ۹۹۶ھ میں کرایا اور کتاب کا نام ''عیار دانش'' رکھا ''بحر الاسماء'' یہ ہندی افسانہ کی کتاب تھی، سلطان زین العابدین نے اس کا تھوڑا سا ترجمہ کیا بعد ازاں ابوالفضل کی فرمائش سے ملا عبدالقادر نے اس کام کو انجام دیا، ان کے علاوہ اور کتابوں کے ترجمہ کا ذکر تفصیل کے ساتھ ان کے مقالے میں موجود ہے۔

اکبر نے نہ صرف سنسکرت کی کتابوں کا ترجمہ کرایا، بلکہ عربی و فارسی کی کتابوں کو سنسکرت کا قالب پہنایا، اس کی خواہش تھی کہ اسلامی عہد کے ابتدائی دور سے لے کر اس کے زمانے تک کے تمام واقعات مکمل اور مفصل طور پر قلم بند ہو جائیں، جسے شاہ فتح اللہ، حاجی ابراہیم سرہندی، عبدالقادر بدایونی، حکیم علی وغیرہ نے ''تاریخ الفی'' کے نام سے چار جلدوں میں مکمل کیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اکبر نے علمی خدمات انجام دینے والوں کی سرپرستی کی۔

جہانگیر بڑی منتوں مرادوں کے بعد پیدا ہوا اور ہوش سنبھالتے ہی علم پرور باپ نے اس کے لیے ایسے اساتذہ مقرر کیے، جس سے اس کے جوہر خود بخود ظاہر ہونے لگے، وہ فارسی زبان کا بے مثل انشاء پرداز تسلیم کیا جاتا ہے، اس کی خودنوشت ''تزکِ جہانگیری'' اس کے علمی ذوق کا بین ثبوت ہے، یہ سادگی، صفائی، بے تکلفی، بے ساختگی اور قادر الکلامی کے لحاظ سے بے مثل ہے، اس میں نثر کے ساتھ ساتھ شاعری کا بھی اعلیٰ ذوق نظر آتا ہے اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ما نامہ بہ برگ گل نوشتیم   شاید کہ صبا باد رساند

اے آنکہ غم زمانہ یاکت خوردہ   اندوہ دل وسوسہ ناکت خوردہ

مانند قطرہاے باراں بزمین   جاگرم نکردۂ کہ خاکت خوردہ

وہ اکثر اساتذہ کے مقابلہ میں شعر کہتا تھا، ایک بار امیر الامراء کا یہ شعر اس کے سامنے پڑھا گیا۔

بگذر مسیح از سرِ ما کشتگانِ عشق   یک زندہ کردنِ تو بصد برابر است

جہانگیر نے فوراً یہ شعر کہا

Marfat.com

از من متاب رخ که نیم بے تو یک نفس　　　یک دل شکستن تو بصد خوں برابر است

اس کے شاعرانہ ذوق کی ایک یہ بھی دلیل ہے کہ اس کے اپنے دور کے سکوں پر جو سو تولے، پچاس تولے، بیس تولے اور دس تولے کی مہروں پر مشتمل ہوتے تھے، اس پر یہ بیت لکھی ہوئی تھی۔

بخط نور بزور کلکِ تقدیر　　　رقم زد شاہ نورالدین جہانگیر

لیکن جب نور جہاں نے اقتدار سنبھالا تو سکہ پر یہ شعر ثبت کیا۔

بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور　　　بنام نور جہاں بادشاہ بیگم

جہانگیر امتیازات کو بالائے طاق رکھ کر ہر مذہب وملت کے علماء سے بے تکلفی سے ملتا تھا اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس نے علماء کی سرپرستی کی۔

شاہجہاں کو بابر، ہمایوں اور جہانگیر کی طرح علمی ذوق نہ تھا، اسی لیے اس کی کوئی تصنیف نظر نہیں آتی، باوجود اس کے وہ اس سے بالکل غافل بھی نہیں تھا، اس کا اندازہ اس کے دربار کی علمی فضا داراشکوہ، جہاں آرا، مراد اور اورنگ زیب کی اعلیٰ تعلیم وتربیت سے لگایا جاسکتا ہے۔ وہ اپنے گوناگوں مشاغل کے باوجود روزانہ کتابوں کا مطالعہ کرتا تھا، وہ جب تمام کاموں سے فارغ ہوکر سونے کے لیے جاتا تو مقربانِ خاص پردہ کے پیچھے سے کتابیں پڑھ کر سناتے ان میں زیادہ تر انبیاء، اولیاء، سلاطین کی سوانح عمریاں اور تاریخیں ہوتی تھیں، وہ ظفر نامہ اور واقعاتِ بابری کو بہت پسند کرتا تھا، اس کے دربار میں شعراء وفضلاء کی ایک کثیر تعداد موجود ہوتی تھی، جو اس کے جود وسخا سے فیض یاب ہوتے تھے۔

اسی کے ساتھ ساتھ ہمیں اس بات کا بھی علم ہوتا ہے کہ جس طرح بادشاہ علم وادب کے رسیا تھے، بالکل اسی طرح شہزادے اور شہزادیاں بھی علمی ذوق رکھتے تھے، اس کا تفصیلی علم ان کے مقالے کے مطالعہ سے ہی ہوسکتا ہے۔

بہادر شاہ ظفر آخری تیموری سلاطین میں شامل ہیں، ان کی شاعری میں مغلیہ سلطنت کی تباہی و بربادی کی داستان ملتی ہے، ان کا پورا دیوان چار جلدوں پر مشتمل ہے جو نولکشور پریس لکھنو سے شائع ہوا، انھیں فارسی کے علاوہ مختلف زبانوں پر بھی قدرت حاصل تھی، غدر کے بعد کا تمام کلام ضائع ہونے کی وجہ سے شائع نہ ہوسکا جس میں ان کے جذبات کی صحیح عکاسی ہوسکتی تھی۔

Marfat.com

میرے نزدیک یہ مقالے اردو ادب میں خاص مقام کے حامل ہیں، ان کی یاد تازہ رکھنا بھی علم دوستی ہے امید کرتی ہوں کہ قارئین اس سے فیض یاب ہوں گے۔

میں اپنے چچا محبوب علی کی مشکور ہوں کہ انہوں نے بچپن سے میری رہنمائی اور حوصلہ افزائی کی۔ میں ڈاکٹر یونس حسنی کی بھی تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں کہ انہوں نے ہمیشہ بہترین مشوروں سے نوازا۔ میں نے کوشش کی ہے کہ پروف کی غلطی نہ ہونے پائے، لیکن انسان غلطی کا پتلا ہے اگر کہیں غلطی نظر آئے تو انسان سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دیں۔

ڈاکٹر مہ جبین زیدی

Marfat.com

فتوح السلاطین

یہ آٹھویں صدی ہجری کی ایک منظوم تصنیف ہے، جس میں محمود غزنوی سے لے کر محمد تغلق کے عہد تک کی ملکی فتوحات کی رزمیہ تاریخ بیان کی گئی ہے، اس کو ڈاکٹر آغا مہدی حسین (آگرہ کالج آگرہ) نے گذشتہ سال اڈٹ کر کے شائع کیا ہے، ان سے پہلے جناب سید محمد یوشع صاحب لکچرار مدراس یونیورسٹی نے اس کو اڈٹ کرنے کی کوشش کی تھی اور ''عصامی نامہ'' کے نام سے ایک مثنوی لکھ کر کتاب مذکورہ اور اس کے مصنف پر روشنی ڈالی تھی اور اس کے دیباچہ میں اعلان کیا تھا کہ یہ کتاب بہت جلد مدراس یونیورسٹی کی طرف سے شائع ہوگی، مگر ڈاکٹر آغا مہدی حسین کی سعی مشکور سے ان کا نسخہ پہلے چھپ کر دلدادگانِ تاریخ وادب کے ہاتھوں میں پہونچ گیا۔

فتوح السلاطین کے مصنف کا نام زیر نظر مطبوعہ نسخہ کے سرورق پر صرف مولینا عصامی لکھا ہے۔ انڈیا آفس کے فارسی مخطوطات کے فہرست نگار نے قیاس کیا ہے کہ پورا نام عبدالملک عصامی ہوگا۔ عصامی کا ذکر معاصر یا بعد کے تذکروں میں کہیں نہیں آتا ہے، وہ شاعر تھا اور مورخ بھی، لیکن اس کا نام شاعروں اور مورخوں کی کسی فہرست میں نظر نہیں آتا ہے، انڈیا آفس لائبریری کے فہرست نگار کا بیان ہے کہ خزینہ گنج الٰہی میں جونویں اور دسویں صدی ہجری کے شاعروں کا ایک تذکرہ تھا، عصامی کا ذکر آیا تھا، لیکن یہ تذکرہ مفقود ہے۔ نظام الدین احمد بخشی مؤلف تاریخ اکبر شاہی اور محمد قاسم صاحب تاریخ فرشتہ نے اپنی اپنی کتابوں کے ماخذ کے سلسلہ میں فتوح السلاطین کا ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ اس کا ذکر کہیں اور نظر سے نہیں گذرا۔

عصامی نے اپنی کتاب میں خود اپنے مختصر حالات لکھے ہیں، جن سے اس کے مختصر سوانح مرتب کیے جاسکتے ہیں، جیسا کہ ڈاکٹر آغا مہدی حسین اور سید محمد یوشع صاحب نے کیا ہے۔

عصامی اپنے اسلاف میں سے ایک کو بغداد کا وزیر بتاتا ہے۔

شنیدم وزیرے بہ بغداد بود　　　محیطِ کرم معدنِ داد بود

Marfat.com

پرستش ہمہ حل و عقدِ دیار | سپردہ سلاطینِ آن روزگار
دراں ملک قرنے وزارت براند | ☆جہانے فخرِ ملکِ عصامیش خواند
☆مدار ممالک بداز ہوش ورائی | ضمیرش بہرباب مشکل کشائی
کسے کو بگشتے دراں ملکِ شاہ | وزیرش بکردے دراں تختگاہ
نہ بے رائے او ہیچ رائے زدے | نہ بے علمِ او دست و پائے زدے[۱]

''وزیر بہ بغداد'' تو بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عباسی فرماں رواؤں کا وزیر تھا۔ یوشع صاحب بھی اپنے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ ''وہ متاخرین خلفائے عباسیہ کے دربار میں وزیر تھا۔ ڈاکٹر آغا مہدی حسین کو بھی یہ تسلیم کرنے میں تامل نہیں، مگر خلفاے عباسیہ کے وزراء کی فہرست میں فخر الملک عصامی نام کا کوئی وزیر ہم کو نظر نہیں آتا، مندرجہ ذیل دو اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وزیر اعظم تھا۔

کسے کو بگشتے درآن ملکِ شاہ | وزیرش بکردے دراں تختگاہ
نہ بے رائے او ہیچ راے زدے | نہ بے علمِ او دست و پائے زدے[۲]

اور جیسا کہ اوپر کے ایک شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ''قرن''[۳] تک اس عہدہ پر مامور رہا۔ وہ ہندوستان یا تو ۶۳۱ھ یا ۶۳۳ھ کے درمیان میں آیا، اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ۲۱-۶۱۹ھ سے ۳۲-۶۳۰ھ تک وزارت کے فرائض انجام دیتا رہا، یہ زمانہ ناصر الدین اللہ (المتوفی ۶۲۲ھ) ظاہر بامراللہ (المتوفی ۶۲۳ھ) اور مستنصر باللہ (المتوفی ۶۴۰ھ) کا ہے، جن کے وزراء علی الترتیب موید الدین[۴] محمد بن محمد بن عبدالکریم قمی اور نصیر الدین بن ابی الازہر احمد بن محمد بن ناقد

☆ جہانے کی جگہ جہاں اور ☆ مدار کی جگہ بدار ہے، ص ۱۲۲، ۱۹۳۸ء

۱،۲ بہ تصحیح ڈاکٹر آغا مہدی حسین، ۱۹۳۸ء آگرہ، ص ۱۲۲

۳ معلوم نہیں ''قرن'' سے عصامی کی کیا مراد ہے۔ ۱۲

۴ ناصر الدین اللہ (۵۷۵ھ یا ۶۲۲ھ) کے تمام وزراء کے نام یہ ہیں۔ ابوالقاسم نصر بن عطار، جلال الدین ابوالمظفر عبیداللہ۔ معز الدین، سعد بن علی، موید الدین ابی المظفر محمد بن احمد نصیر الدین، ناصر بن مہدی، موید الدین قمی۔

Marfat.com

تھے، پھر تعجب ہے کہ عصامی نے فخر الملک عصامی کو ''وزیرے بہ بغداد بود'' کیسے لکھ دیا ''شنیدم'' کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کچھ لکھ رہا تھا، اس پر خود اس کو یقین نہ تھا۔

عصامی کا بیان ہے کہ جب فخر الملک عصامی ہندوستان آیا، تو شمس الدین التتمش نے اس کا پر جوش استقبال کیا۔

چو نزدیکِ دہلی در آمد وزیر — شنید ایں خبر شاہِ روشن ضمیر
کہ آمد زبغداد یک مردِ کار — کہ بودست دستور آں خوش دیار
شنیدم ز دہلی خرامید تفت — بتعظیم او چند فرسخ برفت
وزیرے گزیں ہم در اثنائے راہ — بصد خرمی کرد پابوسِ شاہ
بسے پیشکش پیشِ خسرو کشید — پذیرفت ازد شاہِ اختر سعید
وزاں پس بصد لطف بنوا ختش — ہماں روز دستور خود ساختش
دگر روزِ فرخندہ دستور و شاہ — خراماں رسید ند در تخت گاہ
بسے سال آں شاہ روشن ضمیر — ہمی راند ملکے بہ رائے وزیر
ہم آخر برآئیں کار آگہاں — ببردند رختے ز دار جہاں
بکرسیِ پنجم مرا بالیقیں — یکے آمدے آں وزیرِ گزیں[1]

شمس الدین التتمش کا معاصر مورخ طبقات ناصری کا مصنف ہے، مگر اس نے سلطان التتمش کے قضاۃ، ملوک اور وزراء کی جو فہرست دی ہے، اس میں فخر الملک عصامی کا نام نہیں ہے التتمش کی حکومت کی تفصیل کے لیے طبقات ناصری کے بعد تاریخ مبارک شاہی (۸۳۷ھ) ہی مستند سمجھی جاتی ہے، مگر اس میں بھی فخر الملک عصامی کا ذکر نہیں، بعد کے مورخوں میں نظام الدین احمد بخشی اور فرشتہ نے اپنی اپنی تاریخوں میں اس کا ذکر کیا ہے، نظام الدین احمد کی عبارت یہ ہے۔

''در آخر عمر فخر الملک عصامی وزیر بغداد کہ سی

---

[1] ڈاکٹر آغا مہدی حسین، آگرہ، ص ۱۲۳ ۱۹۳۸ء

Marfat.com

سال در بغداد بمنصب وزارت اشتغال داشت و بفضائل و کمالات صوری و معنوی مشہور و مذکور بود، بہ سببے از اسباب دنیوی کہ مایہ رنجش و ملال خاطر اربابِ دولت می باشد، جلائے وطن شدہ بدہلی آمد، سلطان مقدم اورا گرامی داشتہ با عزاز واکرام تمام بشہر در آورد و منصب وزارت دادہ مراحم خسروانہ در حق او بظہور آورد''۔[۱]

فرشتہ کی عبارت بجنسہٖ یہی ہے۔ نظام الدین احمد کا ماخذ منجملہ اور کتابوں کے فتوح السلاطین ہے، اس لیے گمان ہوتا ہے کہ اس نے تحقیق کیے بغیر یہ معلومات اس سے لے لی ہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ جس وزیر نے تیس سال تک بغداد میں وزارت کی ہو، اس کا ذکر عباسیوں کی تاریخ میں ضرور آنا چاہئے، مگر اس عہد کی کسی تاریخ میں اس کا نام تک نہیں آیا ہے، اس لیے فخر الملک عصامی کا نہ صرف عباسیوں کا بلکہ شمس الدین التمش کا بھی وزیر ہونا مشکوک ہے۔

عصامی کا بیان ہے کہ فخر الملک کا ایک بیٹا ناصر الدین محمود بن التمش کے زمانہ میں وکیل دریعنی شاہی محلات کا کلید بردار تھا، اس عہدہ پر اس زمانہ میں معزز امراء فائز ہوتے تھے۔ ناصر الدین محمود کی سلطنت کے حال میں ہے۔

دگر آن ظہیر ممالک کہ شاہ — وکیل درش کرد بے گاہ و گاہ
یکے بود روشن دل و نیک نام — چراغے ہم از دودۂ بو عصام
ہم از فخر ملک عصامی بہند — بدادہ ہمان☆ گوہر دل پسند[۲]

---

[۱] طبقات اکبری جلد اول، ص ۳۳، ۱۹۲۷ء

[۲] اکثر آغا مہدی حسین ص ۱۴۲، ۱۹۳۸ء

☆ سید محمد یوشع نے اس مصرع کو فتوح السلاطین میں اس طرح لکھا ہے۔'' ہزداہ بد آں گوہر دل پسند'' ص ۱۴۸، ۱۹۴۸ء

Marfat.com

اس کا بیٹا عزالدین بلبن کی حکومت کا معزز عہدیدار تھا۔

لقب عزدین داشت آں نیک مرد — ہمہ عمر از و کس شکایت نکرد
سر اورا پدر بود صدر الکرام — کزد تازہ شد گلشنِ بو عصام
ظہیر ممالک یلِ نام جو — وکیلِ درِّ شاہِ فرزانہ ☆خو[1]

ان اشعار سے اندازہ ہوگا کہ فخر الملک کے لڑکے کے دو القاب صدر الکرام اور ظہیر ممالک تھے اور اس کے پوتے کا لقب عزالدین تھا، مگر تعجب ہے کہ صدر الکرام اور ظہیر ممالک کا ذکر طبقاتِ ناصری میں نہیں، حالاں کہ اس میں ناصر الدین محمود کے امراء کی ایک طویل فہرست ہے اور نہ عزالدین کا نام بلبنی امراء کی اس فہرست میں ہے، جو ضیاء الدین نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں دی ہے۔

عزالدین فتوح السلاطین کے مصنف کا دادا تھا، جب محمد تغلق نے دہلی کے باشندوں کو دیو گیر جانے کا حکم دیا، تو عزالدین بھی روانہ ہوا، اس وقت اس کی عمر نوے (۹۰) سال کی تھی، لیکن وہ دیو گیر پہنچ نہ سکا اور راستہ ہی میں اس کا انتقال ہو گیا۔ عصامی دیو گیر پہونچا اور وہاں وہ چالیس (۴۰) سال تک رہا، اس مدت میں جیسا کہ اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے وہ تصنیف و تالیف میں مشغول رہا، مگر اس کے علم و فضل کی قدر دانی نہیں ہوئی اور اس کی ساری علمی کاوشیں تلف ہو گئیں۔

دلم گفت کائے ☆ مردِ صاحب ہنر — جہانے ز گفتارِ تو بہرہ ور
نخست انچہ گفتی تو از یاد رفت — سوادِ و دیوانت برباد رفت[2]

مگر آخر میں دولت آباد کے قاضی بہاء الدین کے کرم و التفات سے اس کے جوہرِ فضل و کمال کی جلا ہوئی، قاضی بہاؤالدین نے جس کو علاؤالدین بہمنی کی طرف حاجب قصہ کا لقب ملا تھا،

---

[1] ڈاکٹر آغا مہدی حسین ۳۸ء ص ۴۳۱۔ لیکن اس مصرع کو سید محمد یوشع نے اس طرح لکھا ہے وکیل در شاہ بلبن ھمو، ص ۴۴۸، ۴۸ء

[2] ڈاکٹر آغا مہدی حسین ۳۸ء، ص ۲۱، ☆ لیکن محمد یوشع نے کائے کی جگہ "اے" لکھا ہے، ص ۲۲، ۴۸ء

Marfat.com

عصامی کو اپنے یہاں طلب کیا اور اس کا کلام سنا، جس سے وہ اس قدر محظوظ ہوا کہ:

بگفتا چنیں بلبلے خوش نوا : بگلزار فردوس باشد سزا
چنیں مرغ حیف است دریں بوستاں چنیں طوطی حبس ہندوستاں
سزائے چنیں بلبلے لالہ زار نباشد مگر مجلسے شہر یار[۱]

پھر عصامی کو وہ سلطان علاؤ الدین بہمنی کے دربار میں لے گیا، جس کے حکم سے اس نے ہندوستان کی منظوم تاریخ لکھنی شروع کی، جو اس وقت زیرِ نظر ہے، اس میں قریب بارہ ہزار اشعار ہیں، ذہین اور طباع عصامی نے ان کو صرف پانچ مہینے اور نو دن کی مدت میں ختم کیا۔

بنہ روز و شش ساعت و پنج ماہ شروعے نمودم بے گاہ و گاہ
شب و روز خونِ دلِ خویشتن ہمہ آب کردم پئے ایں چمن[۲]

کتاب کی تالیف کی تاریخ ذیل کے اشعار سے ظاہر ہوتی ہے۔

زہفصد فزوں راست پنجاہ بود کہ طبعم بہ گفتن☆ شروعش نمود
شد آغاز در بیست و ہفت صیام ربیع نخستیں ششم شد تمام[۳]

اس اہم علمی کارنامے کے بعد عصامی بہمنی دربار کی زرپاشیوں سے فیض یاب ہونے کے لیے ہندوستان میں نہیں ٹھہرا، بلکہ دولت اُخروی جمع کرنے مکہ معظمہ چلا گیا اور شاید یہیں واصل بحق ہوا۔

فتوح السلاطین پر تاریخی نظر:

فتوح السلاطین امیر سبکتگین سے لے کر محمد بن تغلق تک کی منظوم تاریخ ہے، شاعر نے اپنے ماخذ کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

---

۱ ڈاکٹر آغا مہدی حسین، ص ۲۳، ۱۹۳۸ء ۲ ایضاً ص ۵۷۷، ۱۹۳۸ء

۳ ایضاً ص ۵۸۲، ۱۹۳۸ء ☆ "بہ گفتن" کی جگہ خالی ہے اور حاشیہ میں بہ بیگہ لکھا ہے۔

Marfat.com

حدیثے کہ بشنیدم از پاستان | کشیدم بہ نظمش دریں داستان
دگر آنچہ اندر کتب یافتم | سر از درجِ آں نیز کم تافتم
پراگندہ بس درّ قیمت گراں | کشیدم دریں سلک چوں ناقداں
بہ تحقیقِ افسانہاے کہن | ببردم بسے رنج درہر سخن
حکایاتِ شاہانِ ہندوستاں | طلب کردم از باخرد دوستاں
ہمہ با تواریخ کردم رجوع | چو دیدم موافق اصول و فروع
کشیدم دریں سلک ہریک گوہر | بجائے کہ دیدم سزا وارتر
وگر گوہری زان گہر ہای ناب | چودیگر گہر ہاندیدم خوش آب[1]

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس تلاش وجستجو اور محنت ومشقت سے عصامی نے جو کچھ لکھا ہے، وہ ہمارے موجودہ تاریخی لٹریچر میں کیا اضافہ کرتا ہے اور معاصر تاریخوں کے مقابلہ میں اس کے بیانات اور معلومات کہاں تک مفید ہیں۔

فتوح السلاطین کے تاریخی واقعات کا آغاز محمود غزنوی کی پیدائش سے ہوتا ہے۔ عصامی نے لکھا ہے کہ ۳۶۱ھ میں محمود کے باپ سبکتگین نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ اس کے محل میں آتش دان کے اندر سے ایک درخت نکلا اور اتنا بلند ہوا کہ تمام دنیا اس کے سایہ میں آ گئی، اسی رات کو اس کو خوش خبری ملی کہ اس کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے، صبح کو لوگوں سے خواب کی تعبیر پوچھی، تو ایک صاحب خرد نے[1] عرض کیا کہ بچہ جوان ہو کر اہل دنیا کے لیے عیش کا دروازہ کھول دے گا - ہفت اقلیم تسخیر کرے گا، اس کی فوج سندھ سے گذر کر ہندوستان فتح کرے گی، وہ سومنات کے بت خانہ کو منہدم کرنے میں کامیاب ہوگا، فرات کو کفار کے خون سے رنگین کر دے گا۔ سبکتگین نے خوش ہو کر بچہ کا نام محمود اور کنیت ابوالقاسم رکھی۔ عصامی نے یہ واقعہ ''پیران بیدار مغز'' سے سن کر لکھا ہے، جہاں تک خواب کا تعلق ہے، اس کا ذکر طبقاتِ ناصری میں بھی ہے، مگر اس کی تعبیر عصامی کی محض شاعرانہ اختراع ہے، جو آیندہ کے واقعات پر محمول کر لی گئی ہے۔

---

[1] اکٹر آغا مہدی حسین، ص ۵۸۲، ۳۸ء

Marfat.com

ایک جگہ ہے:

چوں بگذشت از سالِ او بیست وچہار　　زہر فن بیاراستش کردگار

بہر جا کہ مشکل ازو گشت حل　　خطابش پدر کرد سیف الدول[۱]

مگر طبقات ناصری میں ہے کہ یہ خطاب محمود کو امیر نوح سامانی نے بوعلی سیمجوری خراسان سے جنگ کرنے کے صلہ میں عطا کیا تھا۔

محمود کی تخت نشینی کے بعد عصامی لکھتا ہے:

شنیدم ہماں سال آں شیر مرد　　سوئے ہند آہنگِ کفّار کرد

(۳۸۶ھ)

یکایک در آمد بہندوستاں　　شدش کار بر کامۂ دوستاں

بیک حملہ افواج ہندو شکست　　فتادش ہماں رائے جیپال دست

مراد را در اقصائے غزنین ببرد　　بدلّالِ بازار بردہ سپرد

شنیدم بفرمانِ فرماں روا　　بہ شتاد دینار جیپال را

مقیمان بازار بفرو ختند　　بہایش بخازن در انداختند

زسہ صدفزوں شد چو ہشتاد☆ و ہفت　　شہنشاہ در کشور بلخ رفت

چو افتادش آں شہر و کشور بہ دست　　در آں تختگہ یک دو سالے نشست

سرا سر بما لید ملکِ ہرات　　وزاں پس سپہ راند در گوجرات[۲]

عصامی نے ۳۸۷ھ سے ۴۱۶ھ تک کے واقعات کو اس طرح لکھا ہے کہ سرسری مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام واقعات ۳۸۷ھ ہی میں ہوئے، پھر معلوم نہیں عصامی نے یہ کہاں سے

---

۱ ڈاکٹر آغا مہدی حسین، ص۳۲، ۳۸۔

☆ لیکن سید محمد یوشع نے ہشتاد کی جگہ ہفتاد لکھا ہے، ص۳۵

۲ ایضاً ص۳۳، ۳۸۔

Marfat.com

گھڑ لیا کہ محمود جے پال کو غزنیں لے گیا۔ طبقات ناصری کے مصنف نے لکھا ہے کہ وہ من یزید (خراسان) بھیج دیا گیا۔ عنصری کا بیان ہے کہ وہ میرند بھیجا گیا۔ عتبی نے اپنی ''تاریخِ یمینی'' اور گردیزی نے اپنی زین الاخبار میں اس کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ وہ جے پال کے فروخت ہونے کا حال لکھتے ہیں، البتہ طبقاتِ ناصری میں اس کے بکنے کا ذکر ہے۔

سومنات کے حملہ کے ذکر میں عصامی نے ایک دل چسپ قصہ لکھا ہے کہ محمود جب دس سال کا تھا، تو ہندوستان کے موبدوں کے مشورے کے مطابق جے پال نے اس کے پاس تحائف بھیجے اور اس سے وعدہ لیا کہ گجرات کو تاراج کرنے کی صورت میں سومنات کا بت اس کے حوالہ کردے گا، جب محمود نے سومنات کو فتح کیا، تو اس کو ایفاے وعدہ کا خیال آیا، مگر وہ ایک کشمکش میں مبتلا ہوگیا۔

بدل گفت آں خسروِ تیز ہوش — کہ گربت دہم شاں شوم بت فروش
بہ فردا کہ مستانِ جامِ ہلاک — بر آرند سرباز بالینِ خاک
من از بت فروشی شوم عام وفاش — زبت ساختن آزرِ بت تراش
وگرنہ ہم آں بت مرا خاص و عام — بخوانند ''محمود بد عہد'' نام[1]

محمود کے ذہن میں ایک ترکیب سوجھی، اس نے بت کو جلا دینے کا حکم دیا اور جب ہندو بت لینے کے لیے اس کے پاس آئے، تو اس نے جلے ہوئے بت کے چونے کو پان میں دے کر پیش کیا اور اس طرح بت دینے کا وعدہ پورا کردیا، اس حکایت کے شروع میں عصامی نے لکھا ہے۔

حکایت شنیدم بنقلے صحیح — ازاں راویان امین و فصیح[2]

مگر اس کو فسانہ سے زیادہ وقعت نہیں دی جاسکتی ہے، اسی واقعہ کو فریدالدین عطار نے منطق الطیر میں اس طرح لکھا ہے۔

یافتند آں بت کہ نامش بود لات — لشکر محمود اندر سومنات

---

۱ ڈاکٹر آغا مہدی حسین، ص ۳۵، ۳۸ء ۲ ایضاً ص ۳۳

Marfat.com

ہندوان از بہر بت بر خواستند | در رہش ہم سنگ زرسی خواستند
ہیچ گونہ شاہ سی نفروختش | آتشے بر گرد و حالی سوختش
ہر کسے گفتش نمی باید سوخت | زر زبت بہتر باید فروخت
گفت ترسیدم کہ تاروز شمار | برسر این جمع گوید کردگار
آذر و محمود را دارید گوش | آں یکے شد بت تراش ایں بت فروش

بعد کے مورخوں نے شاید فریدالدین عطار ہی کے بیان کو صحیح سمجھ کر اس واقعہ میں رنگ آمیزی کی ہے۔ فرشتہ رقم طراز ہے کہ ہندوؤں نے جب محمود کو سومنات کے بت کی قیمت دینی چاہی تو اس نے کہا کہ:

''اگر این کا ربکنم مرا محمود بت فروش خواہند
گفت و اگر بشکنم محمود بت شکن، خوشتر آنکہ
در دنیا و آخرت مرا محمود بت شکن خوانند۔''

مگر معاصر اربابِ تصنیف میں گردیزی، البیرونی، ابوالقدار اور حتی کہ شاعر فرخی نے بھی اپنے طویل قصیدہ ''سفر سومنات'' میں اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔

مذکورۂ بالا واقعہ کے فوراً ہی بعد عصامی نے ایک دوسری حکایت شروع کر دی ہے کہ ایک برہمن نے ایک پتھر کو زمین میں دفن کر دیا اور ایک گائے کے بچہ کو روز اسی جگہ دانا کھانے کو دیا کرتا تھا، ایک روز تمام لوگوں کو جمع کر کے اس نے اعلان کیا کہ تائید غیبی سے ایک گائے کا بچہ ان کو ایک مندر تعمیر کرنے کی بشارت دے گا، صبح کو گائے کا بچہ گھر سے نکلا، لوگ اس کے پیچھے چلے، حسب معمول گائے کے بچہ نے اس زمین کو سونگھا، جہاں وہ دانا چرا کرتا تھا، لوگ اس زمین کو کھودنے لگے، اس کے نیچے سے ایک پتھر نکلا اور وہیں پر انھوں نے سومنات بنایا، محمود ہندوستان آیا، تو بت خانہ کو مسمار کر کے اس کے بت کے چار ٹکڑے کیے، جن میں سے دو غزنی اور دو مکہ اور مدینہ بھجوا دیئے، عصامی نے محمود غزنوی سے متعلق اس قسم کے اور بھی واقعات لکھے ہیں، جو محض دل

Marfat.com

چسپی کی خاطر قصوں اور کہانیوں کی طرح پڑھنے کے لیے ہیں۔ فرشتہ نے محمود غزنوی کے بہت سے قصے لکھے ہیں، مگر عصامی کے کسی قصہ کو اپنی تاریخ میں جگہ نہیں دی ہے۔

عصامی نے ایک جگہ حسن میمندی کو محمود کا وزیر بتایا ہے، جو صحیح نہیں۔ محمود کے وزراء کے نام علی الترتیب ابوالعباس فضیل بن احمد، ابوالقاسم احمد بن حسن المیمندی اور ابوعلی حسن ابن محمد بن عباس تھے، فرشتہ نے تو تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ حسن میمندی محمود کا وزیر نہ تھا۔

"آنکہ بین الناس شہرت دارد کہ حسن میمندی در سلک وزرائے سلطان محمود انتظام داشت، عین غلط و محض خطاست و احمد بن حسن چون بحسن خط و جودت فہم و فضل اتصاف داشت، دراوائل صاحب دیوان انشاء و رسالت کردند و جذبات التفات سلطانی اورا از درجہ بدرجہ ترقی می داد تا بمنصب استیفائے ممالک رسیدہ شغل عرض عساکر ضمیمۂ امر مذکور گشت و بعد از چند گاہ ضبط اموال بلاد خراسان نیز باشغال سابقہ انضمام یافت ...... چون مشرب سلطانی نسبت بہ ابوالعباس اسفراینی سمت تکدّر پذیرفت زمام امور وزارت من حیث الاستقلال در کف کفایت آن خواجۂ ستودہ خصال قرار گرفتہ"۔ (ص ۳۸، نولکشور پریس)۔

محمود غزنوی کے جانشینوں کا حال عصامی نے طبقاتِ ناصری کے مصنف ہی کی طرح مختصر لکھا ہے۔ معزالدین بن سام المعروف بہ شہاب الدین غوری کی فتوحات کا ذکر کچھ تفصیل کے ساتھ ہے، لیکن پھر بھی ۵۶۹ھ سے ۵۸۷ھ تک کے بہت سے واقعات نظرانداز کردیے گئے ہیں

Marfat.com

اور جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ بہت ہی مختصر ہے، البتہ رائے پتھورا اور غوری کی پہلی اور دوسری جنگ کو عصامی نے پورے رزمیہ انداز میں لکھا ہے، جس میں فردوسی کی جھلک آ گئی ہے۔ پہلی جنگ کی شکست کے بعد غوری غزنین واپس گیا ہے، اس کو عصامی لکھتا ہے۔

در آمد بہ لاہور شرمندہ وار — در آنجا بسے سدّ کرداُ ستوار
شنیدم سہے یک دو آنجا بماند — پس آنگہ بغزنین زلاہور راند
چو در غزنیں آمد شہِ شرزہ زور — نوندی فرستاد در ملکِ غور
ہماں خسرو ترک رابا پسر — کشانیداز خشمِ آں نامور
مسافر شد آں خسرو خوشخصال — کہ در خسروی بد دہ و چار سال
ہمو ختم اولادِ محمود بود — محیطِ کرم معدنِ جودبود
شد آں روز از گردش آسماں — ز اولادِ محمود خالی جہاں[۱]

صاحب طبقاتِ ناصری نے خسرو ملک کے قتل کا ذکر غوری اور پتھورا کی لڑائی سے پہلے کیا ہے، گو اس نے بھی اسی واقعہ کو دو جگہ اور دو سنہ لکھ کر اپنے بیان کو مشکوک کر دیا ہے۔ غوری اور پتھورا کی جنگ کے ذکر سے پہلے لکھتا ہے:

"چوں در شہور سنہ سبع و ثمانین و خمسائہ عصیان و فتنہ سلطان شاہ خوارزمی ظاہر شد خسرو ملک و پسرش را شہید کردند۔" (ص ۱۱۸)

پھر خسرو شاہ کے مستقل بیان میں ہے۔

"درشہور سنہ ثلث و ثمانین (معزالدین محمد سام، لشکر بہ لوہور آوردہ لوہور فتح کرد و خسرو ملک رابہ عہد بیروں آوردو بطرف غزنین فرستادواز آن جا

۱۔ ڈاکٹر آغا مہدی حسین، ص ۲۷، ۳۸۔

Marfat.com

بحضرت فیروز کوہ کہ دارالملک سلطان بزرگ غیاث الدین محمد سام بود، رواں کردو غیاث الدین فرمان داد، تا خسرو ملک را بقلعہ، بلروان از غرجستان محبوس کردند و چوں حادثۂ سلطان شاہ در خراسان ظاہر شدو سلاطین غوروی بد ان مہم آوردند، سلطان خسرو ملک را شہید کردند، در شہورسنہ ثمان و تسعین و خمسمایہ پسر او بہرام شاہ را کہ در قلعہ سیفرود غور محبوس بود، ہم شہید کردند و خاندان آل ناصر الدین سبکتگین مندرس گشت۔"

غوری جب دوسری بار پتھورا کے خلاف فوج لے کر آیا، تو عصامی نے سرخی میں

"جنبیدن سلطان معز الدین محمد ابن سام کرت سیوم در ہندوستان"

لکھا ہے، حالاں کہ اس وقت تک جیسا کہ عصامی کے بیان سے بھی ظاہر ہے۔غوری کے پے در پے کئی حملے ہو چکے تھے،اس سے آگے چل کر سرخی ہے" مصاف کردن پتھورا و گوبند باسلطان معز الدین بار سیوم و کشتہ شدن ایشیان"۔ مگر عصامی اور دوسرے مورخوں نے صرف دو ہی لڑائیوں کا ذکر کیا ہے،معلوم نہیں" بار سیوم" سے عصامی کی مراد کیا ہے؟

پتھورا کی جنگ کے بعد عصامی غوری کی بہت سی فتوحات کو نظر انداز کرتے ہوئے کالیور (گوالیار) پھر اہرن دارہ اور پھر قنوج کی مہم کا ذکر کرتا ہے، جو ترتیب کے لحاظ سے بالکل درست نہیں، حالاں کہ ان میں بعض سنہ جو عصامی نے لکھے ہیں، وہ غلط نہیں ہیں، مگر قنوج کی مہم ۵۸۹ھ میں کالیور (۵۹۲ھ) سے پہلے ہوئی اور اہرن دارہ (انہروالہ) ۵۹۳ھ میں ہوئی۔عصامی کا بیان ہے کہ انہروالہ کی مہم میں غوری بھی شریک تھا، مگر طبقات ناصری میں ہے کہ اس کو قطب الدین نے غوری کی غیر موجودگی میں فتح کیا (ص ۱۲۱ و ۱۴۰)۔

Marfat.com

کالیور کی تسخیر کے سلسلہ میں عصامی نے وہاں کے راجہ کی لڑکی کے بارے میں ایک دل چسپ قصہ لکھا ہے۔ کالیور (گوالیار) کے محاصرہ میں جب تین چار مہینے گذر گئے، تو راجہ کی لڑکی ساٹھ ستر سہیلیوں کے ساتھ باپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور۔

بتعظیم بوسید پائے پدر — نہ تنہا کہ با گلرخانِ دگر
بگفتند کاے ☆ راے اختر سعید — چو امروز ماراست روز و عید
بدہ انچہ ہر سال مرسوم ماست — بکن انچہ رسمِ بردِ بوم ماست [1]

رسم یہ تھی کہ ہر سال ''رایانِ ہند''۔

خراجے دیارے بہ دختر دہند — یکے تاجِ زریں بفرقش نہند [2]

لیکن گوالیار کے راجہ نے یہ کہہ کر خراج دینے سے انکار کیا کہ:

چو در ملکِ من دیگرے ہست شاہ — بمعزولی از من خراجے مخواہ
و گر خواہی از وے بخواہ ایں خراج — کہ شد جمع بروے ہمہ ساد و باج [3]

راجہ کی لڑکی قلعہ سے اپنی سہیلیوں کو لے کر نکلی، ان کو دیکھ کر غوریوں نے اپنی تلوار نیام میں رکھ لی۔ لڑکیاں شہاب الدین غوری کے پاس آئیں، راجہ کی لڑکی آگے بڑھی، سربسجود ہوئی اور بولی۔

کہ از حد دریای تا آب سند — و عیدیست ☆ امروز در ملک ہند
بامروز رایان ہندوستان — بنوروز نشستند ☆ بادوستان
بسے گنج مر دختران را دہند — بسر ہائے شان تاج زریں نہند
من امروز بر عادت بومِ خویش — طلب کردم ازرائے مرسومِ خویش
چو معزول شد رائے ما از دیار — حوالہ مرا کرد بر شہریار [4]

☆ "کاے" کی جگہ ڈاکٹر آغا حسین نے ''اے'' لکھا ہے

[1] [2] [3] ڈاکٹر آغا مہدی حسین ص ۷۹، ۳۸۰

☆ وعیدیست کی جگہ وعدے است اور ☆ نشستند کی جگہ نشیند ہے۔ محمد یوشع ص ۸۳، ۸۱ [4] ایضاً ص ۸۰

Marfat.com

غوری نے لڑکی کو اس کے باپ کا ملک اس شرط پر بخش دیا کہ گوالیار کے قلعہ کے اندر کفار کے آئین و رسم مٹا کر ایک مسجد بنا دی جائے، جو لڑکی نے منظور کیا، مگر یہ قصہ محض افسانہ ہے، جس کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں۔

قطب الدین اور محمد غوری کے خوش گوار تعلقات کو ظاہر کرنے کے لیے عصامی نے ایک عجیب و غریب قصہ لکھا ہے۔ قطب الدین ایبک جب میرٹھ، دہلی، کہتیرہ فتح کر چکا، تو دو سال کے بعد اس کے سپاہیوں نے سرکشی کی اور غوری کے پاس یہ مخبری کی کہ ایبک غرور میں اپنے سے کسی کو بہتر نہیں سمجھتا ہے۔ بادشاہ نے بدگمان ہو کر بطور امتحان ایک قاصد کے معرفت اپنے یہاں بلا بھیجا۔ ایبک التتمش کو دہلی میں چھوڑ کر ایک لشکر کے ساتھ غزنیں روانہ ہو گیا، راستہ میں اہرن دارہ فتح کرتا ہوا غزنیں پہونچا، غزنیں سے باہر اپنی فوج کو چھوڑ کر تنہا شہر میں داخل ہوا۔ وہ پہلے بادشاہ کے وزیر کے گھر گیا، پھر وزیر کے ساتھ بادشاہ کے پاس آیا، اس کی اطاعت و نیازمندی سے بادشاہ اس قدر خوش ہوا کہ:

همه شب شه و ایبکِ نامور ـ بگفتند احوال بایک دگر[1]

اس کے بعد عصامی لکھتا ہے:

چو شد روز گفت آں شہِ نیک بخت ـ به ایبک که گرد د نہاں زیر تخت
خود آنگاه ہم اول بامداد ـ بر آں تخت باخورمی☆ بار داد
طلب کرد آں قومِ روباه فن ـ که گفتند دربابِ ایبک سخن
شنیدم چو آں زمرۂ نابکار ـ رسیدند پیش شہِ کامگار
بد ایشاں بگفت آں شہِ ہوشمند ـ که اے زمرۂ نابکار و نژند
چه گوئید دربابِ ایبک کنوں ـ دہید از سرِ راستی خط بخوں

---

[1] ڈاکٹر آغا مہدی حسین ص، ص، ۸۶، ۱۹۳۸ء

☆ خور کی جگہ سید محمد یوشع نے خرّ لکھا ہے، ص ۹۰، ۱۹۴۸ء

Marfat.com

کہ گر ایبک آید برایوانِ ما نتابد سر از حکم و فرمانِ ما
بود خونِ ہر یک ہبا و ہدر در آرید ہر یک دریں شرط سر
چو آں قوم از شاہِ روشن ضمیر شنیدند دادند خط ناگزیر
وزاں پس بگفت آں شہِ نیک بخت کہ ایبک بروں آید از زیرِ تخت
بفرمانِ شہ ایبک آمد بروں دعا و ثنا گفت شہ را فزوں
بصد عذر بنہاد سر بر زمیں بدیدند اہلِ یسار و یمیں [1]

سلطان غوری قطب الدین ایبک کے بدخواہوں کو قتل کر دینا چاہتا تھا، مگر ایبک کی وساطت سے ان کی جان بخشی کی گئی۔ دوسرے دن ایبک اپنی فوج لے کر غزنین میں داخل ہوا، جہاں بادشاہ کے حکم سے بہت ہی تزک و احتشام کے ساتھ اس کا استقبال کیا گیا۔

معلوم نہیں یہ قصہ عصامی کو کہاں سے معلوم ہوا۔ معاصر تاریخوں میں طبقاتِ ناصری کے مصنف نے التتمش کے ذکر میں سرسری طور پر لکھا ہے، کہ:

"سلطان قطب الدین از غزو نہرواله و فتح گجرات با ملك نصیر الدین حسین بغزنین رفت" (صفحہ ۱۶۰)

البتہ تاج المآثر میں ہے کہ سلطان غوری نے جب قطب الدین کی فتوحات کا حال سنا، تو وہ اس کو دیکھنے کا مشتاق ہوا اور غزنی بلایا۔ قطب الدین شاہی فرمان پاتے ہی غزنی روانہ ہو گیا، غزنی پہونچا، تو سلطان نے اس کی آمد میں جشن منایا اور زر و جواہر، خلعت اسلحہ اور غلام عطا کر کے سرفراز کیا، مگر وہ فوراً بیمار پڑ گیا، جس سے وہ شاہی اعزاز و اکرام سے لطف اندوز نہ ہو سکا، جب اچھا ہوا، تو ہندوستان آیا، سلطان نے رخصت کرتے وقت ہندوستان کی سلطنت اس کو عطا کی۔ (الیٹ جلد دوم ص ۲۲۰-۲۲۱) بعد کے مورخوں میں فرشتہ نے بھی یہی لکھا ہے اور عصامی کے قصہ کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

قطب الدین ایبک کا ذکر فتوح السلاطین میں بہت ہی تشنہ ہے، اس کی حکومت کے

[1] ڈاکٹر آغا مہدی حسین ص ۸۶، ۳۸ء

Marfat.com

احوال میں سے صرف یلدز سے اس کی لڑائی اور اوس کی موت کا ذکر کیا گیا ہے۔ شمس الدین التتمش کا ذکر ذرا تفصیل کے ساتھ ہے، التمش کا تلفظ کہیں التتمش اور کہیں التمش ہے۔

التتمش کے بیان میں عصامی نے پہلے یلدز کی جنگ کا حال لکھا ہے، اس کے بعد قباچہ سے لڑائی کا ذکر کر کے اس کے دریا میں ڈوب جانے کا واقعہ لکھ دیا ہے، مگر طبقاتِ ناصری میں ہے کہ التتمش ۶۱۴ھ میں قباچہ سے دو لڑائیاں لڑا اور ۶۲۵ھ میں وہ پھر اس سے برسرِ پیکار ہوا اور اسی لڑائی میں قباچہ ڈوب کر مرا، عصامی نے التتمش اور قباچہ کی تینوں لڑائیوں کا علحدہ علحدہ ذکر کرنے کے بجائے ایک ہی لڑائی میں تمام لڑائیوں کے نتائج لکھ دیئے ہیں۔ التتمش کی بعض فتوحات کے ذکر میں عصامی نے ترتیب قائم نہیں رکھی ہے مثلاً کالیور کی فتح (۶۲۹ھ) کو وہ رنت بھنور کی (۶۲۳ھ) کی تسخیر سے پہلے لکھتا ہے، بعض واقعات مثلاً التتمش اور خوارزم شاہ کی جنگ (۶۱۵ھ) اور خلیفہ بغداد کی طرف سے خلعت کی آمد کو حذف کر دیا ہے، مگر بعض ایسی نئی باتیں بھی ہیں، جو طبقاتِ ناصری میں نہیں ہیں مثلاً التتمش کے دوبار میں سماع کے متعلق قاضی حمید الدین سے جو بحث ہوئی، اس کا ذکر منہاج سراج نے نہیں کیا ہے، لیکن فرشتہ (جلد اول، ص ۶۷) اور نظام الدین بخشی (ص ۶۳ جلد اول) نے اپنی اپنی تاریخوں میں اس کا حوالہ دیا ہے۔ حمید الدین ناگوریؒ سے جن علمائے ظاہر نے بحث کی تھی، ان کا نام عصامی نے قاضی سعد و قاضی عماد لکھا ہے، لیکن نظام الدین بخشی اور فرشتہ ملا جلال لکھتے ہیں۔

اس زمانہ میں دہلی کی خوش حالی اور عروج کا ذکر عصامی نے بہت ہی والہانہ انداز میں کیا ہے:

بد دہلی چنان تختگا ہے بساخت ۔۔۔ سپاہش دراقصائے آں ملک تاخت
دراں شہریك رونقے شد پدید ۔۔۔ بلے لذّتے باشد اندر جدید
بسے سیدانِ صحیح النسب ۔۔۔ رسیدند دروے زملكِ عرب
بسے کاسبانِ خراساں زمیں ۔۔۔ بسے نقشبندانِ اقلیم چیں

Marfat.com

بسے عالمانِ بخارا نژاد ۔ بسے زاہد و عابد از ہر بلاد
زہر ملک ہر جنس صنعت گراں ۔ زہر شہر ہر اصل سیمیں براں
بسے ناقدانِ جواہر شناس ۔ جواہر فرو شاں بروں ازقیاس
حکیمانِ یونان طبیبانِ روم ۔ بسے اہلِ دانش زہر مرز و بوم
دراں شہر فرخندہ جمع آمد ند ۔ چوپروانہ بر نورِ شمع آمدند
یکے کعبۂ ہفت اقلیم شد ۔ دیارش ہمہ دارِ اسلیم شدا[1]

عصامی نے رضیہ کے ذکر میں بہت سی نازیبا باتیں لکھی ہیں - رضیہ نے جس تدبر و سیاست اور فہم وفراست سے حکم رانی کی اور سرکش امراء کی بغاوت کو فرو کیا، ان کو اس نے بالکل نظر انداز کر دیا ہے اور اپنی شاعری کا سارازور اس میں خرچ کیا ہے کہ وہ حیا کو بالائے طاق رکھ کر پردہ سے باہر نکلتی تھی، قباء و کلاہ زیب تن کرتی تھی، ہاتھی اور گھوڑے پر سوار ہوتی تھی اور اس کے رکاب میں مرد رہا کرتے تھے - اسی سلسلہ میں لکھتا ہے -

شنیدم غلامے زجنس حبش ۔ بدے در سواری بر مرکبش
گرفتے بیك دست بازوئے او ۔ بدادے سواریش بے گفتگو
بداں مرد شاہِ جہاں راغلام ۔ شہش کردہ بودہ☆ است یا قوت نام
امیر آخرش ☆ شاہ و شہزادہ بود ۔ بفرماں رضیہ رضا دادہ بود
چو ارکانِ دولت دراں روز گار ۔ بدیدند گستاخیش آشکار
ببردند غیرت ازاں ماجرا ۔ بگفتند بایك دگر در جدا
کزین ☆ گونہ کیں دیو در ملك جم ۔ مسخر تر آمد زجملہ خدم

لے ڈاکٹر آغا مہدی حسین، ص ۱۱۰، ۱۰۹، ۱۳۸ ☆ بودہ است کی جگہ بودست،
☆ آخرش کی جگہ آخورش ☆ کزین کی جگہ ازیں

Marfat.com

عجب نے کہ گردست یابد گہے　　　پئے نصِّ خاتم بگیرد رہے

زناں جملہ در دام آہر منند ☆　　　بخلوت ہمہ کارِ شیطان کنند[۱]

منہاج سراج جو رضیہ کے عہد کا چشم دید مورخ ہے، یاقوت کی مذکورۂ بالا جسارت کا ذکر مطلق نہیں کرتا ہے، حالاں کہ اس کی تاریخ میں رضیہ کی بے پردگی اور شہ سواری کا ذکر وضاحت سے موجود ہے۔ تاریخ مبارک شاہی میں بھی اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں، مگر بعد کے مورخوں نے شاید عصامی کی شاعرانہ اختراع ہی کو ماخذ بنا کر اس واقعہ میں بہت کچھ رنگ آمیزی کی ہے۔

عصامی کا بیان ہے کہ رضیہ نے ملک لاطونہ سے عقد کرنے کے بعد سلطان معزالدین سے ۶۳۸ھ میں دو مرتبہ جنگ کی اور آخری بار میدانِ جنگ سے فرار ہوئی، تو کیتھل میں ہندوؤں نے اس کو مع لاطونہ کے مار ڈالا۔ طبقات ناصری اور تاریخ مبارک شاہی میں ایک ہی لڑائی کا ذکر ہے، مگر فرشتہ اور نظام الدین بخشی عصامی کی طرح دو لڑائیوں کا ذکر کرتے ہیں۔

عصامی نے لکھا ہے کہ رضیہ کے مقابلہ میں سلطان معزالدین نے دونوں مرتبہ بلبن کو بھیجا، بلبن سے مراد شاید ملک عزالدین بلبن کشلو خان ہے، لیکن منہاج سراج نے صاف لکھ دیا ہے کہ:

"در ماہ ربیع الاول سنہ ثمان وثلثین و ستمائتہ سلطان معز الدین لشکر دہلی بدفع ایشاں برد وسلطان رضیہ و التونیہ منہزم شدند"

اس واضح تحریر کے بعد عصامی کا بیان قابلِ ترجیح نہیں ہو سکتا ہے۔

ناصرالدین محمود کو عصامی التتمش کے بیٹے ناصرالدین کا لڑکا بتاتا ہے، جس کا انتقال لکھنؤ میں ہوا، مگر منہاج سراج نے صاف طور سے لکھا ہے کہ ناصرالدین کے مرنے کے بعد جب

☆ مننددکی جگہ من اند سید محمد یوشع، ص ۱۳۴، ۴۸ء

۱ ڈاکٹر آغا مہدی حسین ص ۱۲۹، ۳۸ء

Marfat.com

التتمش کا سب سے چھوٹا لڑکا پیدا ہوا، تو اپنے مرحوم بیٹے کی یاد میں اس کا نام ناصر الدین ہی رکھا۔

عصامی ناصر الدین محمود کی حکومت کے ابتدائی بارہ سال کے واقعات کو حذف کر کے ۶۵۶ھ کے مغلوں کے حملہ، اچہ اور ملتان کی تسخیر اور بلبن زر کی بغاوت کا ذکر کرتا ہے، جو سنہ کی ترتیب کے لحاظ سے درست نہیں، بلبن کے ساتھ زر کے لکھنے سے معلوم نہیں عصامی کی کیا مراد ہے، یہ بلبن زر وہی ہے، جس کو منہاج سراج نے ملک عز الدین بلبن کشلو خاں لکھا ہے۔

عصامی نے ناصر الدین محمود اور بلبن کے لڑکوں سے متعلق ایک دل چسپ واقعہ لکھا ہے، دونوں کے لڑکے ایک روز باغ میں تفریح میں مشغول تھے کہ بلبن کے لڑکوں نے کہا:

کہ چوں والد ما دریں روزگار   نباشد کسے زیرک و ہوشیار [1]

ناصر الدین محمود کے لڑکوں کو یہ لاف زنی اچھی معلوم نہ ہوئی۔

بگفتند کای ☆ ہمان عزیز   اگر ہست درخاہ فراواں تمیز

ہم آخر بہ بینی ☆ کہ اندرجہاں   شود عاجز از زیرکی ناگہاں

گراو پیر پختہ و مائیم خام   چو خواہیم کاور ☆ ادر آریم دام

بمیداں ز اسپش فروافگنیم   بتدبیر اورا پیادہ کنیم [2]

بلبن کے لڑکوں کا خون جوش میں آیا اور انھوں نے چیلنج دیا کہ وہ اگر ایسا کر دکھائیں گے تو وہ اسی (۸۰) دینار ہار جائیں گے، محمود کے لڑکوں نے اس چیلنج کو قبول کیا۔

چو آں روز بگذشت ہر چہار ☆ سر   بمیداں برفتند روز دگر

الغ خان دراں روز چالش کناں   بہ پیچید در سمت میداں عناں

چو آمد بہ میداں بخوب اختری   ہمی کرد ہر سوئے جولانگری

شنیدم یکے زاں دو شہزادگاں   ابا خانِ آزادہ شد ہم عناں

---

[1] ڈاکٹر آغا مہدی حسین، ص ۱۵۷۔ ۳۸ء ☆ سید محمد یوشع نے "کالی" مہمان ☆ "بوید" کا ندر، "کورا" کا ور، ص ۱۶۲، ۴۸ء [2] ایضاً ص ۱۵۷ ☆ سید محمد یوشع نے "چار" لکھا ہے

Marfat.com

دوسہ بار باخاں دوانید اسپ ... وزایں☆ پس بہ پیشش جہانیدہ اسپ
در اہمال ☆ از دست چابک فگند ... زخان خواست پس چابک آن ہوشمند
فرود آمد از اسپ آن خانِ راد ... ستد چابک ودستِ شہزادہ داد
وزایں پس زمیداں بگشتند باز ... خراماں و خنداں بگشتند باز[۱]

بلبن کو جب واقعہ کی نوعیت معلوم ہوئی تو بہت پریشان ہوا۔

بدل ☆ گفت کابناؤ فرماں روا ... بدیں ساں کہ گشتند حیلہ گرا
یکے روز مارابہ مکرو فنون ☆ ... بگیرند و بندند ریزند خوں[۲]

ان سے چھٹکارا پانے کے لیے تدبیرین سوچتا رہا۔

ہم آخر شنیدم زنقصِ خرد ... زبس بیختن زد یکے رائے بد
بشہ در قفاعے بدادند زہر ... برآمد بہر سوی شورے بہ شہر[۳]

معلوم نہیں یہ قصہ کہاں تک سچ ہے۔ کسی تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ ناصرالدین محمود کے دو جوان لڑکے تھے۔ کہیں کہیں اس کے ایک کمسن بچہ کا ذکر آتا ہے، مگر جب وہ مرا تو اس کی اولادِ نرینہ میں کوئی باقی نہ تھا، لیکن بلبن کا محمود کو زہر دینے کا واقعہ غور طلب ہے۔ ناصرالدین محمود کے آخری عہد کی کوئی معاصر تاریخ موجود نہیں۔ طبقاتِ ناصری محمود کی وفات سے پانچ سال پہلے ہی ختم ہو جاتی ہے، بعد کی تاریخوں میں برنی کی فیروز شاہی بلبن کے عہد سے شروع ہوتی ہے، مگر اس میں اس واقعہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں، تاریخ مبارک شاہی میں ہے۔

"ہم چنان زحمت برتن مبارک سلطان غالب آمد،
بتقدیر اللہ تعالیٰ یازدہم ماہ جمادی الاول سنہ اربع

۱، ۲ ڈاکٹر آغا مہدی حسین، ص۱۵۸، ۳۸ء
☆ "وزاں"، "دراں حال"، "بہ دل"، "ابنائے"، "نسوں" ص۱۶۳، ۳۸ء
۳ ایضاً، ۱۵۸

Marfat.com

و ستین و ستمائتہ از دار الفناء بدار البقا رحلت فرمود۔" (ص ۳۹)

نظام الدین، فرشتہ اور بدایونی بھی رقم طراز ہیں کہ محمود بیمار پڑ کر مرا، لیکن عصامی کا معاصر ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ "غیاث الدین بلبن نے ناصر الدین کو مار ڈالا اور خود بادشاہ بن بیٹھا" (ص ۶۲) اب حقیقت کچھ بھی ہو، لیکن عصامی اور ابن بطوطہ کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ محمد تغلق کے عہد تک عام روایت یہی تھی کہ بلبن نے محمود کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔

بلبن کے حال میں عصامی لکھتا ہے:

ز تاریخ بدشش صد و شصت و پنج ز اجلاسِ او گشت گیتی زرنج
دوم سال در سمتِ چتور تاخت ششم سال در ملکِ لاہور تاخت
ز اطرافِ دہلی ہماں شیر مرد بہر جایکے جنگلے قلع کرد
حصارِ جرالی وز کی زسر عمارت بکرد آں شہِ نامور
نباشد ازو حصنِ گوپال گیر بدستش بسے سرکش آمد اسیر[1]

بلبن کی تخت نشینی کا سنہ ضیاء الدین برنی نے ۶۶۲ھ (ص ۲۵) اور یحییٰ سرہندی مؤلف تاریخ مبارک شاہی نے ۶۶۴ھ (ص ۴۰) لکھا ہے، عصامی ۶۶۵ھ لکھتا ہے، مگر بعد کے مورخوں میں نظام الدین بخشی اور فرشتہ نے ۶۶۴ھ ہی کو صحیح سمجھا ہے، چتور، جرالی اور زکی کے نام شاید غلط چھپ گئے ہیں، چتور، سنتور ہوگا، سنتور سے بظاہر وہی پہاڑیاں مراد ہیں، جو دہرہ دون کے جنوب میں آج کل کوہ سوالک کہلاتی ہیں، جرالی بالکل واضح نہیں، بلبن کے ذکر میں مبارک شاہی میں ہے:

"در موضع مکر کھجوری حصاری بنا کرد، آن راحصار نو نام نہادہ بدارالملک مراجعت کرد،

---

[1] ڈاکٹر آغا مہدی حسین، ص ۱۵۹، ۱۹۳۸ء

Marfat.com

بعدۂ طرف حوالی عزیمت کرد" (ص ۴۰)

مگر برنی حوالی سے مراد، حوالی شہر دہلی لیتا ہے، اس کی تاریخ سے کہیں پتہ نہیں چلتا ہے کہ حوالی کسی خاص جگہ کا نام ہے، ایک جگہ وہ حصار جلالی کی تعمیر کا ذکر کرتا ہے:

"ہم دران نہضت، حصار جلالی عمارت فرمود وآن حصار راہم بافغانان داد و آنچناں دز د خانہارا تھانہ ساخت وزمیں جلالی راہم مفروز کرد و جلالی کہ مسکن قطاع طریق بود و ہموارہ ابنائے سبیل ہندوستان را آنجاراہ قطع شدی موطن مسلمانان و حارسان راہ گشت، والی یومنا مستقیم ماند۔" (ص ۵۸)

جرالی سے عصامی کی مراد معلوم نہیں، حوالی یا جلالی ہے، زکی بھی واضح نہیں ہوتا ہے، گوپال گیر کا ذکر تو برنی میں موجود ہے۔ (ص، ۵۷)۔

عصامی نے لکھا ہے کہ بنگالہ میں طغرل کی بغاوت کا فتنہ بلبن کے آٹھویں سن جلوس میں شروع ہوا۔ برنی نے اس کی تاریخ چودھواں سن جلوس لکھا ہے، فرشتہ نے بھی ۶۷۸ھ لکھا ہے، طغرل کی سرکشی کے سلسلہ میں عصامی کا بیان ہے کہ بلبن نے پہلے ترمتی کو طغرل کے خلاف بھیجا، مگر وہ شکست کھا کر فرار ہوگیا۔ بلبن نے اوس کو دار پر کھچوادیا اور دوسری بار بہادر کی نگرانی میں ایک لشکر جرار بھیجا، مگر اس کو بھی شکست ہوئی، تیسری بار بلبن خود گیا اور طغرل پسپا ہو کر علی نامی ایک فوجی سپاہی کے ہاتھوں سے مارا گیا، برنی نے بھی طغرل کی بغاوت کا حال بہت ہی تفصیل سے لکھا ہے، لیکن اس سے بھی مختلف ہے، وہ امین خان کو لکھنوتی کا حاکم اور طغرل کو اس کا نائب بتاتا ہے۔ طغرل باغی ہوا، تو امین خان کو اوس نے محبوس کر دیا، بلبن نے ترمتی کو بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیجا، اس کے بعد ملک شہاب الدین میر اودھ کو روانہ کیا اور ملک اختیار الدین نیک ترس نے طغرل کو زندہ گرفتار کیا۔ نظام الدین بخشی اور فرشتہ نے برنی ہی کی روایت قبول کی ہے، مگر فرشتہ نے

133331

Marfat.com

دوسرے حملہ کے فوجی سردار کا نام ترمتی لکھا ہے، لیکن نظام الدین نے برنی کی طرح ترمتی کا ذکر نہیں کیا ہے۔

بلبن کے لڑکے سلطان شہید اور مغل کی جنگ کا حال عصامی نے بہت ہی جوش وخروش کے ساتھ لکھا ہے، جس کے پڑھنے سے رزمیہ بیان کا پورا لطف حاصل ہوتا ہے۔

معزالدین کیقباد کے زمانہ کے جو واقعات عصامی نے لکھے ہیں، وہ قریب قریب برنی سے ملتے جلتے ہیں، صرف ترتیب میں فرق ہے، کیخسرو کے قتل کا واقعہ برنی کے یہاں بہت ہی مختصر ہے، مگر عصامی نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، جس کو فرشتہ نے عصامی کا حوالہ دے کر نقل کیا ہے (دیکھو تاریخ فرشتہ جلد اول، ص۸۴ نولکشور) ناصرالدین بغرا اور کیقباد کی ملاقات کا حال عصامی نے بہت ہی مؤثر انداز میں لکھا ہے، اس ملاقات کے ذکر میں شاعروں اور ادیبوں نے قلم کی جولانیاں خوب خوب دکھائی ہیں، خسرو نے تو قرآن السعدین کے نام سے ایک مثنوی بھی لکھی ہے۔ برنی نے بھی تاریخ فیروز شاہی میں اس موقع پر اپنی انشا پردازی کا اعلیٰ کمال دکھایا ہے۔ عصامی نے بھی اس واقعہ کو دل پذیر پیرایہ میں لکھا ہے، جو اس کی قادرالکلامی کی دلیل ہے۔

کیقباد کے آخری عہد کے حال میں عصامی نے لکھا ہے کہ اس کی حکومت میں انتشار پھیلا تو فیروز خلجی (یعنی جلال الدین خلجی) بابل سے دہلی طلب کیا گیا اور عماد الملک کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ عصامی کی مراد بابل سے معلوم نہیں کیا ہے؟ برنی کا بیان ہے کہ وہ سمانہ سے بلایا گیا اور سیاست خان کے لقب سے سرفراز کیا گیا۔ (تاریخ مبارک شاہی میں یہ خطاب شایست خان ہے) عصامی نے لکھا ہے کہ فیروز خلجی کو شاستی خان (؟) کا خطاب معزالدین کیقباد کے لڑکے شمس الدین کیومرث کے عہدِ حکومت میں ملا۔

جلال الدین خلجی کی حکومت کے ذکر میں عصامی نے واقعات کے تقدم وتاخر کا خیال نہیں رکھا ہے اور کہیں کہیں اس کا بیان برنی کی تاریخ سے مختلف ہے مثلاً برنی کی تاریخ فیروز شاہی میں ہے کہ مغلوں کے حملہ کو روکنے کے لیے جلال الدین خلجی نے خود فوج کی رہنمائی کی تھی، لیکن

Marfat.com

عصامی نے لکھا ہے کہ ملک خامش نے اس کی سرداری کی۔ برنی نے ملک خامش کا تو کہیں ذکر ہی نہیں کیا ہے، البتہ یحییٰ سرہندی نے اس کو جلال الدین خلجی کا عارض ممالک بتایا ہے، (ص ۶۲) چنگیز خان کے پوتے کا ہندوستان میں قیام کرنے اور سلطان کی لڑکی سے شادی کرنے کا ذکر عصامی نے مطلق نہیں کیا ہے۔

عصامی سلطان علاء الدین خلجی کو بادشاہ ہونے سے پہلے برابر ملک گرشاسپ اور کبھی علی کہتا ہے، یہ خطاب کسی اور تاریخ میں میری نظر سے نہیں گذرا، جلال الدین خلجی کے قاتل کا نام برنی نے محمود سالم لکھا ہے، لیکن عصامی کا بیان ہے کہ علاء الدین نے خود قتل کیا۔

جلال الدین کے زمانہ میں علاء الدین کی دکنی فتوحات کے ذکر میں عصامی اور برنی کے بیانات کچھ مختلف ہیں۔ برنی رقمطراز ہے کہ علا الدین کڑہ سے نکل کر ایلچ پور پہنچا، ایلچ پور میں کھٹی لاجورہ آیا، دیوگیر کے راجہ رام دیو نے علاء الدین کی لشکرکشی کی خبر پاکر اپنے ایک رانا کے ماتحت کھٹی لاجورہ ایک فوج بھیجی، لیکن علاء الدین نے اس کو شکست دی اور دیوگیر کی طرف بڑھا، جہاں رام دیو نے زروجواہر دے کر اطاعت قبول کرلی۔ عصامی کا بیان ہے کہ گرشاشپ ملک یعنی علاء الدین کڑہ سے روانہ ہوکر کھٹی لاجورہ پہونچا، وہ ایلچ پور کا ذکر نہیں کرتا ہے، مگر برنی کا بیان صحیح ہے کہ علاء الدین کھٹی لاجورہ جانے سے پہلے ایلچ پور پہونچا، یہ ملحقات طبقات ناصری میں بھی مذکور تھے، جیسا کہ فرشتہ نے اپنی تاریخ میں حوالہ دیا ہے۔ عصامی کا بیان ہے کہ کٹھی لاجورہ میں وہاں کے حاکم نے جس کو دیوگیر کے راجہ رام دیو نے مدد دینے سے انکار کر دیا۔ علاء الدین کے خلاف برسرِ پیکار ہوا، اس جنگ میں کٹھی لاجورہ کی فوج کی طرف سے دو ہندو عورتوں نے بڑی جانبازی دکھائی۔ گو آخر میں گرفتار ہوگئیں۔

همان هر دو هندو زنانِ دلیر — که بودند در کینه چون ماده شیر
یکایك بر افواج ترکان زدند — بسے دنبل☆ و بوق پیکان زدند
عجب ☆ کرد لشکر ازیں چیرگی — که ناید ز هندو چنیں چیرگی
دو سه گام ازاں جمله پستر شدند — همان هندواں چیره دل تر شدند

شنیدم کہ کانہاں ☆ دراں کارزار | مگر بادو ہندوزنِ نامدار
ستادند برترک ☆ آویختند | بسے خوں دراں حربگہ ریختند
ہم آخر شدنداز پس داروگیر | دراں دشت بردستِ ترکاں اسیر
چو بردستِ ترکاں فتادآں دو زن | کہ بودند چالاک و شمشیر زن
ببردند نزدیک گرشاسپ نیو | عجب کرد ازاں حال کشور خدیو
بگفتا بملکے کہ ہندو زناں | نتابند از پیش شیرافگناں[1]

اس واقعہ کا ذکر فتوح السلاطین کے علاوہ کسی اور تاریخ میں میری نظر سے نہیں گذرا، اس جنگ کے بعد عصامی لکھتا ہے کہ علاؤالدین کی فوج کھتکہ پہونچی:

بہ کھتکہ رسیدند باکرّو فر | ہمہ شہر کردند زیر و زبر[2]

معلوم نہیں یہ کون سا مقام ہے؟ اسی کے بعد دیوگیر کی تسخیر ہوئی، جہاں کے راجہ نے اطاعت قبول کر کے مندرجۂ ذیل چیزیں پیش کیں۔

بسے نازکانِ ملائک فریب | ہمہ انس گیرندہ و خوش رکیب
نمودہ بیک چشمہ ہر نازنین | وجود و عدم از میان و سرین
بسے سیم ساقان تعظیم دوست | شدہ مردم از ساقِ شاں سیم دوست
ہمہ غرقِ زیور ز سر تا بپا | بہفتہ بہر چشم مردم ریا
براں آہواں گشتہ شیراں اسیر | ندیدم گہے آہوئے شیر گیر
بپوشیدہ پیرایہ ہر نازنین | سراسر مرصع زدُرِّ ثمین
بہر خانۂ تودہائے گہر | برآوردہ ہر خانہ از سیم و زر
بہر سو ز ترمینہ خروارہا | بہر جانب از عطر انبارہا

☆ سید محمد یوشع نے "دنبک"، مصرع اس طرح لکھا ہے "عجب کرد ازیں لشکر چیرگی"، "ں" حذف کیا ہے، "دگر آں"، "با" تحریر کیا ہے

[1] ڈاکٹر آغا مہدی حسین، ص ۲۲۵، ۲۲۶، ۳۸ء [2] ایضاً ص ۲۲۶

Marfat.com

بہر کو چہایش ☆ زرِ بے شمار | بسے گنج فارغ ز تشویشِ مار
بسی جا مہائے طبیعت پذیر | چہ کم آید آں ☆ جامہ در دیو گیر
نہ چنداں گرفتند مردانِ کار | کہ آید ہمہ عمر اندر شمار
.... | ....
مکلل یکے چترِ گوہر نگار | مرصع ہمہ از درِ شاہوار
جواہر نہ چنداں کہ اہلِ قلم | بصد سال کردن تو اندر قسم ☆
بسے پیل و بس اشترِ راہوار | ازیں ہشت ☆ زنجیر ازاں صد قطار
بیا ورد درپیش گرشاسپ نیو | ابادخترِ جاں فزا رام دیو[1]

یہ کوئی شاعرانہ مبالغہ نہیں، بلکہ برنی بھی لکھتا ہے:

''سلطان علاؤالدین از دیو گیر چندان زرو نقرہ و جواہر و مروارید و نفایس و اوانی و ابریشم و تیوالہ آورد کہ درقرن زیادت ازان تاریخ برآمدہ است و درہر عصری از اعصار بادشاہان درہنگام تبدیل و تحویل و زرہائے فاخر خرج شد، ہنوز بسے پیل و مال و جواہر و مروارید آوردہ، سلطان علاء الدین در خزانۂ دہلی موجود است''۔

البتہ برنی یہ ذکر نہیں کرتا ہے کہ رام دیو نے اپنی لڑکی بھی پیش کی، اس صلح کے بعد عصامی کا بیان ہے کہ رام دیو کا لڑکا بھیلم جو کسی مہم پر گیا ہوا تھا، علاء الدین سے لڑنے کے لیے تیار

☆ ڈاکٹر آغا مہدی حسین ص ۲۲۷، ۲۲۸ ۱۹۳۸ء لیکن سید محمد یوشع نے اسے چھاپے، ازقم تحریر کیا ہے ص ۲۳۳، ۲۳۴ ۱۹۴۸ء

☆ شعت ص ۲۳۳، ۲۳۴ سید محمد یوشع ۱۹۴۸ء

[1] ایضاً ص ۲۲۸، ۲۲۷

ہوا، اس کے پاس پانچ لاکھ پیادہ فوج اور دس ہزار سوار تھے، مگر باپ کی وساطت سے وہ اپنے ارادہ سے باز آیا- برنی مذکورۂ بالا صلح کے بعد خاموش ہو جاتا ہے، مگر فرشتہ نے اس سلسلہ میں جو تفصیلات لکھی ہیں، وہ برنی اور عصامی سے بالکل مختلف ہیں- فرشتہ کا بیان ہے کہ علاء الدین کڑہ سے روانہ ہو کر ایلچپور پہونچا اور وہاں سے دیوگڑھ پر دھاوا کیا، اتفاق سے دیوگڑھ کے راجہ رام دیو کا بیٹا اپنی ماں کے ساتھ کسی بت خانہ کی زیارت کے لیے باہر گیا تھا- راجہ نے علاء الدین کے حملہ کی خبر سنی، تو دو تین ہزار سپاہیوں کو مقابلہ کے لیے بھیجا، جنھوں نے دیوگڑھ سے دو کوس کے فاصلہ پر علاء الدین سے جنگ کی، مگر وہ پسپا ہو کر بھاگے- علاء الدین کی فوج نے دیوگڑھ کو لوٹ کر اس کے قلعہ کا محاصرہ کیا، محاصرہ کی مدت بڑھی، تو علاء الدین نے پچاس من سونا، کئی من موتی اور بیش بہا کپڑے لے کر رام دیو سے صلح کر لی اور دہلی واپس جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ رام دیو کا لڑکا اپنی فوج لے کر نمودار ہوا، باپ کی مداخلت اور ممانعت کے باوجود اس نے علاء الدین کے خلاف میدانِ جنگ میں فوج اتاری اور دیوگڑھ سے تین کوس باہر ایک گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی، ہندوؤں کی کثرت اور جانبازی سے قریب تھا کہ علاء الدین کی فوج کے پاؤں اکھڑ جائیں، مگر ملک نصرت کے جنگی فریب سے ہندو آخر میں مغلوب ہوئے اور بھاگے- رام دیو نے پھر چھ سو من سونا، سات من موتی، دو من لعل و یاقوت والماس و زمرد، ایک ہزار من چاندی، چار ہزار من ریشمی کپڑے وغیرہ دے کر اپنے اور ملک کو مامون و معؤن کیا- فرشتہ کی ان تفصیلات کا ماخذ شاید ملحقات طبقات ناصری ہے، مگر فرشتہ کے معاصر نظام الدین نے برنی ہی کو اپنا ماخذ بنایا ہے، اس نے رام دیو کے لڑکے کی جنگ کا ذکر مطلق نہیں کیا ہے-

سلطان علاء الدین خلجی کے ذکر میں عصامی نے زیادہ تر اس کی فتوحات کا حال لکھا ہے، مغلوں اور ظفر خاں کی جنگ کے حال میں رزمیہ شان بدرجۂ اتم موجود ہے- ظفر خاں کی جانبازی، دلیری اور پامردی کی تصویر بہت ہی مؤثر انداز میں کھینچی ہے، اس سلسلہ میں ایک عجیب بات لکھی ہے جو گو واقعہ نہ ہو، لیکن دل چسپ ہے-

ظفر خان چو فارغ شد از سیستان ‌ ‌ ‌ ‌ بملکِ مغل کرد بیکے روان

Marfat.com

فرستاد بردستِ او معجزے
دگر سرمۂ غازۂ و چادرے

حدیثے نبشتہ چو زور آوراں
نبشتہ درو کائے شہ کافراں

یکے شاہ نبشست در ملکِ ہند
کہ بگرفت از تیغ تا آبِ سند

گرت ہست زورے دراں مرز و بوم
بروں آرلشکر ازان ملک شوم

بیاتا چو مرداں خروش آوریم
بمیدان ہیجا دو چارے خوریم

وگر خود دریں کار کردی درنگ
نہ گیرد کسے بیش ناست بتنگ☆

ہماں سرمہ و غازہ درکار کن
بسے توبہ از کار پیکار کن

بہ معجر سر خویشتن راپوش
دگر بارہ درکار ہیجا مکوش[۱]

ظفر خان مغلوں سے جنگ کرتا ہوا بڑی بہادری سے مرا- برنی نے لکھا ہے کہ علاء الدین اور اس کے بھائی الغ خاں کے رشک وحسد سے اس کی جان گئی، مگر عصامی نے اس کی طرف مطلق اشارہ نہیں کیا ہے-

عصامی نے مغلوں کے چھ حملوں کا ذکر کیا ہے- پہلا "قتلغ خواجہ" دوسرا اور چوتھا ترغی کی سپہ سالاری میں ہوا- ترغی پہلے حملہ میں بھی شریک تھا، مگر وہ سپہ سالار نہ تھا- تیسرے حملہ میں مغل تھری کے مقام پر علاء الدین کی فوج سے متصادم ہوئے- پانچواں حملہ علی بیگ وترتاک اور چھٹا لبک نے کیا- برنی نے سات حملوں کا ذکر کیا ہے- بعد کے مورخوں میں یحییٰ سرہندی نے پانچ، فرشتہ نے چھ اور نظام الدین نے سات حملوں کا حال لکھا ہے- برنی کی روایت کے مطابق پہلا حملہ ۶۹۶ھ میں ہوا، جس میں الغ خان اور ظفر خان نے مغلوں کو جالندھر کے پاس شکست دی- یحییٰ سرہندی نے اس جنگ کے مقام کا نام منجور لکھا ہے (؟) اور اس میں ظفر خان کی شرکت کے بجائے ملک تغلق امیر دیالپور کا نام لکھا ہے- فرشتہ اور نظام الدین نے بھی اسی کو پہلا حملہ قرار دیا ہے، لیکن نظام الدین کے یہاں لڑائی کی جگہ کا نام جار منجور منقول ہے (ص ۱۴۱) عصامی اس حملہ کا ذکر مطلق

☆ اے، بہ نہگ، سید محمد یوشع ص ۲۵۶، ۲۵۵، ۴۸ء

[۱] ڈاکٹر آغا مہدی حسین آگرہ کالج آگرہ، ص ۲۴۶ ۱۹۳۸ء

Marfat.com

نہیں کرتا ہے، مغلوں کا دوسرا حملہ قتلغ خواجہ کی سرداری میں ہوا، جس میں ظفر خان مارا گیا، اسی کی تفصیل عصامی نے لکھی ہے۔ تیسرا حملہ ۷۰۳ھ میں ترغی نے کیا۔ عصامی کے بیان کے مطابق یہ دوسرا حملہ تھا۔ یہ حملہ علاء الدین کی فوج کے لیے بہت ہی ہلاکت خیز ہوا، لیکن قبل اس کے کہ اس کی فوج پسپا ہو، مغلوں کو رسد کی کمی کی وجہ سے مجبوراً واپس جانا پڑا۔ یحییٰ سرہندی کا بیان ہے کہ اس معرکہ میں ترغی گرفتار ہو گیا تھا، مگر برنی اور عصامی کے بیان سے اس کی تائید نہیں ہوتی ہے۔ فرشتہ اور نظام الدین کی روایت بھی برنی سے مختلف نہیں۔ عصامی کا تو بیان ہے کہ مذکورۂ بالا حملہ کے بعد ترغی نے پھر ہندوستان پر فوج کشی کی، جو اس عہد میں مغلوں کا چوتھا حملہ تھا، لیکن برنی کی روایت سے ۷۰۳ھ کے بعد ترغی کا پھر ہندوستان آنا ثابت نہیں ہوتا ہے۔ علی بیگ اور ترتاک کے حملہ کو برنی نے چوتھا حملہ لکھا ہے، یحییٰ سرہندی، فرشتہ اور نظام الدین نے بھی اسی کو چوتھا حملہ قرار دیا ہے، گو ترتاک کے نام میں کچھ اختلاف ہے، یحییٰ سرہندی اس کو ترتق اور فرشتہ ترپال لکھتا ہے۔ عصامی کے بیان کے مطابق جو حملہ تیسرا ہے، اس کا ذکر برنی، سرہندی اور فرشتہ نے نہیں کیا ہے۔ عصامی نے علی بیگ اور ترتاک کے خلاف جنگ کرنے والے امیر کا نام ملک نایک لکھا ہے، جو اور کسی تاریخ میں نہیں، اس حملہ کے بعد عصامی نے صرف کبک (جس کو برنی نے کنک، یحییٰ سرہندی نے کیک، نظام الدین نے کبیک اور فرشتہ نے گنگ لکھا ہو) کے حملہ کا ذکر کیا ہے۔ یحییٰ نے پانچویں اور ساتویں حملے کا ذکر ایک ساتھ کر کے چھٹے کو نظر انداز کر دیا ہے، نظام الدین نے بھی برنی کی تقلید میں سات حملوں کا ذکر کیا ہے، لیکن فرشتہ نے ایک یعنی چھٹے حملہ کو حذف کر دیا ہے۔

رنتھور کی تسخیر کے ذکر میں عصامی نے لکھا ہے کہ گجرات سے کچھ نو مسلم قمیزی محمد شاہ اور کابہرو علاء الدین کی فوج سے فرار ہو کر رنتھور کے راجہ کے یہاں پناہ گزین تھے۔ الغ خان نے ان مفرورین کو واپس کر دینے کے لیے راجہ کو خط لکھا، لیکن اوس نے انکار کیا، تو شاہی فوج حملہ آور ہوئی، الغ خاں کو حملہ میں کامیابی نہیں ہوئی، بلکہ جیسا کہ برنی کا بیان ہے کہ نصرت خان کو محاصرہ میں ایک گولہ سے مارا گیا۔ عصامی نصرت خان کے مارے جانے کا ذکر نہیں کرتا ہے۔ علاء الدین الغ خان کی مدد کو روانہ ہوا۔ برنی کی تاریخ میں ہے کہ علاء الدین جب رنتھور کی تسخیر کے لیے جارہا

Marfat.com

تھا، تو تلپت میں اس کے بھتیجے اکت خان نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا، لیکن عصامی کا بیان ہے کہ یہ واقعہ چتوڑ کی مہم کے زمانہ میں پیش آیا - یحیٰ سرہندی نے اس واقعہ کا ذکر ہی نہیں کیا ہے - نظام الدین اور فرشتہ برنی ہی کی تائید کرتے ہیں - رنتھبور کا قلعہ ایک سال کے محاصرہ کے بعد فتح ہوا، وہاں کا راجہ ہمیر دیو جب بالکل مایوس ہوگیا، تو عصامی کا بیان ہے کہ:

یکے جوہرے کرد رائے ہمیر بر آمد زہر کنگرو زنفیر
یکے آتشے در حرم بر فروخت ہمہ محرمانِ حرم رابسوخت
نفائس تمامی در آتش فگند ہمہ خانماں کرد بر خود سپند
پس انگہ سرخویش را کرد گل بداں تا سرش چوں ببرد اجل
نگردد سرش دست آویز کس نیابد کسے بر سرش دست رس
طلب کرد اصحاب نادر ورا وداعے ہمی کرد ہر مردرا
غریوے بر آمد درونِ حصار نبالید دیوار و در زار زار[1]

عصامی لکھتا ہے کہ ہمیر کے سارے کے سارے ساتھی لڑتے ہوئے مارے گئے - برنی نے قلعہ کی فتح کے ذکر میں اختصار سے کام لیا ہے، لیکن فرشتہ رقمطراز ہے کہ جب قلعہ فتح ہوا، تو علاء الدین نے ہمیر کے کل وزراء کو یہ کہہ کر قتل کرایا کہ جب یہ بے وفا اپنے مالک کے نہ ہوئے، تو ہمارے کب ہوں گے اور قلعہ کے اندر داخل ہوا، تو اس کو بے حساب دولت ملی، جو اس نے الماس بیگ الغ خان کو عطا کی، واللہ اعلم، آگے چل کر عصامی نے لکھا ہے کہ علاء الدین نے بدگمان ہو کر الغ خاں کو زہر دیا، جس سے وہ مرگیا، مگر برنی کا بیان ہے کہ وہ معبر اور تلنگ کی تسخیر کو جا رہا تھا کہ راستہ میں مرگیا - اس کی لاش دہلی آئی، علاء الدین اس کی موت سے بہت ہی اندوہ گیں ہوا اور ایصالِ ثواب کے لیے صدقے تقسیم کیے - (ص ۳۳۸)

علاء الدین کے عہد کی دکنی فتوحات کے سلسلہ میں برنی اور عصامی کے بیانات میں تھوڑا

---

[1] ڈاکٹر آغا مہدی حسین، آگرہ کالج، ص ۲۶۶ ۳۸ء

Marfat.com

سا اختلاف ہے- برنی کے قول کے مطابق ملک نایب پہلی بار ۷۰۹ھ سے پہلے دیوگیر گیا، وہاں سے رامدیو اور اس کے لڑکوں کو گرفتار کر کے دہلی فاتح اور منصور واپس آیا- عصامی کے بیان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے- دوسری بار ۷۰۹ھ میں ارنگل گیا، راستہ میں دیوگیر کے راجہ رامدیو نے جو علاء الدین کا باج گذار ہو کر اپنی سلطنت کو واپس چلا گیا تھا، ہر قسم کی مدد پہنچائی- ملک نایب نے ارنگل پہنچ کر اس کے قلعہ کا محاصرہ کیا اور سخت معرکہ کے بعد اس کا راجہ لدردیو پسپا ہوا، اس نے بے شمار ہاتھی، گھوڑے، نقد و جواہر پیش کر کے امان چاہی- فتوح السلاطین میں اس مہم کا ذکر بھی اسی طرح ہے، تیسری بار ملک نایب ۷۱۰ھ میں دھور سمندر اور معبر کی طرف گیا- برنی کا بیان ہے کہ دھور سمندر جاتے ہوئے، ملک نایب دیوگیر پہونچا، تو اس کو معلوم ہوا کہ رامدیو مر گیا ہے، وہ آگے بڑھا اور دھور سمندر اور معبر کو فتح کر کے ۷۱۱ھ میں دہلی واپس آیا، اس کے بعد برنی صرف یہ لکھ کر خاموش ہو جاتا ہے کہ اسی سال تلنگ کے راجہ لدردیو نے بیس ہاتھی بھیج کر یہ درخواست کی کہ ''اس کا موعودہ خراج دیوگیر میں کسی کو بھیج کر وصول کر لیا جائے'' مگر عصامی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک نایب ۷۱۱ھ کے بعد ایک بار پھر دیوگڑھ گیا ، رامدیو کے بعد اس کے لڑکے بھیلم نے سرکشی اختیار کی، تو علاء الدین نے اس کی بغاوت کو فرد کرنے کے لیے ملک نایب کو پھر بھیجا، ملک نایب نے جنگ کیے بغیر دیوگیر کو شاہی مملکت میں پھر داخل کر لیا- تاریخ فرشتہ میں بھی ملک نایب کا چوتھی بار دیوگیر پہونچنا مذکور ہے، اس کا بیان ہے کہ ''تلنگ کے راجہ کا خط'' ملا، تو ملک نایب خراج وصول کرنے روانہ ہوا اور دیوگڑھ پہونچ کر رامدیو کے بیٹے کی بھی خبر لی، اس کو قتل کر کے ملک کو دشمنوں اور سرکشوں سے بالکل صاف کر دیا، فتوح السلاطین میں رام دیو کے لڑکے کے قتل کا ذکر نہیں ہے-

خبر شد بہ بھیلم کہ آمد سپاہ   چو کم دید خود را سرِ حربگاہ

نداده مصافے ہزیمت نمود   ملک نایب این ماجرا چون شنود

در آمد خروشان بصد دار و گیر   گرفت انگہے قلعۂ دیوگیر

کسے رانہ کشت و کسے رانہ بست   ہمہ خلقِ شہر از امانش برست

Marfat.com

ہمہ شہر و کشور چنان ضبط کرد　　　که کس سرنه پیچد ازان شیر مرد

عصامی گجرات کی تسخیر کے سلسلہ میں الغ خاں اور نصرت خان کی مہم کے بعد ملک احمد جھیتم کی لشکر کشی کا بھی ذکر آ تا ہے، جس نے پٹن وغیرہ کو فتح کر کے رائے کرن کی لڑکی دول دیوی کو حاصل کیا- برنی نے گجرات کے اس دوسرے حملہ کا ذکر نہیں کیا ہے، مگر امیر خسرو کی مشہور مثنوی دولرانی میں گجرات کے دوسرے حملہ کی تفصیل مذکور ہے، گو اس حملہ کے فوجی سرداروں کے نام فتوح السلاطین کے نام سے مختلف ہیں- امیر خسرو کا بیان ہے کہ اس مہم پر الف خان اور پنچمین مامور ہوئے تھے- عصامی نے ملک احمد جھیتم کا نام معلوم نہیں کس سند پر لکھا ہے- عصامی کے زیر نظر امیر خسرو کی کوئی تصنیف شاید نہ تھی، اسی لیے خضر خان اور دولرانی کے عشق و وصال کی داستان کی تفصیل میں خسرو کی مثنوی کا فتوح السلاطین پر کوئی اثر نہیں، تعجب ہے کہ امیر خسرو جس واقعہ کے بیان میں اپنے شاعرانہ کمال کا سارا زور تمام کر دیا ہے، اس کا ذکر برنی نے اپنی تاریخ میں کہیں نہیں کیا ہے- تاریخ مبارک شاہی میں بھی اس واقعہ کو نظر انداز کر دیا گیا ہے، بعد کے مورخوں میں نظام الدین نے بھی اس واقعہ کو حذف کر دیا ہے، البتہ فرشتہ نے قاضی احمد غفاری کی تاریخ جہاں آراء کے ذریعہ سے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے-

علاؤالدین کی وفات کے بعد ملک کافور کے کفران نعمت، خضر خان اور شادی خان کے ساتھ اس کے بے رحمانہ سلوک، پھر اس کے قتل اور شہاب الدین کی معزولی کی تفصیلات میں عصامی اور برنی کے بیانات کم و بیش یکساں ہیں- قطب الدین خلجی کے ذکر میں گجرات کی مہم ''دیوگیر'' کی تسخیر یک لکھی کی سرکشی اور سرکوبی اور خسرو خان کی دکنی فتوحات کے بیان میں تاریخ فیروز شاہی اور فتوح السلاطین میں کچھ زیادہ فرق نہیں، البتہ عصامی نے لکھا ہے کہ یک لکھی کی سرکوبی کے لیے خسرو خاں گیا، مگر برنی کے بیان کے مطابق قطب الدین نے دوسرے امراء کو بھیجا- خسرو خان اور پرداریوں کی فتنہ انگیزی، شورہ پشتی اور سفاکی کے واقعات عصامی نے برنی ہی کی طرح لکھے ہیں، اس کے بعد ناصر الدین (یعنی خسرو خاں) اور ملک غازی (یعنی غیاث الدین تغلق) کی جنگ کا حال برنی سے زیادہ تفصیل کے ساتھ درج ہے، جس میں رزمیہ شان بھی بدرجۂ کمال موجود ہے-

Marfat.com

غیاث الدین تغلق کے عہد کے بعض متنازعہ فیہ واقعات پر عصامی کے بیان سے کافی روشنی پڑتی ہے مثلاً تلنگانہ کی فتح کے سلسلہ میں ابنِ بطوطہ کا بیان ہے کہ غیاث الدین کے لڑکے الغ خان نے اپنے مصاحب عبید شاعر کے ذریعہ سے یہ افواہ پھیلا دی کہ دہلی میں غیاث الدین کا انتقال ہو گیا، تا کہ فوجی امراء اور سردار اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں، اس بیان کو کرنل ولزلی ہیگ نے جو یورپ میں اسلامی ہند کے مستند مورّخ سمجھا جاتا ہے، بڑی اہمیت دی ہے، حالاں کہ برنی، یحییٰ سرہندی اور پھر بعد کے مورخوں میں فرشتہ، نظام الدین اور بدایونی نے الغ خان کی نیت پر حرف گیری مطلق نہیں کی ہے، بلکہ واضح طور پر لکھا ہے کہ عبید شاعر اور اس کے رفقاء نے محض فتنہ کے لیے یہ افتراء باندھا، عصامی کے مندرجۂ ذیل بیان سے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ عبید نے یہ جھوٹی افواہ کیوں اڑائی۔

مگر بود بر خانِ والا تبار | یکے فیلسوفے درآں روز گار
ہمیشہ زدے بر ورقہا رقوم | زدے لاف در کار رمل و نجوم
ببردے زرہ غافلاں رامدام | عبیدش ہمی خواند ہر کس بنام
الغ خان یکے روز خواندش براز | بگفتا بکن دفترِ خویش باز
چو ہستت بہ تبخیم دعوی مدام | بیاں کن بتاکید و جہدِ تمام
کہ کے فتح گردد حصارِ تلنگ | معین بمدت بگوبے درنگ
وگر خود تفاوت بود زاں شمار | نگردد براں حکم فتح حصار
شود لا نہایت سراسرِ دروغ | باختر شناسیت نبود فروغ
عبید ایں حکایت چو از خان شنید | بغیرِ اطاعت گریزے ندید
درین کار یک ہفتہ مشغول گشت | شنیدم چو یک ہفتہ کامل گذشت
بیاورد بر خان رقومِ شمار | معین در روزِ فتح حصار
شنیدم کہ آں روز در پیش خاں | بدعوی بر آورد یکسر زباں

Marfat.com

بگفتا کہ گر درفلاں وقت و روز | نیامد ظفر خان کشور فروز
بدارم برآرند گردِ حصار | مگر ایں سخن راست شدزاں شمار
غرض چونکہ زاں مدت اکثر گذشت | ادانِ معیّن بنزدیك گشت
عبید از پئے دفع تہدید خویش | چہ بود آگہ از زرق و تقید خویش
یکے فتنہ اندر سپہ ساز کرد | چوروبہ یکے بازی آغاز کرد
شنیدم تکیں و تمررا بگفت | یکے قصۂ ناخوش اندر نہفت
کہ خسرو زبادِ فناخاك گشت | وزیں ماجرا یك دو ہفتہ گذشت
دوسہ ہفتہ شد خانِ روباہ فن | بزیر قبامی درد پیرہن
نہفتہ ہمی دارد ایں راز را | رخش ہست بر ماتم شہ گوا
وگر نامۂ بعدِ روزے سہ چار | بروی رسد از سرانِ دیار
ہمی داردآں نامہ از ما نہاں | نہ از ما کہ از جملہ سر لشکراں
گرفتم کنوں از مزاجش قیاس | کہ می خواہد آں خانِ حق ناشناس

جفاے کند برسرانِ سپاہ
یلان را بعذرے کشدبے گناہ [1]

عصامی محمد تغلق کا سخت مخالف ہے، اگر ابن بطوطہ کا بیان امر واقعہ ہوتا، تو عصامی کو بھی اس کی خبر ضرور ہوتی اور وہ ضرور اس کا ذکر کرتا، پھر اس میں کچھ بھی حقیقت ہوتی، تو غیاث الدین تغلق دوسری بار تلنگانہ کی مہم الغ خان کے سپرد نہ کرتا اور جب وہ لکھنوتی کی بغاوت فرو کرنے کے لیے گیا، تو اس کو ورنگل سے بلا کر دہلی میں اپنا نایب بنا کر نہ چھوڑ جاتا۔

تلنگ کی فتح کے بعد الغ خان جاج نگر گیا، (جو اڑیسہ کا پایہ تخت اور موجودہ کٹک کے پاس دریاے مہاندی پر واقع تھا) برنی کا بیان ہے کہ الغ خان جاج نگر کی تسخیر کے بعد تلنگ ہی

---

[1] ڈاکٹر آغا مہدی حسین، آگرہ کالج آگرہ ص ۳۸۴، ۳۸۵ ۱۹۳۸ء

Marfat.com

واپس آیا اور جب غیاث الدین تغلق لکھنوتی کی مہم پر روانہ ہونے لگا، تو اس کو دہلی بلا بھیجا - نظام الدین بخشی نے بھی یہی لکھا ہے، مگر یحییٰ سرہندی کا بیان ہے کہ الغ خان ورنگل واپس آیا اور اپنی خواہش کے مطابق ورنگل کا انتظام کر کے دہلی رونہ ہوا، فرشتہ کا بیان یحییٰ سرہندی کی تائید میں ہے - عصامی رقم طراز ہے کہ الغ خان جاج نگر سے سیدھا دہلی واپس آیا، جہاں اس کی فتوحات کے صلہ میں اس کو مرصع خلعت دی گئی اور جشن منایا گیا اور اس کے بعد ہی مغلوں کا حملہ ہوا - برنی نے مغلوں کے حملہ کا ذکر دو تین سطروں میں کیا ہے - یحییٰ سرہندی نظام الدین اور فرشتہ نے اس کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے، مگر عصامی نے اس کا ذکر حسب معمول پورے رزمیہ انداز میں تفصیل کے ساتھ کیا ہے، جس میں مفید معلومات بھی ہیں -

عصامی کا بیان ہے کہ تغلق نے ملک شادی کی نگرانی میں ایک فوج گجرات بھی بھیجی، جس نے دو ماہ تک وہاں کے حصاز (؟) کا محاصرہ کیا، مگر اس حصار کے ہندوگویوں اور رامشگروں کی ایک جماعت نے حیلہ اور فریب سے ملک شادی کو قتل کر دیا، جس کے بعد فوج ناکام واپس آئی، تعجب ہے کہ اس مہم کا ذکر برنی، یحییٰ، فرشتہ، نظام الدین اور موجودہ دور کے ارباب تحقیق میں سے بھی کسی نے نہیں کیا ہے -

لکھنوتی کی مہم کے سلسلہ میں عصامی کے بیانات برنی اور دوسرے مورخوں سے کچھ مختلف ہیں - عصامی کی تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنوتی کا حاکم غیاث الدین پورہ (بہادر شاہ) تھا اور اس کا شریک اس کا بھائی ناصر الدین تھا، جب غیاث الدین تغلق بہادر شاہ کی متمردانہ حرکتوں کی خبر سن کر اس کے خلاف فوج کشی کرنے چلا، تو ناصر الدین راستہ میں آ کر ملا اور اس کی فوج میں شریک ہو کر لکھنوتی پر حملہ آور ہوا - ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ غیاث الدین پورہ جب بنگالہ کا بادشاہ بنا، تو اس نے قتلو خاں اور اپنے دوسرے بھائی کو مار ڈالا، مگر ان بھائیوں میں شہاب الدین اور ناصر الدین بھاگ کر تغلق کے پاس آئے - تغلق ان کو ساتھ لے کر لکھنوتی پر حملہ آور ہوا اور غیاث الدین پورہ کو قید کر کے دہلی لایا - برنی کا بیان ہے کہ ناصر الدین لکھنوتی کا حاکم اور بہادر شاہ سنارگاؤں کا ضابطہ تھا، بعض امراء نے بنگالہ کی ابتری اور اس کے حکمران کے ظلم و تعدی کی

Marfat.com

شکایت کی، تو غیاث الدین تغلق فوج لے کر لکھنوتی روانہ ہوا اور جب ترہت پہونچا، تو سلطان ناصر الدین اطاعت گذاری کی نیت سے غیاث الدین تغلق کے پاس حاضر ہوا، ہندو راجاؤں نے بھی اس کی اطاعت قبول کی، مگر سنار گاؤں کے حاکم بہادر شاہ نے سر تسلیم خم کرنا پسند نہ کیا، چناں چہ تاتار خان نے اس پر فوج کشی کی اور اس کو قیدی بنا کر حاضر کیا- ناصر الدین لکھنوتی کا حاکم بدستور رہا اور بہادر شاہ طوق وسلاسل کے ساتھ دہلی آیا-

عصامی کا بیان ہے کہ لکھنوتی کی مہم سے واپسی میں سلطان غیاث الدین تغلق ترہت سے گذرا، تو وہاں کا راجہ خوف سے جنگل میں جا چھپا- تغلق شاہ بھی راجہ کے تعاقب میں جنگل کی طرف روانہ ہوا، جنگل بہت ہی گنجان تھا، لیکن تغلق شاہ نے اپنے ہاتھوں سے اس کے درختوں کو کاٹنا شروع کیا، اس کی تقلید میں ساری فوج درخت کاٹنے میں مشغول ہوگئی، یہاں تک کہ سارا جنگل میدان ہوگیا، دو تین دن کے بعد تغلق ترہت کے حصار کے قریب پہونچا، جس کے گرد پانی سے بھری سات خندقیں تھیں، مگر تغلق نے ہمت اور پامردی سے کام لے کر دو تین ہفتے میں قلعہ کو تسخیر کر کے راجہ کو اپنی حراست میں لے لیا اور ترہت کی حکومت ملک تلبغہ کے بیٹے احمد خاں کو سپرد کر کے دہلی کی طرف روانہ ہوا، اس فتح کا ذکر برنی اور یحیٰی سرہندی نے نہیں کیا ہے، لیکن فرشتہ نے فتوح السلاطین کا حوالہ دے کر اپنی تاریخ میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے- (دیکھو تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۳۲ء نولکشور پریس)-

آخر میں سلطان غیاث الدین تغلق کی موت کا واقعہ ہے، عصامی نے سنی سنائی دو روایتیں لکھی ہیں- ایک تو یہ کہ ہاتھی کے دوڑنے سے کوشک محل جس میں غیاث الدین تغلق ٹھہرا تھا، گر پڑا اور دوسری یہ کہ محل طلسم پر اس طرح کھڑا کیا گیا تھا کہ گر پڑے، اس واقعہ پر تبصرہ کرنا ایک فضول اور لاحاصل بحث ہے، کیوں کہ اس موضوع پر ہر دور کے مورخوں نے اپنی موشگافی اور قلم کی جولانی دکھا کر اپنی تحقیق وتدقیق کا نمونہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے، مگر اب تک کوئی ایک دوسرے کو قائل نہ کر سکا ہے کہ محمد تغلق باپ کی موت کا ذمہ دار یا اس سے بری الذمہ تھا، اس لیے ہم

Marfat.com

اس پر کسی قسم کی روشنی ڈالنا محض تضیع اوقات سمجھتے ہیں، اس کے بعد محمد تغلق کی حکومت کا حال شروع ہوتا ہے۔ عصامی محمد تغلق کا معاصر ہے، اس لیے اس دور کے متعلق فتوح السلاطین میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس پر توجہ سے نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔

عصامی نے اس عہد کے واقعات کے ذکر میں سنہ کی ترتیب کو بالکل قائم نہیں رکھا ہے۔ اس لیے واقعات کے تقدم وتاخیر کی تعیین میں بڑی پیچیدگی پیدا ہوگئی ہے۔

محمد تغلق کی تخت نشینی کے بعد عصامی نے کلانور اور فرشور (پشاور) کی مہم کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

شنیدم در آغاز ملک آں خدیو ۔۔۔ بفرمود تا سر فرازانِ نیو
زخازن ستانند یکسالہ زر ۔۔۔ بلشکر سپارند تعجیل تر
بسازند نوآلتِ کار زار ۔۔۔ کہ ماراست در سر ہوائے شکار
چو ز☆رشد باصحابِ لشکر ادا ۔۔۔ دگر روز فرمود فرماں روا
یکے سایہ باں سوے ملتان زنند ۔۔۔ وز و سایہ در بامِ چرخ افگنند
دریں☆ ماجرا ہفتۂ یک دو رفت ۔۔۔ شہ از شہر دہلی سپہ راند تفت
بلا☆ہور بعد از دو ماہے رسید ۔۔۔ قضا اخترش رابہ گردوں کشید
شنیدم کہ خودہم بلاہور☆ ماند ۔۔۔ سرانِ سپہ را بفرشور راند
بداں تاحدودِ دیارِ مغل ۔۔۔ نہنگانِ ہندی تبازند کل
سرانِ سپہ چو بفرمانِ شاہ ۔۔۔ زلاہور راندند یکسر سپاہ
یکایک کلا نور و فرشور را ۔۔۔ گرفتند گردانِ☆ کشور کشا
زن و بچۂ کافراں شد اسیر ۔۔۔ برآمدز اقصاے گردوں☆ نفیر

☆ سید محمد یوشع نے "باصحاب"، "ازیں"، "بہ لاہور"، "گردان"، "اردوں"، "رفت"، ص ۳۳۲، ۴۸ء میں

مغل کاں بہر سال از آبِ سند | گذشتے بتاراجِ اقصائے ہند
در اں سال برعکس ایں زیب☆ کار | بملک مغل تاخت ہندی سوار
گرفتند چوں سرکشان حشم | بغفلت کلانور و فرشور ہم
بنام جہاندار کشور کشا | نخواندند خطبہ در آں شہرہا[1]

اس مہم کا ذکر کسی اور تاریخ میں نہیں۔

اس کے بعد بہاء الدین گرشاسپ کی بغاوت کا حال ہے۔ ضیاء الدین برنی نے ایک جگہ گرشاسپ کو سلطان محمد تغلق کی بہن کا لڑکا، عصامی نے پھوپھی زاد اور فرشتہ نے چچازاد بھائی لکھا ہے، برنی نے گرشاسپ کی بغاوت کا ذکر مطلق نہیں کیا ہے۔ ابن بطوطہ نے گو اس کا حال تفصیل سے لکھا ہے، لیکن اس کی تاریخ نہیں دی ہے۔ یحییٰ سرہندی نے اس کی تاریخ ۷۲۷ھ (اواخر لکھی ہے اور اس کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ یہ بغاوت دارالسلطنت کے دیوگیر منتقل ہو جانے کے بعد ہوئی، لیکن فرشتہ نے اس کو دارالسلطنت کے منتقل ہونے سے پہلے کا واقعہ بتایا ہے اور لکھا ہے کہ اس بغاوت کے فرو کرنے ہی کے زمانہ میں محمد تغلق نے دیوگیر کی مرکزی حیثیت کو پسند کر لیا تھا۔ عصامی کے بیان سے بھی یہی ظاہر ہے کہ گرشاسپ کی بغاوت دارالسلطنت کی تبدیلی سے پہلے واقع ہوئی تھی۔

گرشاسپ سکر کا جاگیردار تھا، فرشتہ نے سکر کو ساغر لکھا ہے، یہ گلبرگہ کے پاس والی جگہ ساگر ہے۔ عصامی نے بغاوت کی مندرجۂ ذیل تفصیل لکھی ہے۔

گرشاسپ نے علم بغاوت بلند کر کے بہت سی فوج اپنے گرد جمع کر لی، محمد تغلق کو خبر ہوئی، تو گجرات سے احمد ایاز کو اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا، احمد ایاز شاہی لشکر لے کر دیوگڑھ پہنچا اور دونوں طرف کی فوجیں صف آرا ہوئیں، لڑائی شروع ہوئی، تو گرشاسپ کا ایک امیر خضر بہرام منحرف ہو کر احمد ایاز کی فوج سے مل گیا، جس سے شاہی فوج کو بڑی تقویت پہنچی، گرشاسپ پسپا ہو کر میدانِ جنگ سے بھاگا اور سکر میں جا کر دم لیا اور وہاں سے اپنے اہل و عیال کو لے کر

[1] ڈاکٹر آغا مہدی حسین آگرہ کالج آگرہ، ص ۴۱۰ ۔ ۳۸ء

کنپلہ (کرناٹک) کے راجا کے یہاں پناہ گزیں ہوا، اسی اثناء میں محمد تغلق خود دولت آباد پہونچا اور گرشاسپ کے تعاقب میں احمد ایاز کو کنپلہ بھیجا، کنپلہ میں احمد ایاز کو دوبارہ شکست ہوئی، لیکن جب مزید شاہی لشکر پہونچا، تو گرشاسپ مغلوب ہوا اور مہندرگ میں جا کر پناہ لی ،شاہی لشکر نے مہندرگ کو بھی فتح کر لیا اور کنپلہ کا راجہ گرفتار ہوا ،گرشاسپ نے مہندرگ سے فرار ہو کر دھور سمندر کے راجہ بلال دیو کے دامن میں پناہ لی، مگر بلال دیو شاہی لشکر سے کچھ ایسا خوفزدہ ہوا کہ اُس نے گرشاسپ کو گرفتار کر کے احمد ایاز کے سپرد کر دیا، جس نے اس کو محمد تغلق کے پاس حاضر کیا، محمد تغلق نے اس کی کھال کھچوا کر اس میں بھس بھروا دیا اور سارے شہر میں تشہیر کرائی کہ حکومت کے سیاسی مجرموں کا یہ حشر ہوتا ہے۔

گرشاسپ کی بغاوت کی تفصیلات عصامی کے بعد صرف ابن بطوطہ کے یہاں ملتی ہیں، عصامی اور ابن بطوطہ کی عمومی تفصیلات یکساں ہیں، البتہ جزوی تفصیلات میں ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ جب کنپلہ کا راجہ پسپا ہونے لگا، تو اس نے ایک چتا تیار کرائی، جس میں عورتیں، امراء، وزراء جل مرے اور خود راجہ ہتھیار باندھ کر شاہی فوج پر ٹوٹ پڑا اور لڑتا ہوا مارا گیا - ابن بطوطہ کا یہ بھی بیان ہے کہ کنپلہ کے راجہ کے گیارہ بیٹے گرفتار ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور تغلق کے دربار میں معزز عہدوں پر مامور کیے گئے، ان میں سے بعض کے تعلقات ابن بطوطہ سے گہرے تھے - عصامی ان باتوں کا ذکر نہیں کرتا ہے، مگر بغاوت کی جو تفصیلات اس نے لکھی ہیں، ان کو فرشتہ نے اپنے الفاظ میں بالاستیعاب نقل کیا ہے۔

اس بغاوت کے بعد عصامی نے کندھیانہ کی مہم کا ذکر کیا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس بغاوت کے بعد سب سے پہلا اہم واقعہ یہی ہے، حالاں کہ اس کے بعد دارالسلطنت دہلی سے دیوگیر منتقل ہوا، مگر عصامی اس کا ذکر کندھیانہ کی تسخیر اور بہرام ایبہ کی بغاوت کے بعد کرتا ہے، کندھیانہ کی فتح کا حال برنی اور یحیٰی نہیں لکھتے ہیں، مگر عصامی کے بیان سے ان کی خاموشی کی تلافی ہو جاتی ہے - کندھیا (موجودہ سن گڑھ) کا حصار نا قابلِ تسخیر سمجھا جاتا تھا، اس لیے محمد تغلق کو یہاں آٹھ مہینے گذارنے پڑے، مگر آخر میں کندھیانہ کا راجہ نا ئک مغلوب ہوا، یہیں محمد تغلق کو

Marfat.com

بہرام ایبیہ کی بغاوت کی خبر ملی، اس نے دولت آباد کی طرف مراجعت کی اور وہاں سے دہلی آیا اور دہلی سے بہرام ایبیہ کی سرکوبی کے لیے ملتان روانہ ہوا۔

بہرام ایبیہ (یعنی کشلی خان) کی بغاوت کا حال جس تفصیل سے عصامی نے لکھا ہے، وہ کسی اور تاریخ میں نہیں ہے، مگر اس نے اس بغاوت کے اسباب پر کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ برنی بھی خاموش ہے۔ ابن بطوطہ اور یحییٰ دو مختلف وجوہ لکھتے ہیں۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ محمد تغلق نے غیاث الدین پورہ اور ملک گرشاسپ کی لاشوں کو بھوسہ بھروا کر مشتہر کرایا، تو کشلی خاں کو یہ ناگوار گذرا اور اُس نے دونوں لاشوں کو دفن کرا دیا، جس سے محمد تغلق بہت ہی ناراض ہوا اور کشلی خان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ کشلی خان کو معلوم ہوا تو وہ باغی ہو گیا، لیکن یہ بیان صحیح نہیں، کیوں کہ غیاث الدین کا قتل (۷۳۱ھ) گرشاسپ کے قتل (۷۲۷ھ) کے بعد ہوا، تاریخ مبارک شاہی میں یہ سبب بتایا گیا ہے کہ شاہی فرمان کے بموجب علی خططی نامی ایک مغل کشلی خان کے خاندان کو دولت آباد لانے ملتان گیا، وہاں وہ ان لوگوں سے سختی، درشتی اور بدتمیزی سے پیش آیا، جس کی بنا پر وہ قتل کر دیا گیا۔ کشلی خان بادشاہ کے قہر وغضب سے ڈرا اور باغیوں میں داخل ہو گیا۔ فرشتہ اور بدایونی بھی یہی سبب لکھتے ہیں، ممکن ہے کہ محمد تغلق کشلی خان کے خاندان کو دولت آباد میں بلوا کر اس کو اپنے قبضہ میں کرنا چاہا ہو، جسے کشلی خان نے پسند نہ کیا ہو۔

اس بغاوت کو فرو کرنے کی جو تفصیلات عصامی نے لکھی ہیں، وہ کسی اور تاریخ میں نہیں۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ شاہی فوج اور کشلی خان سے مقابلہ ملتان سے دو منزل دور بمقام ابوہر ہوا، لڑائی کے روز محمد تغلق نے یہ ہوشیاری کی کہ چتر کے نیچے اپنی جگہ شیخ رکن الدین ملتانی کے بھائی شیخ عماد الدین کو کھڑا کر دیا اور خود چار ہزار سپاہی لے کر دوسری طرف چلا گیا۔ کشلو خان کے سپاہیوں نے شاہی چتر کے پاس پہونچ کر عماد الدین کو قتل کر دیا۔ کشلو خان کے لشکر نے سمجھا کہ بادشاہ مارا گیا، چناں چہ شاہی فوج میں لوٹ شروع ہوئی۔ کشلو خان اکیلا رہ گیا۔ محمد تغلق نے موقع پا کر کشلو خان پر حملہ کیا اور اس کو قتل کر کے اس کا سر کاٹ لیا، جو ملتان کے دروازہ پر لٹکا دیا گیا۔ عصامی کی تفصیل بالکل مختلف ہے، اس کا بیان ہے کہ محمد تغلق نے پہلے لالہ بہادر اور لالہ کرنگ کو مقدمہ

Marfat.com

الجیش بنا کر بھیجا، کشلی خان کا داماد کشمیران کے مقابلہ کے لیے آیا اور بمقام بونی دونوں میں جنگ ہوئی، مگر کشمیر کو شکست کھا کر بھاگنا پڑا، اس کے بعد کشلی خان خود فوج لے کر بڑھا اور میدانِ کارِ زار گرم ہوا، تو شاہی فوج کی طرف سے لکھنوتی کا بادشاہ ناصر الدین، اسمٰعیل، شیخ ابوالفتح اور ہوشنگ بڑی جانبازی کے ساتھ لڑے اور دوسری طرف کشلی خان، اس کے بھائی شمس الدین اور داماد کشمیر نے نبرد آزمائی کی، مگر کشلی خان کی فوج پسپا ہو کر بھاگی، کشلی خان لڑتا ہوا گرا اور شاہی فوج کے سپاہیوں نے اس کا سر کاٹ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا، جو عبرت کے لیے نیزہ پر لٹکا دیا گیا۔ عصامی نے جنگ کی تفصیل بہت ہی پر جوش طریقہ پر لکھی ہے۔

اس کے بعد غیاث الدین پورہ کے قتل کا ذکر ہے۔ غیاث الدین تغلق کے عہد میں بیان کیا جا چکا ہے کہ غیاث الدین پورہ سنار گاؤں سے مقید ہو کر دہلی لایا گیا، مگر جب محمد تغلق تخت نشین ہوا، تو اس نے غیاث الدین پورہ کو اپنی مملکت میں واپس بھیج دیا، وہاں پہونچ کر اوس نے پھر بغاوت کی۔ تاتار خان المخاطب بہ بہرام خان نے اس کے خلاف لشکر کشی کی اور وہ زندہ گرفتار کیا گیا، تاتار خان نے اس کی کھال کھچوا کر بادشاہ کے پاس بھیج دی۔ عصامی نے بغاوت کا سبب نہیں لکھا ہے، البتہ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ جب تغلق غیاث الدین کو اس کی مملکت میں واپس کر رہا تھا، تو اس سے دو عہد لیے کہ وہ بہرام خان کے ساتھ مل کر حکومت کرے گا اور سکہ اور خطبہ میں دونوں کے نام ہوں گے اور اپنے بیٹے محمد عرف برباط کو بطور ضمانت شاہی دربار میں بھیج دے گا، مگر غیاث الدین نے دوسری شرط کو پورا کرنے میں پہلوتہی کی، اسی جرم میں اس پر لشکر کشی کی گئی۔

اس واقعہ کے بعد تغلق کے مظالم کا حال شروع ہوتا ہے، جس میں سب سے پہلے دارالسلطنت کے منتقل ہونے کا ذکر ہے، حالاں کہ واقعات کی ترتیب کے لحاظ سے اس کا ذکر پہلے آنا چاہیئے تھا، کتاب کے شروع میں عصامی نے تاریخ لکھنے پر توجہ کی تھی، لیکن پھر اس کا کوئی التزام نہیں رکھا، چناں چہ محمد تغلق کے عہد کے واقعات میں اُس نے کوئی تاریخ نہیں لکھی ہے، اس لیے وہ واقعات کی ترتیب کو قائم نہیں رکھ سکا ہے۔

Marfat.com

دارالسلطنت کی تبدیلی کا سبب عصامی نے یہ لکھا ہے کہ سلطان دہلی کے باشندوں سے بدگمان تھا، اس لیے ان کو دیوگیر چلے جانے کا حکم دیا۔

چون☆ شه بد گماں بود برخلق شہر — نہفتہ بسے داشت در نوش زہر
ہم آخر چو از پوست بیروں فتاد — چو ضحاک سر درسیاست نہاد
زبیداد بسیار کشت آدمی — چو کم دید دروے زکشتن کمی
نہانے یکے رائے زد با☆ صواب — کہ دریک مہ آں شہر گردد خراب
بگویند در ہر طرف آشکار — کہ ہر کو بود مخلص شہر یار
سبک خیمہ زیں شہر بیروں زنند☆ — سوے ملک مرہتہ عزیمت کنند
چو سر بر خط حکم خسرو نہد — شہ روز گارش بسے زر دہد
وگر سر بتابد زفرمانِ شاہ — سرش خاک گردد برایوانِ شاہ
سزاوار آہن بگردد سرش — سرش خاک و برباد گردد زرش
بگفتا بشہر آتشے در زنند — ہمہ خلق از شہر بیروں کنند
ہمہ خلق گریاں پے خانہ☆ خویش — رہا کردہ مالوف و اوطان خویش[۱]

بدگمانی کا سبب عصامی نے ظاہر نہیں کیا ہے۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ لوگ خطوط میں بادشاہ کو گالیاں لکھ بھیجتے تھے، اس لیے اس نے بطور سزا دہلی کو اجاڑ دینے کا تہیہ کیا، مگر ظاہر ہے کہ عصامی اور ابن بطوطہ کے بیانات تشفی بخش نہیں۔ برنی کا بیان ہے کہ محمد تغلق نے دیوگیر کو اس لیے دارالسلطنت بنانا چاہا کہ یہ مرکز میں واقع تھا اور اس کی مسافت دہلی، گجرات، لکھنوتی، ستگانو، سنارگانو، تلنگ، معبر، دھورسمندر اور کمپلہ سے برابر تھی، یہی اصل سبب تھا اور اسی کو بدایونی اور فرشتہ نے قابلِ قبول قرار دیا ہے، گو مؤخر الذکر نے ہندوستان کے پایہ تخت کو ایران و توران جیسے قوی دشمنوں سے اتنا دور رکھنا تدبر اور دانش مندی کے خلاف سمجھا ہے، مگر جغرافیائی حیثیت سے

☆ سید محمد یوشع نے "ں" حذف کر کے صرف چو، با کی جگہ نا، زنند کی جگہ زند، خانہ کی جگہ خان ص ۴۴۶، ۱۹۴۸ء

۱ ڈاکٹر آغا مہدی حسین آگرہ کالج آگرہ ص ۴۳۰ ۱۹۳۸ء

Marfat.com

اس کا انتخاب برا نہ تھا، دہلی ہمیشہ دشمنوں کے زد میں رہی اور محض اس کی تسخیر سے ہندوستان کی مملکت حملہ آوروں کے قبضہ میں چلی جاتی تھی، مگر دیوگیر کے پہاڑی راستوں کو طے کرنا دشمنوں کے لیے مشکل تھا، اس لیے تغلق نے وہاں منتقل ہوکر اپنے کو بیرونی حملوں سے مامون اور مصئون کر لینا چاہا، اس کے علاوہ دہلی میں بیٹھ کر جنوبی ہند کو اپنے قبضہ میں رکھنا آسان نہ تھا - علاؤ الدین کی بے پناہ فوجیں بھی جنوبی ہند کے راجاؤں اور حکم رانوں پر استیلاء نہ پاسکی تھیں - محمد تغلق نے قریب ہوکر ان کو مغلوب کرنا چاہا -

برنی رقم طراز ہے کہ محمد تغلق کو دارالسلطنت کی تبدیلی کا خیال جیسے ہی آیا، اوس نے حکم دیا کہ دہلی جو رشکِ مصر و بغداد ہو رہی تھی، ویران کردی جائے، اس کی سرائے مسمار اور اردگرد کے گاؤں غیر آباد کردیئے جائیں اور بوڑھے، بچے، غلام اور لونڈیاں دیوگیر روانہ ہوجائیں، حکم بجالایا گیا، مگر راستہ کی دوری اور مشقت سے بے شمار جانیں تلف ہوگئیں اور جو لوگ پہونچے بھی وہ غریب الوطنی میں گھٹ گھٹ کر مرگئے، عصامی نے بھی اس سفر کی صعوبتوں کی بہت بھیانک تصویر کھینچی ہے -

چہ پیر و چہ کودک چہ مرد و چہ زن ۔۔۔ رہا کرد ☆ ہر یک دیار و دمن
بسے نازنین داد جان با گداز ۔۔۔ چو حجاج ماندہ براہِ حجاز
بسے طفل بے شیر گشتہ ہلاک ۔۔۔ بسے سر بنے آب خفتہ بخاک
درآں رہ بدیدم کہ ہر دلبرے ۔۔۔ بہر غول گاہے نہادہ سرے
ہمہ ☆ نازکانے کہ ہر گز بخواب ۔۔۔ نہ خوردہ غم از گرمی آفتاب
یکے جامۂ کہنہ پیچیدہ پای ۔۔۔ ہمی کرد سجدہ بگامی دو جای
یکے پا برہنہ رہے می نوشت ۔۔۔ ہمہ دشت از ایشاں صنم خانہ گشت
برونے کہ جز داغ صندل نبود ۔۔۔ شد از کوبشِ گرد زرد و کبود
بچشمے کہ جز در گلستاں نہ رفت ۔۔۔ بہاموں برفت و بیاباں رفت

☆ سید محمد یوشع نے "کردہ"، "ہماں"

Marfat.com

بسے آبلہ اندراں پانشست | بسے خار گردوں درآں پاشکست
ازاں قافلہ با عذابِ شدید | سوے دولت آباد عشرے رسید
شہ از ظلم بے زاد و بے راحلہ | ہمہ خلق را کرد بس☆ قافلہ
پیاپے رواں کردہ ہر شش زشہر | نہ از عدل و احساں کہ از خشم و قہر
چنیں شہر معمور کردہ خراب | چہ گوید بداد ار فردا جواب
دراں شہر چوں کس نماند از کرام | بہ بستند دروازھا را تمام[۱]

یہ تصویر ابن بطوطہ کے بیان سے اور بھی ہولناک ہو جاتی ہے، جب وہ لکھتا ہے کہ دہلی کے تمام باشندے چلے گئے، تو ایک روز گلی میں دو آدمی دکھائی دیئے- ایک اندھا تھا، دوسرا لولا، وہ دونوں بادشاہ کے سامنے لائے گئے- لولے کو اس نے منجنیق سے اڑا دیا اور اندھے کے لیے حکم دیا کہ اس کو دہلی سے دولت آباد تک جو چالیس دن کا راستہ ہے، گھسیٹ کر لے جائیں، چناں چہ ایسا ہی کیا گیا، مگر دولت آباد اس کا صرف ایک پانوں پہنچا-

مگر تاریخ مبارک شاہی کے مصنف یحییٰ سرہندی کا بیان عصامی، برنی اور ابن بطوطہ سے مختلف ہے، وہ لکھتا ہے کہ ۷۲۷ھ میں محمد تغلق نے دیوگیر منتقل ہو جانے کا ارادہ کیا، تو راستہ میں سرائیں، خانقائیں اور منزلیں بنوائیں، کھانا، شربت اور پان کا انتظام حکومت کی طرف سے کیا، تاکہ گذرنے والے مسافروں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو، سڑک کے دونوں جانب سایہ دار درخت نصب کرائے کہ ان کی ٹھنڈی چھاؤں میں مسافر آرام سے سفر کرسکیں، اس کے بعد اپنی والدہ مخدومۂ جہاں، امراء، ملوک، مشاہیر، نوکر چاکر، ہاتھی گھوڑے اور خزانے کو دیوگیر لے گیا، علماء و اکابر کو بلا کر وہاں آباد کیا اور لوگوں کو مکانات بنانے کے لیے اخراجات کے علاوہ انعام و اکرام عطا کیے، جب راستہ میں اتنی سہولتوں اور آسایشوں کا انتظام تھا، تو پھر برنی، ابن بطوطہ اور عصامی نے معلوم نہیں کیوں راستہ کی تکلیف اور مصیبت کا اس قدر مبالغہ آمیز ذکر کیا ہے؟

☆ سید محمد یوشع نے "کردہ شش" تحریر کیا ہے، ص ۴۵۰، ۴۴۹ ۱۹۴۸ء

۱ ڈاکٹر آغا مہدی حسین آگرہ کالج آگرہ، ص ۴۳۳، ۴۳۲ ۱۹۳۸ء

Marfat.com

یحییٰ سرہندی نے راستہ اور سفر کی صعوبتوں کا ذکر مطلق نہیں کیا ہے، جب دہلی خالی ہوئی، تو لکھتا ہے کہ:

''شہر دہلی چناں خالی شد کہ چند روز درواز ہابستہ ماندہ بود وسگ و گربہ درونِ شہر بانگ نمی کردند۔''

مگر پھر فوراً ہی لکھتا ہے کہ:

''مردم عوام و اوباش کہ در شہر ماندہ بودند جملہ اسباب شہریاں از خانہا بیروں می آوردند و تلف می کردند۔''

دونوں عبارت کو ساتھ پڑھنے سے یہ کیوں کر یقین کیا جاسکتا ہے کہ دہلی بالکل خالی اور ویران ہوگئی، گو عصامی نے بھی لکھا ہے کہ دہلی خالی ہو جانے کے بعد اس میں صرف الّو رہا کرتے تھے، ممکن ہے کہ یہ طرزِ بیان دہلی کی خوش حالی کم ہو جانے پر ماتم کرنے کی غرض سے اختیار کیا گیا ہو۔

دارالسلطنت کا تبدیل ہونا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں، ہر زمانہ میں فرمانرواؤں نے اپنی اپنی مصلحتوں کی بنا پر پایۂ تخت کی تبدیلی کی ہے۔ محمد تغلق نے بھی دولت آباد کو مرکزی مقام اور مغلوں کے حملے سے محفوظ اور جغرافیائی حیثیت سے مستحکم سمجھ کر دہلی پر ترجیح دیا اور پایہ تخت کو منتقل کرنے میں تمام ممکن سہولتیں بہم پہنچائیں، لیکن عام طور سے یہ تبدیلی پسند نہیں کی گئی، اس لیے شاعروں، مورخوں اور سیاحوں نے اس فعل کو مذموم قرار دے کر اس کے ذکر میں ہر قسم کی رنگ آمیزی کی۔ برنی، ابن بطوطہ اور عصامی کی تحریریں اسی رنگ آمیزی کا نمونہ ہیں، مگر جب عصبیت کی شدت کم ہوئی، تو مؤرخوں کا اندازِ تحریر بھی بدل گیا، چناں چہ یحییٰ سرہندی کا مذکورۂ بالا بیان اسی کی دلیل ہے، اُس سلسلہ میں اس نے کچھ اور واقعات لکھے ہیں، جو برنی ابن بطوطہ اور عصامی کے یہاں مذکور نہیں، اس کا بیان ہے کہ دارالسلطنت کی تبدیلی دو دفعہ ۷۲۷ھ اور پھر ۷۲۹ھ

Marfat.com

میں واقعہ ہوئی - پہلی بار محمد تغلق امراء وملوک کو دولت آباد لے گیا اور دوسری بار ''جمیع ساکنان'' دہلی کو روانہ کیا - برنی نے ایک ہی تبدیلی کا ذکر کیا ہے، جس سے یحییٰ کا بیان بظاہر مشکوک ہو جاتا ہے، لیکن برنی نے اس عہد کے بہت سے واقعات حذف کر دیئے ہیں، اس لیے ممکن ہے کہ اوس نے اختصار کی خاطر ایک تبدیلی کو نظر انداز کر دیا ہو - یحییٰ برنی کی طرح محمد تغلق کا ہم عصر مورخ نہیں ہے، لیکن اس نے اپنی تاریخ محمد تغلق کے بالکل متصل عہد میں لکھی ہے، اس لیے اس کا بیان غیر مستند نہیں قرار دیا جا سکتا ہے، چناں چہ بدایونی اور فرشتہ نے اس کی تقلید میں دو تبدیلیوں کا حال لکھا ہے گو موخر الذکر کی ترتیب کچھ خلط ملط ہو گئی ہے -

یحییٰ نے دو مرتبہ دار السلطنت کو تبدیل کرنے کے اسباب نہیں لکھے ہیں، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے پہلے سوچا ہو گا کہ دولت آباد اور دہلی دونوں کو صدر مقام رکھا جائے، اس لیے پہلی بار خزانہ تو دولت آباد لے گیا، لیکن ٹکسال گھر دہلی میں رہنے دیا (محمد تغلق کے ۲۷ے ھ، ۲۸ے ھ اور ۲۹ے ھ کے سکوں میں دہلی ہی کی مہریں ہیں) یہ قیاس اور بھی مستحکم ہو جاتا ہے، جب ہم دیکھتے ہیں کہ بہرام ایبیہ کی بغاوت فرو کر کے وہ دہلی ہی واپس آیا اور یہاں اس نے دو سال قیام کیا، پھر ممکن ہے کہ مغلوں کے حملے کے خطروں اور لوگوں کی خواہشوں کا اندازہ لگا کر دولت آباد کو اپنی منشاء کے مطابق آباد کرنے کے لیے دہلی کے لوگوں کو بھی وہاں چلے جانے کا حکم دے دیا ہو -

عصامی نے ملکی اور سیاسی وجوہ سے قطع نظر کر کے دہلی کی تباہی کے تین اسباب اور لکھے ہیں (۱) عام طور سے سو برس کے بعد دنیا میں ایک بڑا انقلاب ہوتا ہے، دہلی کو قائم ہوئے سو برس ہو چکے تھے، اس لیے یہ تباہ ہوئی (۲) دہلی کے عام باشندوں کی مذہبی اور اخلاقی حالت بہت پست ہو گئی تھی اس لیے ان پر یہ عذاب نازل ہوا، عصامی کے اشعار ملاحظہ ہوں تا کہ اس عہد کے لوگوں کی پستی کا بھی نقشہ سامنے آ جائے -

زہر کوچۂ اہلِ بدعت نجاست　　　ہم از شومت شاں سعادت بکاست
رہا کرد خلقش رسومِ قدیم　　　شدہ ہر کجا بدعتے مستقیم

Marfat.com

لباسے دگر خلق پرداختند ‌ ‌ ‌ زدستار تا کفشِ نو ساختند
گرو ہے ز گز بند☆ باریك پوش ‌ ‌ ‌ بگندم نمای شده جو فروش
بظاہر سراسر تواضع نمای ‌ ‌ ‌ بباطن بیابی☆ خصومت گرای
نشانه شده ہر یکے در فساد ‌ ‌ ‌ ہمه دیده سختانِ سست اعتقاد
بسے سینه از چربك شاں بداغ ‌ ‌ ‌ دو صد کفر ہریك بگفته بلاغ☆
بآزارِ دلہا نہاده ولے ‌ ‌ ‌ شب و روز در خرج نا حاصلے
بعاجز کشی پور دستاں ہمه ‌ ‌ ‌ قوی دست برزیر دستاں ہمه
گه لاف ہر یك چوروئین تنے ‌ ‌ ‌ گهِ کار جمله چو بیوه زنے
ہمه مردم آزار و شیطاں نواز ‌ ‌ ‌ ہمه آشنا سوز و بیگانه ساز
مصلا و سبحه بر انداخته ‌ ‌ ‌ صراحی و ساغر عوض ساخته
بسے کارہا کرده اندر نہاں ‌ ‌ ‌ که نارد خردمند او ☆ بر زباں
ہم آخر آں قوم بسیار گشت ‌ ‌ ‌ گنه گاری شانِ زحد برگذشت
ہمه شوستِ آں گروه نزند ‌ ‌ ‌ به بنیاد دہلی خللہا فگندلے

(۳) نظام الدین اولیاؒ دہلی چھوڑ کر باہر چلے گئے تھے، اس لیے دہلی بھی ویران ہوگئی۔

نخستین ہماں مرد فرزانه فر ‌ ‌ ‌ قدم زد ز دہلی بملکے دگر
وزاں پس شد آں شہر کشور خراب ‌ ‌ ‌ دراں ملك شد فتنۂ کامیاب
قدم تا که برداشت آں مردراه ‌ ‌ ‌ بفرمانِ ایزد ازاں تخت گاه
درآں تختگه کس خوش آبے نخورد ‌ ‌ ‌ بجز غصه جامِ شرابے نخورد

☆ سید محمد یوشع نے ''کز بند''، ''بیابے''، ''بہ بلاغ''، ''وا''، ''آخر'' کے بعد چوکا اضافہ ہے دیکھیں ص ۴۵۴، ۱۹۴۸ء

لے مولانا عصامی بہ تصحیح ڈاکٹر آغا مہدی حسین آگرہ کالج آگرہ ص ۴۳۶،۴۳۷، ۱۹۳۸ء

Marfat.com

از آں ملک امن و اماں رخت بست | فساد و خطر جاے ایشاں نشست[1]

عصامی نے محمد تغلق کے سکّوں کے طرزِ عمل پر جو کچھ لکھا ہے، وہ نہ صرف معاصر مورخوں کے بیانات سے بالکل مختلف بلکہ عجیب وغریب ہے۔ عصامی کا بیان ہے کہ محمد تغلق سلطنت میں بغاوتوں سے عاجز ہوا تو اوس نے اپنی رعایا کو مفلس اور قلانچ کر دینا چاہا، تاکہ وہ سرکش نہ ہو سکے، اس لیے مس، لوہے اور چمڑے کے سکوں کو رائج کر کے اس سے سونا غصب کر لینے کی کوشش کی۔

شنیدم ہماں خسروِ دوں پرست | کہ بر قصدِ اصحابِ دیں بر نشست
چو بشنید از منہیانِ فساد | کہ معمور شد باز ہر سو بلاد
بدل گفت کیں خلق آسودہ حال | تلف می نگردد زپشتی مال
بتاراج شاں حیلہا ساختم | بتدبیر شاں تعبیہ باختم
ہنوزند این طایفہ بر قرار | بہ پشتی اموال در ہر دیار
ہماں بہ کہ پشتی شاں بشکنم | بتدبیر شاں جملہ مفلس کنم
چو مفلس شود ہر کجا منعمے | بگدیہ کشد کار ہر مکرمے
شود ہریک از لطمہ فاقہ پست | کسے مر کسے رانگیرد بدست
شنیدم چوشہ بادل ایں قصہ گفت | یکے زائے ناخوش زد اندر نہفت
دگر روز کز جنبشِ آفتاب | ہمہ گشت پر زر جہانِ خراب
بفرمود شاہ مخرب سیر | بخازن کہ تعویض ہر سیم و زر
سراسر ہمہ آہن و چرم ہم | سپارد باہل سزاے درم
بداں تاز سرسکہا نوزنند | ہمہ مہر برآہن و مس کنند[2]

---

[1] ڈاکٹر آغا مہدی حسین آگرہ کالج آگرہ، ص ۴۳۹ ۱۹۳۸ء

[2] ایضاً، ص ۴۴۲، ۴۴۱

عصامی کے مذکورۂ بالا بیان میں ژولیدگی ہے اور اختراع بھی، معاصرین میں برنی اور یحیٰی اور متاخرین میں فرشتہ، نظام الدین اور بدایونی لوہے اور چمڑے کے سکّوں کے رائج ہونے کا ذکر مطلق نہیں کرتے ہیں- برنی اور یحیٰی کا متفقہ بیان ہے کہ محمد تغلق نے مس کے سکے جاری کیے ،لیکن فرشتہ کا بیان ہے کہ مس کے علاوہ پیتل (برنج) کے بھی سکے جاری کیے اور یہ صحیح ہے، کیوں کہ راجر نے انڈین میوزیم کے سکّوں کی فہرست میں محمد تغلق کے عہد کے پیتل کے سکّے بھی مذکور ہیں ،جن کا سنہ ۷۳۰ھ ہے، موجودہ دور کے ایک انگریز اہلِ قلم کا خیال ہے کہ محمد تغلق نے چمڑے کے نوٹ کو رائج کرنے کی کوشش کی، (انڈین نیٹی کیوری جلد اول ص ۲۰۸) مگر اس خیال کی تائید فتوح السلاطین کے سوا کسی اور معاصر تاریخ سے نہیں ہوتی ہے، اب یا تو عصامی کے اُس بیان کو صحیح سمجھ کر قبول کرلیا جائے یا مزید معاصرانہ تفصیلات کی غیر موجودگی میں اس کو نظر انداز کردیا-

مگر عصامی نے جدید سکون کے رائج کرنے کے جو اسباب لکھے ہیں- وہ بالکل قابلِ قبول نہیں، کیوں کہ مورخوں کا متفقہ بیان ہے کہ جب یہ تجربہ ناکام رہا، تو محمد تغلق نے اپنی رعایا کو شاہی خزانہ سے ان سکّوں کے بدلے سونے اور چاندی کے سکّے دیئے، تو پھر رعایا کو مفلس بنانے کی روایت کیوں کر قبول کی جاسکتی ہے، بات یہ تھی کہ سونے کی گرانی اور چاندی کی کمی کے سبب سے ذہین اور طبّاع سلطان تغلق نے چودھویں صدی عیسوی میں سکّوں کی اشاعت اور شرحِ تبادلہ کی آسانی کی خاطر وہی طرزِ عمل اختیار کرنا چاہا، جو اٹھارہویں صدی کی متمدن حکومتوں نے کیا، لیکن فضا سازگار نہیں ہوئی، اس لیے اربابِ عقل و دانش بھی اس کی نوعیت اور حقیقت کے سمجھنے سے قاصر رہے اور جب سمجھ نہ سکے، تو اس کے اسباب پر مختلف قسم کی قیاس آرائیاں کیں، عصامی کا بیان اوپر گذر چکا ہے-

برنی نے لکھا ہے کہ تغلق ربعِ مسکوں کو تسخیر کرنا چاہتا تھا، اس لیے اپنی بے شمار فوجوں کو تنخواہ دینے کے لیے مس کے سکّے جاری کیے- یحیٰی کا بیان ہے کہ انعام واکرام سے شاہی خزانہ خالی ہوگیا تھا، اس لیے محمد تغلق نے مس کے سکّے جاری کر کے خزانہ کو پُر کرنا چاہا، مگر بعد کے مورخوں نے جب اس کو سمجھنے کی کوشش کی، تو ان کو یہ فعل اس قدر مذموم نظر نہیں آیا، جتنا معاصر

Marfat.com

مورخوں کی نظروں میں تھا۔ فرشتہ رقم طراز ہے کہ تغلق نے سونچا کہ جس طرح چین میں کاغذی سکہ چاؤ رائج ہے، اسی طرح ہندوستان میں تانبے اور پیتل کے سکے رائج کیے جائیں، موجودہ دور کے اربابِ بصیرت بھی اس طرزِ عمل کو برا نہیں سمجھتے ہیں، بلکہ بعض انگریز مورخوں نے تو محمد تغلق کو ''دھاتوں اور سکوں کے علم کا امام'' کہا ہے اور یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اس زمانہ میں چاندی کی عالمگیر قلت اور کمی تھی، اس لیے مِس کے سکوں کا جاری کرنا تدبر اور بصیرت کی دلیل تھی[1] مگر جن ذرائع اور تدابیر سے اُس نے سکوں کو چلانا چاہا، وہ مؤثر نہ تھے، اس لیے اس کی ساری مآل اندیشی بے مدعا ہو کر رہ گئی۔

ترمہ شریں کا حملہ:

آگے چل کر فتوح السلاطین میں ترمہ شیریں کے حملہ کا بیان آتا ہے۔ برنی نے اس حملہ کے متعلق کچھ بھی نہیں لکھا ہے، تاریخ مبارک شاہی میں اس کا ذکر ہے اور اس حملہ کی تاریخ ۷۲۹ھ یعنی دیوگیر کی پہلی تبدیلی کے بعد اور دوسری تبدیلی سے پہلے مذکور ہے۔ فرشتہ نے اس کی تاریخ ۷۲۷ھ لکھی ہے، جو غلط ہے، ترمہ شیریں کے حملہ کی تفصیل پر مورخ نے بالکل مختلف لکھی ہے۔ فتوح السلاطین میں ہے کہ ترمہ شیریں سندھ کے حدود سے گذر کر ملتان اور پھر میرٹھ آیا، اس کے بعد عصامی رقم طراز ہے۔

چو از پیک بشنید شاہ ایں خبر — کہ آمد صفِ فتنہ نزدیک تر

بداں پور بغرا بفرمود شاہ — کہ راند سبک سوی میرتھہ سپاہ

برد با خود آں سرکشِ نامدار — زتازی سواران یل ☆ دہ ہزار

---

[1] دیکھو

The Chronickes of pathon king's only & thome اور

Growth of English indastry and commerce by canininghan

☆ سید محمد یوشع نے ''یلے'' لکھا ہے دیکھیں ۴۶۳ ۴۸ء

چو فرمان شہ پور بغرا شنید | بزد کوس و افواج بیرون کشید
بمیرتہہ چو زد خیمہ آں سرفراز | ہمی جست فرصت پئے ترک☆ و تاز

مغلوں کو شکست ہوئی، ترمہ کا بھانجہ گرفتار ہوا اور مغل بھاگے۔

خبر چون بشاہِ سرا فراز گشت | کہ از ہند فوجِ مغل باز گشت
بزد کوس و بربارگی برنشست | سپہ راند دنبالِ شاں درنشست
خزیدہ سواری فرستاد پیش | خود آہستہ میراند بنگاہِ خویش
بہ تہانیسر آمد چو رایاتِ شاہ | فرستاد از انجا فراواں سپاہ
بدنبالِ آں لشکرِ شوم پے | ہمی رفت لشکر بفرمانِ وے

....

چو دنبال شاں کردِ افواج ہند | بسے خوں نشان ریخت تا آبِ سند
پس آنگہ ز تہانیسر آں بادشاہ | رواں کرد لشکر سوئے تختگاہ[۱]

یحییٰ سرہندی کا بیان ہے کہ:

''۷۲۹ھ میں قتلغ خواجہ کا بھائی اور خراسان کا بادشاہ ترمہ شیریں ایک انبوہ لشکر کے ساتھ دہلی پر حملہ آور ہوا، بہت سے حصار فتح کیے اور لاہور، سامانہ، اندری اور بدایوں کی حد تک لوگوں کو اسیر کرلیا...... سلطان مقابلہ کے لیے دہلی اور حوض خاص کے درمیان ایک بڑے لشکر کے ساتھ اترا، ترمہ شکست کھا کر دریائے سندھ کی طرف بھاگا، سلطان نے اپنے لشکر کے

☆ سید محمد یوشع نے ''ترکتاز'' لکھا ہے دیکھیں ص ۴۶۵، ۴۶۴، ۱۹۳۸ء

۱۔ ڈاکٹر آغا مہدی حسین آگرہ کالج، آگرہ، ص ۴۴۷، ۴۴۶، ۴۴۵، ۱۹۳۸ء

Marfat.com

ساتھ کلانور تک اس کا تعاقب کیا، کلانور کا حصار خراب ہو گیا تھا، اس لیے مجیرالدین ابورجا (یا محی الدین ابورجا) کے حوالہ کیا کہ اس کو درست کرے اور بعض فوجی سرداروں کو ترمہ کے تعاقب میں بھیج کر دہلی کی طرف مراجعت کی''۔

ابنِ بطوطہ اس حملہ کے پانچ برس بعد ہندوستان آیا، لیکن ہندوستان آتے وقت ۷۳۳ھ میں وہ خراسان میں ترمہ شیریں سے ملا، اس سلسلہ میں وہ لکھتا ہے:

''ہندوستان کا سلطان اور ترمہ شیریں ایک دوسرے کو بھائی کہہ کر مخاطب کرتے ہیں...... بوران جب ترمہ شیریں کی جگہ ماوراءالنہر کا حکم راں ہوا، تو آخرالذکر کا لڑکا شامی ادغلی، اس کی بہن اور بہنوئی ہندوستان آئے، ہندوستان کا بادشاہ ترمہ شیریں کا دوست تھا، اس لیے وہ ان سے بہت لطف وکرم سے پیش آیا اور ان کی پوری خاطر وتواضع کی، کچھ دنوں کے بعد ایک آدمی سندھ سے آیا اور اپنے کو ترمہ شیریں بتایا، وہ پہچان لیا گیا لیکن سلطان کے امراء میں خواجہ جہاں اور احمد ایاز نے اس سے کہا کہ ترمہ شیریں کی موجودگی خطرہ سے خالی نہیں۔ خصوصاً جب اس کے قبیلے کے ۴۰ ہزار آدمی ہندوستان میں آباد ہو چکے ہیں، ان کے مشورے پر عمل کر کے سلطان نے ترمہ شیریں کو اپنی مملکت سے باہر کر دیا''۔

فرشتہ کا بیان اور بھی عجیب وغریب ہے:

''محمد تغلق کے ابتدائی زمانہ میں جب کہ حکومت پورے طور پر مضبوط نہ ہوئی تھی، ایک اسلامی بادشاہ مسمی ترمہ شیریں بن داؤد خان حاکم خاندان چغتائی جو اپنے وقت کا مشہور بہادر، سخی اور منصف تھا، کثیر فوج اور جرار لشکر کو ہم راہ لے کر ہندوستان ۷۲۷ھ میں آیا۔ اس چغتائی حاکم نے لمغان اور ملتان سے لے کر دہلی کے دروازے تک بعض مقامات کو تو تاخت و

Marfat.com

تاراج کیا اور بعض شہروں پر ہمیشہ کے لیے قبضہ کر کے حوالی شہر کو اپنا لشکر گاہ بنالیا۔ محمد تغلق نے اپنے میں مقابلہ کی طاقت نہ پائی اور عاجزی اور نیازمندی سے پیش آیا۔ بادشاہ نے چند معتبر امیروں کے وسیلہ سے اپنے چغتائی حریف کی خواہش کے موافق نقد و جواہر اس کی خدمت میں پیش کیے اور اس طرح اپنی اور رعایا کی جان بچائی - ترمہ شیریں خان نے نواح دہلی سے تو کوچ کیا، لیکن گجرات پہونچ کر اس نے جی کھول کر اس کو لوٹا اور بہت سا مالِ غنیمت اور بے شمار قیدی گرفتار کر کے سندھ اور ملتان کے راستے سے اپنے وطن کو روانہ ہوا''۔

ان متضاد بیانات پر کوئی رائے قائم کرنا مشکل ہے، لیکن عصامی اور یحییٰ قریب قریب معاصر مورخ ہیں، اس لیے ان کے بیانات نسبتاً زیادہ صحیح قرار دیئے جاسکتے ہیں ۔خصوصاً جب عصامی اور یحییٰ کے بیان میں زیادہ اختلاف نہیں ۔ بدایونی نے یحییٰ ہی کو صحیح سمجھا ہے، اس لیے اپنی منتخب التواریخ میں مبارک شاہی کی تحریر کو تھوڑے سے ردوبدل کے بعد نقل کر دیا ہے۔

قراجل کی مہم:

عصامی نے ترمہ شیریں کے حملہ کے بعد قراجل کی مہم (۳۸ ۷ ھ) کا حال لکھا ہے۔ قراجل کو برنی نے فراجل، یحییٰ نے قراجل، ابن بطوطہ نے قراچیل، فرشتہ، بدایونی اور نظام الدین نے ہماچل لکھا ہے، ایک انگریز اہلِ قلم کا خیال ہے کہ قراچل کو دراچل کا فارسی نام ہے، جو سنسکرت میں کیلاش پہاڑ کے لیے مستعمل ہوتا تھا، مگر موجودہ دور کے بعض اربابِ تحقیق کی رائے ہے کہ قراچل کو دراچل نہیں بلکہ کماچل کا فارسی نام ہے اور کماچل موجودہ کمایوں گڑھوال کا پرانا نام تھا، بہرحال قراچل ہمالیہ کی ترائی کا علاقہ تھا۔ ہمالیہ ہی کی نسبت سے شاید فرشتہ، بدایونی اور

Marfat.com

نظام الدین نے قراچل کو ہماچل لکھا ہے (چل کے معنی سنسکرت میں پہاڑ ہیں) مورخین صرف قراچل لکھتے ہیں، مگر یہ نہیں بتاتے کہ شاہی فوج اس کے کون سے حصہ میں گئی۔ ابن بطوطہ نے اس مہم کے سلسلہ میں دو جگہوں کے نام جدیہ اور ورنگل لکھے ہیں، جن پر شاہی فوجوں نے قبضہ کیا، مگر ان دونوں جگہوں کا تعین کرنا مشکل ہے، کیوں کہ یہ نام اس علاقہ میں اب نہیں پائے جاتے ہیں، لیکن قراچل کو کماچل تسلیم کر لیں، تو یہ کہنا آسان ہوگا کہ شاہی فوج کمایوں گڑھوال کے علاقہ میں گئی۔

عصامی نے اس مہم کے عجیب وغریب اسباب لکھے ہیں:

یکے روز شہ اول بامداد — بگل گشت سوی چمن سرنہاد
زگلگشت گلزار چون باز گشت — ببازار با کوکبہ می گذشت
بہر سوی انبوہی خلق دید — کسے بود دریع کس می خرید
بدل گفت آں شاہ آفاق سوز — کہ معمورست ابں شہر و کشور ہنوز
بتدبیر باید تلف کرد شاں — ہمی داشت ایں راز در دل نہاں
وزانجا بدار الخلافہ رسید — ہمی چارۂ کشتنِ خلق دید
دگر روز کز غرفہ آسماں — بر آورد سر شاہ سیارگاں
بفرمودتا طبل رحلت زنند — یکے بارگاہے بتپت زنند
خروش تیرہ بگردوں رسید — سپہ سر بسر خیمہ بیروں کشید
بہ خسرو ملک گفت فرماں روا — کہ بودے پسر خواہرِ شاہ را
بسر لشکرے خیمہ بیروں زنند — طنابش براں سوی گردوں زنند
زا قصای ☆ دہلی سبك بگذرد — سپہ را بکوہِ قراجل بردا

☆ سید محمد یوشیع نے از قصائے لکھا ہے، دیکھیں ص ۴۶۶، ۱۹۳۸ء
۱ ڈاکٹر آغا مہدی حسین آگرہ کالج آگرہ، ص ۴۴۸، ۴۴۷، ۱۹۳۸ء

Marfat.com

مگر ظاہر ہے کہ یہ سبب نہیں ہوسکتا ہے، برنی کا بیان ہے کہ:

"اندیشۂ ششم سلطان محمد که اعمال آن واسطۂ خرق حشم مستقیم شده گشت اندیشه ضبط کوه فراجل بوده است و سلطان محمد را خاطر گشت که چون کیش نهاد ہاے ضبط خراسان و ماوراء النهر درکار شده است کوه فراجل که درراه نزدیك میان ممالك ہندو ممالك چین حائل و حجاب شده مضبوط علم اسلام گرددتاراه درآمد اسپ رفتن لشکر آسان شود"۔

لیکن خراسان اور ماروا٫النہر کے راستہ میں قراجل کیسے آسکتا ہے، ہندوکش کی مقررہ راہ کو چھوڑ کر قراجل ہوکر خراسان جانا خلافِ عقل بات معلوم ہوتی ہے۔ چین کی تسخیر کی مہم میں قراجل حائل ہوسکتا تھا۔ شاید اسی غلطی کو محسوس کر کے فرشتہ نے لکھا ہے۔

"اندیشۂ فرستادن لشکر کوه ہما چل چنین است که سلطان بفکر تسخیر ولایت چین و ہما چل که مابین ولایت چین و ہند است افتاده ...... دہر چند ارکان دولت بکنایه و تفریح معروض داشتند که این فکر مناسب نیست و ہرگز نبوده که بادشاه ہندوستان یك زرع زمین ازان ممالك بتصرف در آورد و قبول نکرد و چون خسرو ملك و امرائے بیچاره که بجز اطاعت چاره نداشتند روانه شده بکوہستان مذکور در آمدند جا ہاے مناسب قلعها بسته و لبجمعیتی از پیاده و سوار سپرده

Marfat.com

بیشتر شدند، چون بسیارے از کوھہاے ہماچل راہ طے کردہ و بحوالی شہر ہاے سرحد چین رسیدند و عظمت و شوکت امرائے چین مشاہدہ کردند و محکمے حصار و تنگی راہ ہاو کمی علف بخاطر آوردند خوف و ہراس بر ضمائر ایشان مستولی شدہ عازم مراجعت گردیدند"۔

لیکن فرشتہ کے علاوہ کسی اور مورخ کے بیان سے یہ ظاہر نہیں ہے کہ سلطان محمد تغلق نے چین فتح کرنے کے لیے کوئی مہم بھیجی، برنی کی عبارت ہم پڑھ چکے ہیں۔ یحییٰ لکھتا ہے۔

"و فرمود تا کوہ قراجل کہ میان ممالک ہندو چین حایل شدہ است ضبط کنند، ہشتاد ہزار سوار باسران لشکر نامزد کرد و فرمود از آنجا کہ در گھاٹی در آیند در راہ تھانہا مستقیم کنند، تا لشکر را بوقت باز گشتن دشواری نباشد"۔

یحییٰ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان تغلق صرف قراجل کے علاقہ کو اپنی مملکت میں شامل کرنا چاہتا تھا اور یہ بات ابن بطوطہ کی تحریروں سے بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

"کوہِ قراجیل ایک بڑا پہاڑ ہے، جس کا طول تین مہینے کے سفر کا ہے اور دلی سے دس منزل کے فاصلے پر واقع ہے، اس کا راجہ بہت بڑے راجاؤں میں ہے۔ بادشاہ نے ملک مکبہ کو ایک لاکھ سوار اور پیادہ دے کر اس پہاڑ میں لڑائی کے لیے بھیجا، اس نے شہر جدیہ پر جو پہاڑ کے نیچے واقع تھا قبضہ کرلیا...... شاہی لشکر نے ورنگل کو بھی جو اس پہاڑ کے اوپر تھا، فتح کرلیا

Marfat.com

اور بادشاہ کو مبارک باد بھیجی، جب برسات کا موسم آیا، تو لشکر میں بیماری پھیل گئی...... امیر مکبہ نے تمام خزانے اور جواہرات لوگوں کو تقسیم کر دئے کہ ان کو پہاڑ کے نیچے لے جائیں، ہندوؤں کو خبر ہوئی تو غاروں اور تنگ جگہوں میں بیٹھ گئے اور راستہ روک لیا...... اس طرح بہت سے آدمی مر گئے، لشکر میں سے فقط تین آدمی بچ کر باہر آئے''۔

برنی کا بیان ہے کہ دس آدمی واپس آئے، مگر اس سلسلہ میں عصامی نے بہت سی ایسی باتیں لکھیں، جو قطعاً صحیح نہیں۔

سید جلال کی بغاوت:

قراجل کی مہم کے بعد عصامی محمد تغلق کے عہد کی پے در پے بغاوتو کا ذکر کرتا ہے۔ ان بغاوتوں کی ترتیب اور تاریخی کتابوں سے مختلف ہے، مگر ہم عصامی کی ترتیب ہی کو پیشِ نظر رکھ کر ان پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

سب سے پہلے سید جلال حاکمِ معبر کی بغاوت کا ذکر ہے۔ عصامی نے حسب معمول اس کی کوئی تاریخ نہیں لکھی ہے۔ برنی اور ابن بطوطہ کے یہاں بھی کوئی تاریخ مذکور نہیں، یحیٰی، فرشتہ اور بدایونی نے ۷۴۲ھ لکھی ہے (بدایونی نے غلط فہمی میں جلال الدین احسن شاہ کو بہمنی خاندان کے بانی حسن گانگو سے خلط ملط کر دیا ہے) مگر الہ آباد یونیورسٹی کے ایک پروفیسر کا خیال ہے کہ اس بغاوت کی تاریخ ۷۳۵ھ تھی، کیوں کہ جلال الدین نے جیسا کہ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ بغاوت کا علم بلند کرنے کے ساتھ ہی اپنے نام کا جو سکہ جاری کیا تھا، اس میں تاریخ ۷۳۵ھ لکھی ہوئی ہے، جس سے تحقیق ہوتی ہے کہ جلال الدین ۷۳۵ھ میں باغی ہو کر بادشاہ بن چکا تھا، (دیکھو ہسٹری آف دی قرونہ ٹرکس، انڈین پریس الہ آباد، ص ۱۴۱،۴۲)

Marfat.com

برنی کا بیان ہے کہ سلطان محمد تغلق جب قنوج میں تھا، تو اس کو اس بغاوت کی خبر ملی۔ وہ دہلی آیا اور فوج کو مرتب کر کے معبر روانہ ہو گیا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ سلطان روانہ ہونے سے پہلے ایک گانوں کوشک زر میں ٹھہرا، جہاں آٹھ دن تک سامان فراہم کرتا رہا، پھر خواجہ جہاں کو فوج کے ساتھ آگے روانہ کیا۔ خواجہ جہاں دھار پہونچا تھا کہ اس کے بھانجے نے سازش کر کے اس کو قتل کرنا چاہا مگر وہ مع اپنے ساتھیوں کے گرفتار کر کے بادشاہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ جس نے ان کو ہاتھی کے پانوں سے کچلوا دیا۔ اس کے بعد محمد تغلق کوچ کر کے دولت آباد پہونچا۔ عصامی نے اس کو بہت ہی اختصار سے لکھا ہے۔ برنی کا بیان ہے کہ دولت آباد پہونچ کر محمد تغلق نے امراء و اکابر سے سخت مطالبے کیے اور پھر تلنگ کی طرف روانہ ہوا اور جب ورنگل پہونچا، تو وہاں ایسی وبا پھیلی کہ اس کی فوج کے بہت سے سپاہی مر گئے اور وہ خود علیل ہو گیا۔ فتوح السلاطین میں بھی یہی مذکور ہے۔

سلطان معبر نہ جا سکا اور دیوگیر واپس ہوا، اس کی علالت مرض الموت سمجھی گئی اور سلطنت میں بغاوت ہو گئی، چناں چہ محمد تغلق تلنگ اور دیوگیر کے راستہ ہی میں تھا کہ اس کو دولت آباد کے حاکم ملک ہوشنگ کی بغاوت کی خبر ملی۔

ہوشنگ کی بغاوت:

برنی، نظام الدین، بدایونی اور فرشتہ نے ہوشنگ کی بغاوت کا ذکر نہیں کیا ہے، لیکن عصامی نے کیا ہے۔

بمہدی نشستہ ہمی رفت شاہ	الاغے درآمد در اثنائے راہ
دعا گفت و بنہاد سر برزمیں☆	ہمی گفت کاے ملجاء، آدمیں ☆
ہماں خان قتلغ مرابے درنگ	فرستاد برشاہ فیروز جنگ

☆ سید محمد یوشیع نے زمی، آدمی، لکھا ہے، دیکھیں ص ۴۶۹،

Marfat.com

یکے راز بنہانیش گفت خان | کہ ایں راز در سمع خسرو رسان
بگو کاے ☆ جہانگیر فیروز جنگ | سہے شد کہ برگشت از شہ ہشنگ
☆زا قصاء اقلیم شہ عطف کرد | بکوہ بدسرا شد آں سست مرد
چواندر حوالی سپہ در رسید | شہنشہ سپہ را بچپّا کشید
بہر چند کاں بارۂ پایدار ☆ | پنہ جائی ہندوست☆ گاہ فرار
نزول سپہ کرد آن سرفراز | سپہ راند ہر سوپے ترک تاز
بگوش ہشنگ ایں خبر چوں فتاد | بزد سروازاں☆ مرزبیروں فتاد
باقصاء کوکن گریزاں برفت | زاشتر دلی ☆ اشک ریزاں برفت
دریغا چناں شہسوار دغا | کہ در شب شگافد سر موے را
سلحدست و چالاک و چابک سوار | باقصاء ہندوستاں نامدار
دلاور ببودست فیروز جنگ | بہر کار پیکار یعنی ہشنگ
غرض چون کہ بشنید کاں نابکار | سپردہ است☆ کوکن عنان فرار
بفرمود کاں ☆ خان قتلغ خطاب | رود زود☆ بردستش آرد شتاب
سپارد بدستش اماں نامہ را | بحضرت کشد سر خود ☆ کامہ را
بفرمان شہ خان فیروز جنگ | جریدہ رواں شد بسوئی ہشنگ
برفت و رسانید اورا بشاہ | وز آنجا بکتکہ رواں شد سپاہ[1]

سفر نامہ ابن بطوطہ اور تاریخ مبارک شاہی میں اس بغاوت کا ذکر ہے۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ ہوشنگ ایک ہندو راجہ بربرہ کے پاس بھاگ کر چلا گیا، جس کا علاقہ دولت آباد اور

☆ سید محمد یوشع نے اے، از، نامدار، است، وزاں، از، سپردست بہ لکھا ہے، دیکھیں ص ۴۷۰، ۴۸ء

☆ ایضاً آں، زودو، مرد لکھا ہے دیکھیں ص ۴۷۰، ۴۶۹

[1] مولانا عصامی، بہ تصحیح ڈاکٹر آغا مہدی حسین آگرہ کالج، آگرہ، ص ۴۵۱، ۴۵۰، ۳۸ء

Marfat.com

کوکن تھانہ کے بیچ میں تھا۔ سلطان تغلق نے تعاقب کر کے راجہ کے شہر کا محاصرہ کیا۔ راجہ ہوشنگ کو سپرد کرنے سے انکار کرتا رہا، مگر ہوشنگ خوفزدہ ہوا اور اس شرط پر اپنے کو بادشاہ کے استاد قلتو (قتلغ) خان کے حوالہ کر دینا چاہا کہ بادشاہ دولت آباد لوٹ جائے، چناں چہ محمد تغلق کوچ کر کے دولت آباد چلا گیا اور ہوشنگ قتلغ خان کے پاس آ گیا، جس نے اس کو اہل و عیال کے ساتھ بادشاہ کے پاس پہونچا دیا۔ محمد تغلق اس کے آنے سے بہت خوش ہوا اور خلعت عنایت کیا۔ یحییٰ نے اس بغاوت کا حال بہت ہی مختصر لکھا ہے:

"...... تا تلنگ رسیده بود که زحمتی شد، از آنجا باز گشت و آوازه شائع شده بوده که سلطان را در پالکی مرده می آرند، ملک هوشنگ بدیدهن از فتنه متواری شد (یابدید هیرا رفته متوازی شد) چون تحقیق کرد که سلطان زنده است باز گشته بحضرت بیوست۔"

شاہو ارا اور ہلاجوں کی بغاوتیں:

عصامی نے شاہو گلچند را اور ہلاجوں کی بغاوتوں کا حال ایک ساتھ بہت ہی مختصر لکھا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں بغاوتیں ایک ہی وقت میں ہوئیں۔ یحییٰ کا بیان ہے کہ ملک ہلاجوں نے ۷۴۳ھ میں اور شاہو نے اس کے فوراً ہی بعد ۷۴۴ھ میں بغاوت کی۔ بدایونی نے شاہو کی بغاوت کو نظر انداز کر دیا ہے، لیکن ملک ہلاجوں کی بغاوت کی تاریخ یحییٰ کی تقلید میں ۷۴۳ھ ہی لکھی ہے۔ فرشتہ نے عصامی کی طرح شاہو کی بغاوت کا بیان ہلاجوں کی بغاوت سے پہلے لکھا ہے اور ہلاجوں کی بغاوت کا فوراً ہی ذکر کر کے اس کی تاریخ ۷۴۳ھ ہی لکھی ہے، لیکن برنی کا بیان ہے کہ سلطان محمد تغلق جب معبر کی بغاوت کو فرو کرنے کے سلسلہ میں دیوگیر میں مقیم تھا، تو ہلاجوں کی بغاوت اسی زمانہ میں ہوئی، اس لحاظ سے اس کی تاریخ ۷۳۵ھ ہوتی ہے۔ ابن بطوطہ

Marfat.com

نے اس بغاوت کی کوئی تاریخ تو نہیں لکھی ہے، لیکن اس کے بیان سے بھی صاف عیاں ہے کہ یہ بغاوت معبر کے حاکم جلال الدین کی سرکشی کے بعد ہوئی، اس بغاوت کی جتنی تفصیل سفرنامہ ابن بطوطہ میں ہے کسی اور تاریخ میں نہیں۔

اسی طرح شاہو کی بغاوت کی تاریخ ۷۴۴ھ صحیح نہیں ہو سکتی ہے، کیوں کہ ابن بطوطہ ۷۴۳ھ میں ہندوستان چھوڑ چکا تھا اور اس نے اس بغاوت کا ذکر اپنے سفرنامہ میں کیا ہے اور اس کے سامنے شمالی ہند کی یہ آخری بغاوت تھی۔ محمد تغلق جب اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے گیا، تو اس کا ذکر کرتے ہوئے ابن بطوطہ لکھتا ہے۔

> ''بادشاہ ان دنوں ملک سندھ کو گیا ہوا تھا، جب بادشاہ کو خبر پہونچی کہ میں تارک الدنیا ہو گیا ہوں۔ تو اس نے مجھے بلوایا اور اس وقت بادشاہ سیوستان (سیہواں) میں تھا۔ میں فقیروں کے لباس میں بادشاہ کے سامنے حاضر ہوا، مجھ سے نہایت ملائمت کے ساتھ گفتگو کی اور پھر ملازمت کر لینے کے لیے فرمایا، میں نے انکار کیا اور حج کے لیے اجازت طلب کی، بادشاہ نے اجازت دے دی ...... یہ ماہ جمادی الثانی کا آخیر اور ۷۴۲ھ تھا''۔

اگر مندرجۂ بالا حقائق کی روشنی میں ہلاجوں اور شاہو کی بغاوتوں کی تاریخیں علی الترتیب ۷۳۵ھ اور ۷۴۲ھ صحیح ہیں، تو پھر تعجب ہوتا ہے کہ عصامی اور یحییٰ نے دونوں کو ایک ہی زمانہ کے واقعات لکھ کر کیوں خلط ملط کر دیا ہے۔

ماہرو کی سرکشی:

ان بغاوتوں کے بعد عصامی نے عین الملک ماہرو کی سرکشی کا ذکر کیا ہے، جس کی تاریخ یحییٰ، فرشتہ اور بدایونی نے ۷۴۷ھ لکھی ہے، لیکن یہ بھی صحیح نہیں، کیوں کہ عین الملک کی سرکوبی کی مہم

Marfat.com

میں ابن بطوطہ محمد بن تغلق کے ساتھ تھا اور جیسا کہ اوپر بیان ہوا ۷۴۲ھ میں وہ شاہی ملازمت چھوڑ چکا تھا، تو پھر یہ بغاوت اس سے پہلے ہوئی۔ برنی اور ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ محمد تغلق معبر کی مہم (۷۳۵ھ) پر جانے کے ڈھائی سال کے بعد دہلی لوٹا اور دہلی میں کچھ دنوں رہ کر سرگدواری آیا، جہاں وہ ڈھائی سال مقیم رہا اور اس کے بعد عین الملک نے بغاوت کی، اس لحاظ سے اس کی بغاوت کی تاریخ ۷۴۱ھ ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ برنی رقم طراز ہے کہ سرگدواری سے سلطان دہلی آیا، تو اُس نے سکوں پر اپنے نام کے بجائے خلیفہ بغداد کا نام اور لقب نقش کرایا، چناں چہ ایڈورڈ طامس کے سکوں کی فہرست میں محمد تغلق کے زمانہ کے ایک سکہ پر خلیفہ المستکفی باللہ ابوالعربیہ سلیمان کا نام منقوش ہے اور تاریخ ۷۴۱ھ لکھی ہوئی ہے۔ اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ عین الملک کی بغاوت ۷۴۱ھ کے آخر تک ختم ہوچکی تھی۔

عین الملک ماہر و ظفر آباد اور اودھ کا حاکم تھا۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ جب ملک میں قحط پڑا، تو محمد تغلق اپنا لشکر لے کر دریاے گنگ کے کنارے چلا گیا، جو دہلی سے دس منزل دور تھا، جس سے ابن بطوطہ کی مراد سرگدواری ہے۔ یہاں عین الملک روزانہ بادشاہ کو پچاس ہزار من گیہوں، چاول اور چنے مویشی کے لیے بھیجتا تھا۔ ایک روز بادشاہ نے حکم دیا کہ کیمپ کے ہاتھی، گھوڑے اور خچر دریا کے پورب طرف چرنے کے لیے بھیج دیئے جائیں اور عین الملک کو ان کی نگہبانی کے لیے مقرر کیا، عین الملک کے چار بھائی اور تھے، اونھوں نے عین الملک سے مل کر سازش کی کہ بادشاہ کے ہاتھی اور مویشی بھگا لے جائیں اور عین الملک سے بیعت کر کے اس کو بادشاہ بنائیں، چناں چہ عین الملک باغی ہوکر رات کو بھائیوں کے ساتھ فرار ہوگیا، اس بیان سے بغاوت کا اصلی سبب معلوم نہیں ہوتا اور عصامی نے بھی کوئی صاف وجہ نہیں لکھی ہے۔

البتہ برنی اور یحیٰی کے بیان سے بغاوت کا اصلی سبب بالکل واضح ہوجاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ سلطان نے دولت آباد کے ہر دل عزیز اور محبوب حاکم قتلغ خان کو دہلی بلا کر عین الملک کو اس کی جگہ پر بھیجنا چاہا۔ عین الملک ڈرا کہ بادشاہ دولت آباد بھیج کر اس کی ہلاکت کا سامان پیدا کرنا

Marfat.com

چاہتا ہے۔اسی لیے وہ کنارہ کش ہوکر باغی ہوگیا۔

قنوج کے پاس شاہی لشکر اور عین الملک میں جنگ ہوئی ،جس کی تفصیلات اور نتائج عصامی، ابنِ بطوطہ، برنی اور یحییٰ کے یہاں کم وبیش یکساں ہیں۔

نصرت خاں کی بغاوت:

عین الملک کی سرکشی کے بعد عصامی نے نصرت خان کی بغاوت کا حال لکھا ہے، جو ترتیب کے لحاظ سے پہلے ہونا چاہیے۔ برنی ، ابنِ بطوطہ ، یحییٰ اور فرشتہ اس کا ذکر عین الملک کی بغاوت سے پہلے کرتے ہیں- بدایونی کی ترتیب مختلف ہے، وہ نظام الملک حاکم کرہ، عین الملک اور شہاب الدین نصرت خان کی بغاوتوں کا ذکر ایک ہی سال یعنی ۷۴۵ھ میں کرتا ہے، جو صحیح نہیں۔ یحییٰ اور فرشتہ نے بھی نصرت خاں کی بغاوت کی تاریخ ۷۴۵ھ لکھی ہے ،لیکن اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ یہ بغاوت عین الملک سے پہلے ہوئی، تو پھر اس کی تاریخ ۴۱ ۷۴۰ھ کے قبل ہونی چاہئے۔اس کی تائید برنی کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ سلطان محمد تغلق نے دکن کے قیام کے زمانہ (۳۷ - ۷۳۵ھ) میں نصرت خان کو بیدر کا حاکم بنایا اور اس عہدہ پر تین سال مامور رہنے کے بعد (۴۱ - ۷۴۰ھ) میں اس نے سرکشی کی۔

عصامی نے اس بغاوت کے جو سبب لکھا ہے- وہ بالکل غیر واضح ہے۔

بہ بدرو بکو بر ☆ ہمان بیوفا	بفرمانِ شہ بود فرماں روا
یکایک بگشت از شہ بختمند	رسانید اطرافِ خودرا گزند
یکے پور ☆ خواہر زجنس بغات	بہ پیوستش زکشور ☆ گوجرات
بافعال ☆ عفریت خورّم بنام	چو شیطان زیانکارِ ہر خاص و عام

☆ سید محمد یوشیع نے بکویر، بود، از، در لکھا ہے ، دیکھیں ص ۲۷۶

Marfat.com

ہمان غول یکسر زراہش ببرد — یکایک بدست بلایش سپرد
ہم از اشتعالش سرے تافته ☆ است — دماغش زسودا خلل یافته ☆ است [1]

خورم کا ذکر کسی تاریخ میں نہیں آتا ہے۔ ابنِ بطوطہ نے یہ وجہ لکھی ہے کہ تلنگانہ سے واپسی کے وقت جب محمد تغلق کی وفات کی خبر مشہور ہوئی، تو نصرت خاں بھی علمِ بغاوت بلند کرکے بادشاہ بن بیٹھا، مگر بغاوت کی تاریخ ۴۱-۷۴۰ھ پائی جاتی ہے، تو یہ وجہ کیسے قابلِ قبول ہو سکتی ہے۔ برنی کا بیان ہے کہ نصرت خان نے بیدر کی شاہی آمدنی میں سے ایک کرور تنکہ خیانت کرلیا تھا، اس لیے ڈر کر بادشاہ سے منحرف ہوگیا۔ فرشتہ نے لکھا ہے کہ نصرت خاں نے ایک لاکھ تنکہ پر بیدر کا ٹھیکہ لیا تھا، رقم مقررہ اپنے وقت پر شاہی خزانہ میں نہ پہونچا سکا، اس لیے باغی ہوکر بیدر کے قلعہ میں چھپ گیا۔

بغاوت کے سلسلہ میں جو جنگ ہوئی - اس کا حال برنی، ابنِ بطوطہ، یحییٰ، فرشتہ اور بدایونی نے چند سطروں میں لکھ کر ختم کر دیا ہے، لیکن عصامی نے اس جنگ کی جو تفصیلات لکھی ہیں۔ وہ بہت ہی پر از معلومات ہیں۔ قتلغ خاں کی سرداری میں شاہی فوج کے منزل بہ منزل کوچ، کتگر کے مقام پر مخالف فوجوں کے مقابلہ، مدمقابل لشکروں کے سرداروں کے نام جنگ کی ترتیب، قتلغ خان کی فتح و کامرانی اور نصرت خاں کی ہزیمت و پسپائی کی پوری تفصیل موجود ہے، جو کسی اور تاریخ میں نہیں۔

عصامی کا بیان ہے کہ قتلغ خاں نصرت کی بغاوت کو فرو کرکے کوتگیر کی تسخیر کو گیا، جو کسی اور تاریخ میں مذکور نہیں کوتگیر (؟) ایک پہاڑی علاقہ تھا، جس کا حکمران ایک آتش پرست ہندو جیرہ مغلا تھا، اس مہم کا حال عصامی کے الفاظ میں ملاحظہ کریں۔

سپہ راند خود جانبِ کوتگیر — بلرزید کہسار ازاں دارو گیر

☆ سید محمد یوشع نے یافت، نے، یافت نے لکھا ہے، دیکھیں ص ۴۷۶، ۱۹۴۸ء

[1] ڈاکٹر آغا مہدی حسین آگرہ کالج آگرہ، ص ۴۵۶ ۱۹۳۸ء

چو خانِ معظم بمقصد رسید | سر رایتِ دین بفرقد رسید
ہماں جیرہ مغلاء مفسد نژاد | کہ آمد پدید از جہان فساد
بکوہے بر آوردہ از خشت و سنگ | ببستہ ہمہ رہ گذر ہائے جنگ
نمونہ ازان بارۂ استوار | ببرداز پئے سدّ بناء کار
چوخانِ معظم دراں دز رسید | یکے دائرہ گرد اوبر کشید
تو گوئی کہ بر گرد البیر زکوہ | زدہ خیمہ ایرانیاں باشکوہ
چوخاں کرد ہر سوا لنگے تعیں | گرفتہ بہر سو ہز برے زمیں
بر آورد ہر سو یکے منجنیق | بخوں می شد آں دز بہردم غریق
بیک سو دوانید ثابات خاں | بداں تابود لشکرے را اماں
بہ بستند گرگج☆ بسر کوب کوہ | ہر انسانکہ بد خواہ کردو ستوہ
دگر سو گرفتند نقبے نہاں | ہمی رفت لشکر بفرمان خاں[۱]

چھ مہینے تک محاصرہ رہا اور جنگ ہوتی رہی، آخر حصار کے اندر غلہ اور رسد کی کمی ہوئی، تو جیرہ قلعہ چھوڑ کر فرار ہوگیا، اس کا تعاقب کیا گیا، تو صرف اس کی ایک لڑکی گرفتار ہوئی۔

علی شاہ کی بغاوت:

اس کے بعد ہی عصامی نے علی شاہ نتھو کی بغاوت کا حال بہت ہی تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ برنی کا بیان ہے کہ نصرت خان کی بغاوت کے چند مہینے کے بعد علی شاہ جو ظفر خان علائی کا بھانجہ اور قتلغ خان کے ماتحت امیر صدہ تھا۔ دیوگیر سے روپیہ وصول کرنے کی غرض سے گلبرگہ گیا، اس علاقہ کو شاہی مقطع، والی اور سواروں اور پیادوں سے خالی پایا اور اپنے بھائیوں سے سازش کی

☆ سید محمد یوشع نے "کچ" تحریر کیا ہے، دیکھیں ص ۳۸۲ ۱۹۴۸ء

[۱] ڈاکٹر آغا مہدی حسین آگرہ کالج، آگرہ ص ۶۲-۳۶۱ ۱۹۳۸ء

Marfat.com

اور گلبرگہ کے تحصیلدار (متصرف) بھیرن کو قتل کر دیا، پھر بیدر و گلبرگہ کا مالک بن بیٹھا۔ سلطان محمد تغلق نے قتلغ خان کو علی شاہ کی سرکوبی کے لیے مامور کیا اور امراد ملوک کو دہلی سے بھی بھیجا۔ قتلغ خان دھار پہونچ کر علی شاہ سے متصادم ہوا۔ علی شاہ شکست کھا کر بیدر میں پناہ گزیں ہوا، لیکن یہاں بھی وہ پسپا ہوا۔ یحییٰ نے برنی ہی کے الفاظ کو نقل کیا ہے اور نظام الدین اور فرشتہ نے بھی برنی ہی کے اختصار کو لیا ہے، البتہ فرشتہ نے ایک نئی بات لکھی ہے کہ اس بغاوت میں حسن گانگو بھی شریک تھا، جو صحیح نہیں۔

ان مؤرخوں کے مختصر بیانات کے بعد عصامی کی مندرجہ ذیل تفصیلات ملاحظہ ہوں۔

کوتگیر کی مہم کے بعد قتلغ خان نے کوبر (؟) کے مفسدوں کی سرکوبی کے لیے علی شاہ کو بھیجا، کوبر میں شاہی لشکر کا پڑاؤ ڈال کر علی شاہ نے باغیوں کو تاراج کرنا شروع کیا۔ ایک رات تلنگ کے مفسدوں نے اس کی فوج پر شب خوں مارا، لیکن علی شاہ کے بھائیوں، احمد شاہ محمد شاہ اور ملک اختیار نے ان کی ایسی سرکوبی کی کہ وہ پھر نہ ابھرے اور علی شاہ نے کوبر میں ایک پرامن حکومت قائم کی۔

باقصاء کوبر☆ چو مفسد نماند	علی شہ درو کام دل می براند
ہمہ کشور و شہر آباد گشت	ز اقصاء ☆ اقلیم صیتش گذشت
بہر سال آں مرد خلجی نژاد	بدیوان ہمی مال معہود داد
اطاعت ہمی کرد برخان مدام	شدہ شاکر از لطف او خاص و عام[1]

دو سال کے بعد گلبرگہ کے اقطاع دار بہرن نے فتنہ پروری سے قتلغ خان کو علی شاہ کے غبن اور خیانت کی خبر دی، وہ چاہتا تھا کہ کوبر جیسا آباد اور خوش حال علاقہ بھی اس کو دے دیا جائے، قتلغ خاں کو جب غبن کی خبر ملی، تو کوبر کی مملکت کو بہرن کے سپرد کیا۔ علی شاہ کو یہ کب گوارا ہوسکتا تھا، اس نے اپنے ہمراہیوں اور بھائیوں کی ایک انجمن منعقد کی، جس میں عبداللہ، محمد شاہ،

☆ سید محمد یوشیع نے کوبر کی جگہ کویر، زکی جگہ از تحریر کیا ہے دیکھیں، ص ۴۸۴، ۱۹۴۸ء

[1] ڈاکٹر آغا مہدی حسین آگرہ کالج آگرہ، ص ۴۶۴، ۱۹۳۸ء

Marfat.com

احمد شاہ اور ملک اختیار دین جمع ہوئے، ان میں سے عبداللہ کے سوا ہر ایک غیظ و غضب کی آگ میں جل رہا تھا مگر عبداللہ خان نے جو قتلغ خاں کا سپہ سالار تھا، دوراندیشی سے کام لینے کا مشورہ دیا، لیکن علی شاہ اور اس کے ہمراہیوں نے نہ مانا اور ایک فوج لے کر گلبرگہ کی طرف بڑھے، اس پر قبضہ کر کے بہرن کو تہِ تیغ کیا، اس کے بعد بدر کے حاکم محمود کو قید کر کے سکر پر حملہ آور ہوئے۔ کتھگر میں احمد قلعتا اور لاچین کے لڑکے نے ان کا مقابلہ کیا، لیکن علی شاہ کی فوج کو فتح ہوئی اور اس نے دھار میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر کے علاء الدین کا لقب اختیار کیا، سلطان محمد تغلق کو خبر ہوئی، تو آزمودہ فوجی سرداروں کے ماتحت دہلی سے ایک جرار لشکر قتلغ خان کے پاس بھیجا، قتلغ خان فوج لے کر دھار پہونچا۔ جہاں دونوں طرف کی فوجیں صف آرا ہوئیں۔ عصامی نے جنگ کی ترتیب میدانِ کارزار کی ہنگامہ آرائی اور فوجی سرداروں کی نبرد آزمائی کا بہت ہی مؤثر نقشہ کھینچا ہے، جو اور کسی تاریخ میں نہیں۔ علی شاہ کو شکست ہوئی اور میدانِ جنگ سے بھاگ کر بدر کے قلعہ میں پناہ گزین ہو، مگر قتلغ خان نے اس کو بھی پانچ مہینے کے محاصرہ کے بعد تسخیر کیا اور علی شاہ مع اپنے بھائیوں کے امن کا خواستگار ہو کر قتلغ خاں کے پاس حاضر ہوا۔ قتلغ خان نے ان کو محمد تغلق کے پاس بھیج دیا۔

عصامی اس کے بعد خاموش ہو جاتا ہے، لیکن برنی کا بیان ہے کہ یہ قیدی سرگدواری آئے، جہاں بادشاہ قیام پذیر تھا۔ بادشاہ نے ان کو غزنی جلاوطن کر دیا، وہاں سے وہ بھاگ آئے تو ان کو پھر سزا دی اور ابنِ بطوطہ کا بیان ہے کہ وہ غزنین سے واپس آئے، تو بادشاہ نے ان کو قتل کر دینے کا حکم دیا۔ یحییٰ، برنی کی طرح قتل کا ذکر نہیں کرتا ہے، بعد کے مورخوں میں فرشتہ اور نظام الدین بھی قتل کا ذکر نہیں کرتے ہیں، لیکن بدایونی نے لکھا ہے کہ وہ قتل کر دیئے گئے۔

اس بغاوت کی تاریخ یحییٰ نے ۷۴۶ھ لکھی ہے، جو صحیح نہیں، کیوں کہ برنی کا بیان ہے کہ یہ بغاوت نصرت کی سرکشی (۴۰-۷۳۹ھ) کے چند مہینے کے بعد ہوئی اور پھر علی شاہ گرفتار کر کے سرگدواری بھیجا گیا، سرگدواری میں شاہی قیام جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، ۷۴۱ھ تک رہا،

Marfat.com

اس لیے یہ بغاوت ۷۴۱ھ سے پہلے شاید ۷۴۰ھ میں ہوئی ہوگی۔

اس کے بعد عصامی نے چاندگرہ (؟) کی ایک چھوٹی سی مہم کا ذکر کیا ہے، جو قتلغ خان کے بیٹے الپ خان کی سرداری میں واقع ہوئی، اس کا ذکر کسی اور تاریخ میں نہیں۔

عصامی کا بیان ہے کہ اسی زمانہ میں محمد تغلق نے لوگوں کو دیوگیر سے دہلی چلے آنے کا حکم دیا، مگر برنی کی تحریر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ محمد تغلق کا یہ حکم اس وقت جاری ہوا، جب وہ ارنگل سے بیمار ہوکر دیوگیر ہوتا ہوا دہلی (۷۳۷ھ) واپس آرہا تھا۔

گجرات کی بغاوتیں:

گجرات کی بغاوتوں کا حال عصامی نے بہت ہی تفصیل سے لکھا ہے، اس کا بیان ہے کہ قتلغ خان کی معزولی کے دو برس بعد گجرات میں جوریبال، قاضی جلال، جلال الدین لالہ اور جھلو افغان شاہی افسر مقبل کے ظلم و ستم سے عاجز ہوکر بروده میں جمع ہوئے اور اس سے انتقام لینے کی قسم کھائی، مقبل کو خبر ملی، تو ان کی طرف فوج لے کر بڑھا، سرکیج ؟ میں وہ مخالف فوج سے رزم آرا ہوا، مگر شکست کھا کر پٹن کے قلعہ میں پناہ لی، مذکورہ بالا چاروں گجراتی امراء فاتح و کامران ہوکر کھنبائت پہنچے اور وہاں کے شحنہ طغی کو اپنی مطیع بنایا، لیکن وہ ان سے برگشتہ ہوکر مقبل سے پٹن میں جا ملا، مگر گجراتی امراء کے ایک ساتھی مبارک نے اس قلعہ کو بھی فتح کرلیا، دو مہینہ کے بعد دھار کا حاکم عزیز خمار مالوہ سے لشکر لے کر ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا، مقبل نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ گجراتیوں کے پاس صرف سات سو سوار اور شاہی فوج میں چھ ہزار سوار تھے، جنگ شروع ہوئی۔ عصامی نے لڑائی کی تفصیل حسب معمول پورے رزمیہ انداز میں لکھی ہے۔ شاہی فوج پسپا ہوکر بھاگی۔ عزیز خمار زندہ گرفتار ہوا اور مارا گیا۔ دوسرے روز یہ فوج (جس کو عصامی لشکر بروده کہتا ہے) کنبھایت میں داخل ہوئی، لیکن وہاں کے باشندوں نے ان کی اطاعت کرنا پسند نہیں کیا، لشکر بروده ان کی سرکوبی میں مشغول تھا کہ طغی ان کی مدد کو آگیا، پھر دونوں طرف سے تین چار مہینے تک

Marfat.com

کشت وخون جاری رہا۔

برنی کی تفصیلات عصامی سے کچھ مختلف ہیں، اس نے ان بغاوتوں کو گجرات کی ایک غیر ملکی جماعت امیر صدگان کی طرف منسوب کیا ہے، یہ امیر شاید سوسواروں کے عہدہ دار ہوتے تھے جو ضلع یا پرگنہ کا انتظام کیا کرتے تھے، یہ اصطلاح، یحییٰ، فرشتہ، نظام الدین اور بدایونی بکثرت استعمال کرتے ہیں، لیکن ابنِ بطوطہ اور عصامی نے اس کو کہیں استعمال نہیں کیا ہے۔ برنی، یحییٰ اور فرشتہ وغیرہ قاضی جلال اور جور بنبال وغیرہ کے نام نہیں لیتے ہیں، البتہ سفرنامہ ابن بطوطہ میں قاضی جلال اور جلول (شاید جھلو مراد ہو) کے نام مذکور ہیں۔

بغاوت کے اسباب کے سلسلہ میں برنی نے لکھا ہے، کہ سلطان محمد تغلق کو خبر ملی کہ قتلغ خاں کے کارکن شاہی آمدنی میں زیادہ ترغبن کر لیتے ہیں، تو اس نے دکن کو چار شقوں (اضلاع) میں تقسیم کیا اور ہر شق ایک امیر کی نگرانی میں دیا، ایک شق میں ملک سرد ذاندار، دوسرے میں مخلص الملک، تیسرے میں یوسف بغرا، چوتھے میں عزیز خمار کو مامور کیا اور عماد الملک کو دیوگیر کا وزیر بنایا، ان میں سے ہر ایک کو ہدایت کی کہ امیر صدگان کی ہر ممکن صورت سے سرکوبی کی جائے، کیوں کہ اس کا خیال تھا کہ فتنہ وفساد ان ہی کی وجہ سے ہوتا ہے، اس کے بعد قتلغ خان کو دہلی بلایا اور عزیز خمار کو مالوہ کا حاکم بنا کر دھار بھیجا، دیوگیر میں قتلغ خاں کا بھائی نظام الدین جانشیں ہوا۔ عزیز خمار دھار پہونچا، تو اس نے امیر صدگان کو ایک روز دعوت دی اور ان میں سے اسی (۸۰) امراء کو اپنے محل کے سامنے قتل کرا دیا، یہ واقعہ ایسا نہ تھا کہ اس جماعت کے لوگ خاموش رہتے۔ اسی کے بعد گجرات کا نائب وزیر ملک مقبل اپنے صوبہ کا خزانہ لے کر دہلی چلا، بروده اور دیہوی (صحیح لفظ ڈبھوئی ہے جو اب تک بروده سے اٹھارہ میل جنوب میں واقع ہے) کے بیچ میں اس نواح کے امیران صدہ نے مقبل پر حملہ کیا اور اس کا تمام مال واسباب لوٹ لیا، ملک مقبل نہر والہ واپس ہوگیا، امیران صدہ میں بغاوت کی آگ ہر جگہ پھیل گئی اور وہ اکٹھا ہو کر کنبھائت کی طرف بڑھے۔

عصامی اور برنی کے مذکورہ بالا بیانات میں اختلاف ہے۔ عصامی کے یہاں ملک مقبل کی

Marfat.com

تصویر زیادہ نمایاں ہے۔ اس کا بیان ہے کہ ملک مقبل گجراتی امراء پر خود حملہ آور ہوا، وہ امیر صدگان کی جماعت کے امراء کے قتل کا بھی ذکر نہیں کرتا ہے۔ عزیز خمار اور امیر صدگان کی جنگ کا حال برنی نے صرف دو تین سطروں میں لکھ کر ختم کر دیا ہے، مگر عصامی نے پوری تفصیل سے بیان کیا ہے۔

برنی رقم طراز ہے کہ سلطان محمد کو ان بغاوتوں کی خبر ملی، تو انتہائی غیظ و غضب میں دارالخلافت سے دکن روانہ ہوا، روانگی کے قبل گجرات کی نیابت شیخ علاؤالدین اجودھنی کے لڑکے شیخ معزالدین کے سپرد کی اور تین لاکھ تنکہ دے کر دو تین دن کے اندر ایک ہزار سوار مرتب کرنے کا حکم دیا، وہ کوچ کر کے سلطان پور پہنچا، جو دہلی سے پندرہ کوس پر واقع تھا، یہاں اس کو عزیز خمار کے پسپا ہونے اور مارے جانے کی خبر ملی۔ عصامی کا بیان ہے کہ سلطان محمد دہلی سے روانہ ہوا، تو اس کے مظالم سے فوج پریشان عاجز اور فاقہ مست ہو رہی تھی، اس لیے تیزی سے کوچ نہ کر سکی، آخر اس نے ناگور پہنچ کر اعظم ملک کو بھروچ کی طرف روانہ کیا، اعظم ملک نے بھروچ کے قلعہ پر قبضہ کر لیا، تو باغیوں کی فوج نے قلعہ پر یلغار کیا، گو ان کے پاس کل سات سو سوار تھے، مگر جنگ شدت کی ہوئی، آخر شاہی فوج نے قلعہ سے باہر نکل کر لڑنا شروع کیا، باغیوں کا سردار جھلو مارا گیا اور جور نبیال اور قاضی جلال فرار ہو کر ایک ہندو راجہ ماندیو کے یہاں پناہ گزین ہوئے، مگر وہ ہمدرد ثابت نہ ہوا، بلکہ ان کے مال و اسباب کو لوٹ کر سلطان محمد کے حوالہ کر دینا چاہا۔

برنی کی تفصیل میں تھوڑا سا فرق ہے، وہ لکھتا ہے کہ سلطان محمد سلطان پور سے کوچ کر کے نہر والہ کے پاس پہونچا، شیخ معزالدین کو نہر والہ بھیج کر خود ابھو پہاڑی کی طرف بڑھا، جہاں سے برودہ اور ڈبھوی نزدیک تھے، یہاں سے باغیوں کی سرکوبی کے لیے فوج بھیجی، باغی مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور شکست کھا کر دیوگیر کی طرف بھاگے، بادشاہ ابھو سے بھروچ آیا اور مفرورین کے تعاقب میں نائب وزیر ممالک ملک مقبول کو دہلی کی فوج اور بھروچ کے امیران صدہ کے ساتھ بھیجا۔ ملک مقبول نربدا تک تعاقب کرتا ہوا گیا اور باغیوں کی پوری سرکوبی کی، ان کے بعض ممتاز امراء (نام نہیں درج ہیں) سالیر اور مالیر کے حاکم ماندیو (فرشتہ بکلانہ کا حاکم لکھتا ہے) کے یہاں جا کر پناہ

Marfat.com

گزیں ہوئے، ملک مقبول کچھ دنوں نربدا کے ساحل پر مقیم رہا اور شاہی فرمان کے بموجب اس نے بھروچ کے ہمراہی امیرانِ صدہ کو تہِ تیغ کر دیا، جو قتل سے محفوظ رہے، وہ دیوگیر بھاگ گئے۔

اس کے بعد برنی کا بیان ہے کہ سلطان بھروچ میں مقیم رہا، بھروچ اور گجرات کی مال گذاری وصول کی، باغیوں کو اچھی طرح سزا دی اور زین بندہ اور رکن تھانیسری کے منجھلے لڑکے کو دیوگیر کی بغاوت کے اسباب کی تفتیش کے لیے مقرر کیا، مگر یہ دونوں اپنی فتنہ پردازی اور شرانگیزی کے لیے مشہور تھے، اس لیے عام طور سے ان کی اس خدمت پر نفرت کا اظہار کیا گیا، اسی اثناء میں سلطان نے قتلغ خان کے بھائی نظام الدین کے پاس دو امیر (نام مذکور نہیں) بھیج کر فرمایش کی کہ پندرہ سو سوار اور ممتاز امیران صدہ اس کے پاس بھیجے جائیں۔ نظام الدین نے حکم کی تعمیل کی، مگر یہ دونوں امیر سوار اور امراء کو لیے جا رہے تھے کہ راستہ میں امیران صدہ نے بغاوت کی اور دونوں کو قتل کر دیا اور دولت آباد واپس آ کر نظام الدین کو قید اور تھانیسری کے لڑکے کو تہِ تیغ کر دیا، اس کے بعد ایک امیر مخ افغان کو بادشاہ تسلیم کر کے مرہٹوں کی مملکت کو آپس میں تقسیم کر لیا، برودہ اور دیہوئی کے امیران صدہ جو ماندیو کے یہاں پناہ گزیں تھے، آ کر ان سے ملے، ان بغاوتوں کا حال سن کر سلطان محمد دیوگیر پہونچا، جہاں باغیوں نے اس کا مقابلہ کیا، لیکن ان کو شکست ہوئی، مخ افغان اپنے اہل و عیال کے ساتھ دھار گیر کے قلعہ میں جا چھپا، حسن گانگو، بدر کے باغی اور مخ افغان کے بھائی اپنے اپنے ملکوں کو فرار ہوئے۔ سلطان نے عماد الملک سر تیز سلطانی کو گلبرگہ روانہ کیا، تاکہ وہ اس علاقہ پر قابض ہو جاتے اور خود دیوگیر میں ٹھہرا، اسی اثنا میں گجرات میں طغی نے علمِ بغاوت بلند کیا، بادشاہ جلد گجرات کی طرف روانہ ہو گیا اور اس بغاوت کو فرو کرنے میں مشغول تھا کہ اس کو خبر ملی کہ حسن گانگو نے سر تیز سے جنگ کر کے اس کو قتل کر دیا ہے اور قوام الدین ملک جوہر اور ظہیر الجیوش دیوگیر چھوڑ کر دھار میں پناہ گزین ہیں اور حسن گانگو دیوگیر کا بادشاہ بنا بیٹھا ہے، سلطان پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔

عصامی نے ان واقعات کو برنی سے زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، جو محض موازنہ کے لیے ذیل میں درج ہے۔

Marfat.com

شاہی فرمان کے بموجب عالم ملک نے ایک فوج احمد لاچین کی قیادت میں بادشاہ کے پاس بھیجی، اس فوج کے ساتھ امراء تھے، جن میں نور الدین اور اسمٰعیل نمایاں تھے، انھوں نے اپنے کو خطرے میں محسوس کر کے راستہ میں بغاوت کی [۱] اور احمد لاچین قلتاش اور حسام کو تہِ تیغ کر کے دولت آباد آئے۔ عالم ملک نے ان کا مقابلہ کیا، لیکن وہ زندہ گرفتار ہو گیا، اس کے بعد باغیوں نے ستارہ کا محاصرہ کیا اور فتح حاصل کی، نصرت و کامرانی کے نشہ سے مخمور ہو کر انھوں نے اسمٰعیل کو اپنا بادشاہ بنایا، اسمٰعیل حسن (یعنی حسن گانگو) کو بادشاہ بنانا چاہتا تھا، لیکن وہ اس وقت ان سے دور دراز مقام پر تھا، اس لیے مصلحتہً اسمٰعیل کو بادشاہ بنالیا گیا اور اس کا لقب ناصر الدین ہوا۔ نور الدین خواجہ جہاں کے لقب سے سرفراز کیا گیا، اس بادشاہت کے اعلان کے بعد قاضی جلال اور مبارک مفتی جو راجہ ماندیو کے یہاں پناہ گزیں تھے، بلا لیے گئے، جلال کو قدر خان اور مبارک کو خان کا خطاب عطا کیا گیا۔

دو مہینہ کے بعد نور الدین نے الغ خان اور بہرام افغان کو لے کر گلبرگہ کی طرف یلغار کی گلبرگہ میں ایک ہندو کھتری نے مسلمانوں پر بڑے مظالم کیے تھے، نور الدین کے ایک ہی حملہ میں وہ پسپا ہو گیا، لیکن اوس نے کلیان کے حاکم جلال دہنی سے مدد مانگی اور وہ اس کی مدد کو کلیان سے روانہ ہوا، جلال دہنی کو راستہ میں روکنے کے لیے حسین سیتہ مامور ہوا دونوں میں جنگ ہوئی جلال دہنی مارا گیا اور حسین سیتہ فتح یاب ہوا۔

ان واقعات سے متاثر ہو کر حسن نور الدین کی مدد کے لیے اپنی مملکت سے گلبرگہ کی طرف بڑھا، اس کو یلغار کرتے ہوئے دیکھ کر بدر اور سکر کے حاکموں نے بھی مدد پہونچائی، ناصر الدین بے حد خوش ہوا اور حسن کو ظفر خان کے خطاب سے سرفراز کیا، گلبرگہ کے محاصرہ کی جنگ میں شدت پیدا کی گئی اور جب یہ فتح ہونے کے قریب تھا، تو ناصر الدین نے اس فوج کے سرداروں کو طلب کیا، انھوں نے جانا پسند نہ کیا تو ظفر خان خود دولت آباد روانہ ہوا، اسی اثناء میں گلبرگہ کے حصار میں غلہ کی کمی ہو گئی اور محصورین نے سپر ڈال دیا۔

محمد بن تغلق اپنے شاہی حاکموں کی ہزیمت اور شکست سے پیچ و تاب کھا کر دیو گیر کی

[۱] فرشتہ کا بیان ہے کہ یہ بغاوت درہ مانک کے پاس ہوئی۔ جو کچ اور دون کے درمیان واقع ہے۔

Marfat.com

طرف روانہ ہوا اور سناری پہونچ کر اپنی فوج کو جنگ کے لیے ترتیب دیا، قلب میں تاتار خاں، یسار میں مقبول اور میمنہ میں خود بادشاہ کھڑا ہوا، ناصرین کے لشکر میں قلب میں اس کا لڑکا خضر خان، خان جہان حاتم خان وغیرہ میمنہ میں قدر خان و مبارک خان، میسرہ میں ظفر خاں اور حسام الدین مامور ہوئے عصامی نے جنگ کی تفصیل حسب معمول پورے رزمیہ انداز میں لکھی ہے، محمد تغلق کے ہاتھیوں نے دشمنوں کی فوج میں انتشار پیدا کر دیا اور وہ منتشر ہو کر فرار ہوگئی، ناصرالدین دیوگیر کے قلعہ میں آ کر پناہ گزین ہوا، اسی اثنا میں گجرات میں طغی باغی ہو گیا، تغلق اس بغاوت کو خطرناک سمجھ کر طغی کی سرکوبی کے لیے خود چلا اور سرتیز کو گلبرگہ کی طرف روانہ کیا، دولت آباد میں تغلق کے ایک فوجی سردار جوہر نے وہاں کے مسلمانوں پر سخت مظالم کر کے ناصرالدین، خضر خان، خان جہاں، تاتار خان، قدر خان، مبارک خان، صفدر خان، بہارالدین حاجب اور نصیر تغلجی کو گرفتار کر لیا۔

ظفر خان آزاد رہا اور اس نے دیوگیر سے مرج کی طرف کوچ کیا، یہاں پہونچ کر اس نے فوج کو از سرِ نو ترتیب دینے کی کوشش کی۔ سکر کے فوج دار سکندر خان اور قیر خان نے اس کا ساتھ دیا، سرتیز گلبرگہ پہونچا اور وہاں سے کوچ کرتا ہوا ظفر خان کے مقابلہ میں آیا، ظفر خان بھی اپنی فوج لے کر گوداوری کے پاس پہونچا اور ایک فوج حسین کی سرکردگی میں بطور مقدمۃ الجیش بھیجی، حسین اور سرتیز کی فوجوں میں مقام کھیڑہ مڈبھیڑ ہوئی، سرتیز نے مبارک کو حسین سے نبرد آزمائی کے لیے مقرر کیا، مگر وہ پسپا ہو کر بیر کی طرف فرار ہو گیا۔ مقدمۃ الجیش کی نصرت و کامرانی کی خبر پا کر ظفر خان کہتی مہوا ہوتا ہوا سندبتن پہونچا، یہاں سرتیز سے گھمسان کی لڑائی ہوئی، سرتیز مارا گیا، ظفر خان فتح یاب ہو کر دولت آباد پہونچا، اس کی آمد کی خبر سنتے ہی جوہر دھار کی طرف فرار ہو گیا اور ظفر خان نے ناصرالدین کو قید سے آزاد کیا، ناصرالدین نے ظفر خان کی موجودگی میں پھر بادشاہ بننا پسند نہیں کیا اور اس کے حق میں بادشاہت سے دست بردار ہو گیا۔

ظفر خان عصامی کا ہیرو ہے اس لیے اس کی فتح و کامرانی، جرأت و شجاعت اور آخر میں ناصرالدین کا اس کے حق میں بادشاہت سے دست بردار ہونے کو بہت ہی عقیدت مندانہ انداز میں لکھا ہے۔

Marfat.com

اس کے بعد عصامی نے سلطان علاؤ الدین بہمنی کی حکومت کے واقعات لکھنے شروع کر دیے ہیں، وہ اس کا درباری شاعر تھا، لہٰذا اس عہد کے جتنے واقعات اس نے قلم بند کیے ہیں، وہ صحیح اور مستند ہیں اور بعد کے مورخوں کے لیے شاید واحد اور معتبر ماخذ ہے برہانِ مآثر میں واقعات کی ترتیب اور تفصیل بالکل اس سے ملتی جلتی ہے۔

طغی کی بغاوت کے مختصر ذکر کر کے بعد فتوح السلاطین کے تاریخی واقعات ختم ہو جاتے ہیں۔ بغاوتوں کے سلسلہ میں عصامی نے ہانسی اور سرستی کے حاکم سید ابراہیم خریطہ دار اور کرہ کے حاکم نظم مائیں ۳۸۔۷۳۷ء کی سرکشی کا حال نہیں لکھا ہے، خلیفہ بغداد کے یہاں سے خلعت کی آمد کا بھی وہ ذکر نہیں کرتا ہے، حالاں کہ اس عہد کا یہ مشہور واقعہ ہے، اس نے محمد تغلق کی علمی سرپرستی، علمی فیاضی اور علمی تبحر کی طرف بھی مطلق اشارہ نہیں کیا ہے، بلکہ اس کی شان میں ہمیشہ سخت اور برے الفاظ مثلاً ظالم، سفاک، خونریز، بیدادگر، بدخواہ دین اور دون پرور وغیرہ استعمال کیا ہے، ایک جگہ لکھتا ہے۔

شہنشاہ دوں دوست بدخواہ دیں ۔۔۔ کہ یکسر سرے تافت از راہ دیں
شد آزردہ از وے صغار و کبار ۔۔۔ بروگشتہ جایز خروجِ دیار
شریعت رضا داد در ☆خونِ او ۔۔۔ طبیعت فسردہ ز افسونِ او
بخونش رواں گشتہ حکم قضاۃ ۔۔۔ قضا بستہ بروے طریقِ نجاۃ
ز آئینِ ☆ اسلام سر تافتہ ☆ ۔۔۔ ابا ز مرۂ کفر دریافتہ
برانداختہ رسمِ بانگِ نماز ۔۔۔ شب و روز از و اہلِ دیں در گداز
جماعت ولجمعہ درانداختہ ۔۔۔ ابا ہنداں ہوئی باختہ
ابا جوگیاں گشتہ خلوت گرا ☆ ۔۔۔ بدل راہ کفار را دادہ جا☆
برد متفق مفتے کم شدہ ۔۔۔ وگر خود شدہ نیز ملزم شدہ
نفیر از جفایش بہر کشورے ۔۔۔ برو حرب جایز بہر محضرے

☆ سید محمد یوشع نے دادہ، از، تافتہ، گرائے، جائے تحریر کیا ہے۔ دیکھیں، ص ۵۱۵، ۴۸ء

ہماں شاہ خونخوار و ناپاک کیش | شنیدم کہ در آخر ملک خویش
بسے فوج برگشت گاں را شکست | بسے صاحبِ چترش آمد بدست
ہمی کرد ضحاک را اتباع | ہم آخر بر آئین اہل خداع [1]

مگر ظاہر ہے کہ یہ اشعار عصامی کی عصبیت اور جذبات کی شدت اور مبالغہ آمیز طرزِ بیان کا نتیجہ ہیں، ورنہ تاریخی حقائق کی روشنی میں محمد تغلق کی تصویر اتنی تاریک اور نفرت انگیز نہیں جتنی کہ عصامی نے دکھانے کی کوشش کی ہے۔

اس طویل خامہ فرسائی سے اندازہ ہوا ہوگا کہ فتوح السلاطین میں تاریخی حیثیت سے مفید اور نئی معلومات بھی ہیں اور کچھ فروگذاشتیں غیر معتبر اور مبالغہ آمیز واقعات بھی مجموعی طور سے شاہانِ دہلی کے حالات کے متعلق تاریخی لٹریچر میں یہ ایک نیا اضافہ ہے، جو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، یہ کتاب اور بھی زیادہ مفید ہوسکتی تھی، اگر اس کے لایق اڈیٹر محنت و کاوش سے اڈٹ کر کے اس پر ناقدانہ حواشی اور تشریحات تحریر کرتے، مگر اڈیٹر مذکورہ کو اس کی اشاعت میں اتنی عجلت تھی، کہ اس کام کو انجام نہ دے سکے گو اس کتاب کا ایک علحدہ ضمیمہ اور انگریزی ترجمہ شایع کرنے کا وعدہ کیا ہے، اس کا انگریزی ترجمہ تو شاید سیر حاصل نہ ہو، البتہ اگر ضمیمہ میں عمیق مطالعہ اور نقد و تبصرہ کے ساتھ اس کتاب کی تاریخی فروگذاشتوں اور غلطیوں کو درست کرنے کی کوشش کی گئی، تو اس کتاب سے دل چسپی لینے والے اصحاب کی بہت سے مشکلیں رفع ہوجائیں گی۔

فتوح السلاطین کی ادبی حیثیت:

فتوح السلاطین نہ صرف تاریخی نقطۂ نظر سے قابلِ التفات ہے، بلکہ ادبی حیثیت سے اپنے عہد کی ایک بلند پایہ تصنیف ہے، اس میں سلاطینِ ہند کی فتوحات کی رزمیہ داستان شروع سے آخر تک بحر متقارب میں لکھی گئی ہے، اس کے مصنف کا اصلی کمال یہ ہے کہ وہ میدانِ جنگ کی معرکہ آرائی، فوجی سرداروں کی نبرد آزمائی، لشکروں کی صف آرائی کی بہت ہی جیتی جاگتی تصویر

---

[1] ڈاکٹر آغا مہدی حسین، آگرہ کالج، آگرہ ص ۴۹۱، ۴۹۲، ۱۹۳۸ء

Marfat.com

کھینچتا ہے، اس سلسلہ میں اس کے بیان کا زور، تحریر کی قوت اور رزمیہ شاعری کا اثر کہیں پر ختم ہونے نہیں پاتا، بلکہ ہر جگہ یکساں طور پر قائم رہتا ہے، جو شاعری پر اس کی اعلیٰ قدرت کی دلیل ہے، چناں چہ فتوح السلاطین کو ہندوستانی فارسی کی رزمیہ شاعری کی پہلی مثال اور عصامی کو ہندوستان کے فارسی شعراء میں قابلِ قدر رزمیہ شاعر کہا جا سکتا ہے۔

عصامی نے ایک دو موقع پر عشقیہ مضامین بھی لکھنے کی کوشش کی ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عشق و محبت کے رموز و نکات سے بالکل ناواقف ہے، اس لیے وہ ان کے سچے جذبات کی ترجمانی کرنے کے بجائے سادے طریقے پر صرف ان کی اداؤں اور وارداتوں کو بیان کر دیتا ہے، جو محض واقعہ نگاری ہو جاتی ہے، مثلاً خضر خان اور دول رانی کی محبت کے سلسلہ میں جذباتِ عشق کی جان گذاری اور جان سوزی کی شدت بیان کرنے کے بجائے وہ عشق پر ایک حکیمانہ وعظ شروع کر دیتا ہے، اسی سلسلہ میں لیلےٰ و مجنون کے عشق کا بھی حال لکھا ہے، لیکن اس میں کچھ ایسی بے سروپا باتیں لکھ دی ہیں، کہ ان کے عشق کے بیان میں کوئی تاثیر پیدا نہیں ہو سکی ہے۔

فتوح السلاطین کی سب سے نمایاں خرابی اس کی زبان ہے، شاعر نے شروع سے آخر تک ایک ہی قسم کی زبان اختیار کی ہے اور کہیں مغلق، ثقیل اور نامانوس الفاظ کے استعمال سے اپنے طرز ادا کی خوبی کو مجروح نہیں کیا ہے، اس عہد کے دو ممتاز شاعر اور ہیں، امیر خسرو اور بدر چاچ، ان دونوں سے عصامی کا کوئی مقابلہ نہیں، لیکن الفاظ کی جتنی سادگی اور شستگی عصامی کے یہاں ہے وہ اس کے معاصرین کے یہاں نہیں ہے اس کے طرزِ بیان میں کہیں آورد اور تصنع نہیں ہے اور نہ کہیں تشبیہات و استعارات سے معانی و مطالب میں پیچیدگی پیدا ہوئی ہے، زیادہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ عصامی نے ہزاروں اشعار کہے اور ہندوستان کے واقعات بیان کیے، ہندی الفاظ، محاورات اور مصطلحات کہیں نہیں استعمال کیے ہیں، حالانکہ اسی عہد میں برنی اور خسرو اپنی زبان میں بھاشا کے الفاظ قبول کر رہے تھے۔

اگست سے دسمبر ۱۹۳۹ء

Marfat.com

ہمایوں کا علمی ذوق

ہمایوں ۹۱۳ھ ماہ ذیقعدہ میں کابل میں پیدا ہوا، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ بابر اپنی قوت و اقتدار کی خاطر ایک مقام سے دوسرے مقام کو پریشاں حال پھر رہا تھا، بابر کی تمام زندگی ہولناک مصیبت مگر حیرت ناک جرأت کی سبق آموز داستان ہے، وہ کبھی باپ کی متروکہ مملکت سے محروم ہو کر پہاڑوں کی برفانی چٹانوں پر اپنی جان بچانے کے لئے بھاگتا نظر آتا ہے کبھی برف کاٹ کر فوج کے لئے راستہ بناتا ہوا دکھائی دیتا ہے پھر وہ کبھی اپنی جودت جہانگیری سے کابل بادشاہ بن بیٹھتا ہے تو کبھی عزیزوں اور دوستوں کی کج ادائیوں سے اسی شہر کی گلیوں میں برہنہ پا پھرتا دکھائی دیتا ہے، اس کی تمام زندگی انقلاب روزگار اور زمانہ کی شعبدہ بازیوں کا تماشہ ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں وہ اپنی اولاد کی تعلیم خاطر خواہ نہ دلا سکا ہوگا پھر بھی یہ عجیب بات نظر آتی ہے کہ اس کی تمام اولاد علم و ہنر سے مالا مال تھیں، کامران ایک کامیاب شاعر تھا، ترکی اور فارسی دونوں میں اشعار کہتا اور قبول عام کی سند لیتا تھا، اس کا ایک قلمی دیوان خدابخش خان کے مشرقی کتب خانہ پٹنہ میں اب تک محفوظ ہے جس میں سولہ فارسی اور انیس ترکی غزلیات، مختلف قطعات رباعیات درجہ رکھتے ہیں اور بعض اشعار میں بادۂ تصوف کی بھی سرمستیاں ہیں۔ [1]

ہندال اور عسکری نے بھی شعر و شاعری میراث میں پائی تھی، تذکرہ نویسوں نے دونوں کا ذکر شاعروں کی فہرست میں کیا ہے اور دونوں کی شاعری کے نمونے دیئے ہیں، ہندال کی ایک رباعی ہے جو ندرتِ خیال کے لحاظ سے خوب ہے۔

زاں قطرۂ شبنم کہ نسیمِ سحری ... از ابر جدا کرد بصد حیلہ گری
تابر رخِ گل چکاند اے رشکِ پری ... حقا کہ ہزار بار پاکیزہ تری [2]

---

[1] جناب محمد محفوظ الحق صاحب ام اے (لیکچرار ریسیڈینسی کالج کلکتہ) نے اس دیوان پر ایک مبسوط مقدمہ لکھ کر اس کو شائع کیا ہے۔ [2] مخزن الغرائب، قلمی نسخہ دارالمصنفین

Marfat.com

عسکری کے اشعار ہیں،

چناں بیخود شدم از دوری آں گلعذارا مشب　　کہ ہر دم گریہ ہار و مید ہدبے اختیارا مشب
چنیں کہ خوے گرفتم بآشنائی تو　　ہلاک میکنندم آں قدر جدائی تو [1]

بابر کی بیٹی گلبدن بیگم تاریخ اور تاریخ نویسی کا نہایت بلند مذاق رکھتی تھی، اس کی تصنیف "ہمایوں نامہ" اپنی نوعیت کی بے مثل کتاب ہے، بقول علامہ شبلی، فارسی زبان میں سادہ اور صاف واقعہ نگاری کا عمدہ نمونہ تزک جہانگیری اور واقعات عالمگیری ہیں اور اس میں شبہہ نہیں کہ یہ کتابیں سادگی اور لطافت کے لحاظ سے اس قابل ہیں کہ ہزاروں ظہوری اور وقائع نعمت خاں اور پر نثار کردی جائے، لیکن انصاف یہ ہے کہ ہمایوں نامہ کچھ ان سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے، اس کے چھوٹے چھوٹے فقرے، سادہ اور بے تکلف الفاظ، روزمرہ بول چال، طرز ادا کی بے ساختگی دل کو بے اختیار کر دیتی ہے۔ [2]

ہمایوں کی تعلیم و تربیت:

ہمایوں اسی دودمان علم و ہنر کا ایک معزز فرد تھا، میراث میں نہ صرف اس نے سلطنت پائی بلکہ باپ کا علمی مذاق اور شعر و شاعری کا ذوق بھی پایا تھا، افسوس ہے کہ اس کی تعلیم و تربیت کے متعلق کوئی مستقل بیان موجود نہیں، اس کی پیدائش کے تھوڑے دنوں کے بعد تزک بابری کی تحریر کچھ عرصہ تک بند رہتی ہے جو ہمایوں کی طفولیت اور تعلیم و تربیت کا زمانہ ہے، اس لئے بابر اس کے متعلق لکھنے سے قاصر رہا، تذکرۃ السلاطین سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ہمایوں جب چار سال چار مہینہ اور چار روز کا ہوا تو رسم مکتب کی تقریب ادا کی گئی [3] مگر اس کی تعلیم کے تفصیلی حالات کہیں نہیں ملتے، بابر نامہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بابر کی تالیفات اس کی اولادوں کے زیر مطالعہ رہیں، بابر نے دیوان کے علاوہ تین کتابیں تالیف کیں ایک تو مثنوی مبین، جس میں دو ہزار اشعار ہیں اور یہ تمام اشعار مذہبی اور اخلاقی موضوع پر ہیں دوسری والدیہ جو ایک رسالہ کا منظوم

---

۱ صبح گلشن مصنف نواب صدیق حسن خان ص ۲۸۵　　۲ مقالات شبلی جلد چہارم ص ۵۶
۳ پروموشن آف محمڈن لرننگ، نریندرناتھ لا ص ۱۲۸

Marfat.com

ترکی ترجمہ ہے، جسے اس نے اپنی علالت کے زمانہ میں نظم کیا تھا اور جو جامی کی سبحۃ الابرار کی بحر میں ہے، تیسری اس کی تزک ہے، مسز بیورج کا خیال ہے کہ بابر نے اپنی مثنوی مبین کامراں کی تعلیم کی غرض سے لکھی تھی۔[1]

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہمایوں کو بھی جو کامراں سے صرف ایک یا دو سال عمر میں بڑا تھا، اس کے ذریعہ سے مذہب و اخلاق کا درس نہ دیا گیا ہو، تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ مذہب و اخلاق میں ہمایوں کی تربیت اعلیٰ قسم کی ہوئی تھی، وہ صوم وصلوٰۃ کا سخت پابند تھا، کبھی وہ قسم نہ کھاتا اور نہ کبھی فحش لفظ زبان پر لاتا تھا، کسی سے بہت خشمگین ہوتا تو صرف لفظ سفیہ کہہ دیتا، معمولی احکام شرعی پر اس پابندی سے عمل کرتا کہ مسجد میں پہلے بایاں پاؤں نہ رکھا اور خوش اعتقادی یہاں تک تھی کہ بے وضو خدائے عزوجل کا نام کبھی نہیں لیا[2] ممکن ہے کہ یہ مذہبی اور اخلاقی جلا باپ ہی کی تربیت اور اس کی تالیف کردہ مثنوی کے ذریعہ سے پیدا ہوئی ہو۔

بادشاہ بن کر ہمایوں نے جو علمی مذاق کا ثبوت دیا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی تعلیم ویسی ہی ہوئی تھی، جو ایک شہزادہ کے لیے ضروری ہوتی ہے، تمام معاصر مورخین اس کو ایک بلند پایہ شاعر اور علم ریاضی و ہیئت کا ماہر و عالم بتاتے ہیں۔

ہمایوں کی شعر وشاعری:

اس کے اعلیٰ علمی مذاق کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ اس کی تمام زندگی جنگ و جدل میں گذری پھر بھی فرصت کے اوقات میں شعر وسخن کا مشغلہ جاری رکھا، ابوالفضل لکھتا ہے

"توجه عالی بشعر وشعرا نیز داشتند و از آنجا که طبع موزوں از خصایص فطرت سلیم است در خلال اوقات واردات قدسی راچه از حقیقت و چه از مجاز در سلک نظم می کشید ند و دیوان آنحضرت در کتاب خانۂ عالی موجود است"[3]

افسوس یہ ہے کہ اس دیوان کا اب کہیں پتہ نہیں، مگر بعض مورخوں نے ہمایوں کی نظمیں،

---

[1] بابرنامہ انگریزی، ضمیمہ مولفہ مسز بیورج ص ۴۳۸ [2] بدایونی جلد اول ص ۴۶۸

[3] اکبرنامہ ص ۳۰۴

Marfat.com

رباعیات اور اشعار نقل کئے ہیں جو ناظرین کی دلچسپی کے لیے یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

ابو الفضل نے ہمایوں کے دیوان کا ذکر کرتے ہوئے نمونے کے طور پر اس کی چند رباعیاں اکبر نامہ میں نقل کی ہیں، نیز تاریخ فرشتہ میں اس کی چند نظمیں اور رباعیاں ہیں، اکبر نامہ میں جو رباعیاں درج ہیں، وہ حسبِ ذیل ہیں۔[۱]

۱

اے دل مکن اضطراب در پیش رقیب — حالِ دل مگوئے باہیچ طبیب
کارے کہ ترا باں جفا کار افتاد — بس قصہ مشکل ست وبس امر عجیب

۲

اے دل ز حضور یار فیروزی کن — در خدمتِ او بصدق دل سوزی کن
ہر شب بخیال دوست خرم بہ نشین — ہر روز بوصل یار نوروزی کن

۳

اے آنکہ جفائے تو بعالم علم ست — روزے کہ ستم بہ بینم از تو ستم ست

☆☆☆☆☆☆☆☆

ہر غم کہ رسد از ستم چرخ بدل — مارا چو غمِ عشق تو باشد چہ غم

ہمایوں جب شیر خان سے شکست کھا کر بے وفا بھائیوں کی مدد حاصل کرنے کے لیے لاہور پہنچا، تو کامران نے بہ ظاہر موافقت اور در پردہ مخالفت کی، شیر خان آگے بڑھتا چلا آرہا تھا، کامران نے اس کا مقابلہ کرنے کے بجائے خفیہ طور پر اس سے سازش کر لی کہ وہ پنجاب لے کر اسے کابل، قندھار اور غزنی کا تنہا مالک چھوڑ دے اور ظاہراً ہمایوں سے شیر خان جنگ کرنے کی تدبیروں کے متعلق مشورے کرتا رہا، یہاں تک کہ شیر خان بہت ہی قریب پہنچ گیا اور ہمایوں کے پاس اپنا قاصد بھیجا، مرزا کامران نے شیر شاہ کے قاصد کا پرجوش استقبال کیا اور اس کی آمد میں بڑا

[۱] اکبر نامہ ص ۲۰۴ تاریخ فرشتہ جلد ا ص ۲۴۴

Marfat.com

جشن منایا، ہمایوں نے اس موقع پر ایک رباعی کہی۔

در آئینہ گر چہ خود نمائی باشد — پیوستہ ز خویشتن جدائی باشد
خود را بنمائ غیر دیدن عجب است — ایں بوالعجبی کار خدائی باشد

یہ رباعی کہہ کر مرزا کامران کے پاس بھیج دی، گلبدن بیگم کا خیال ہے کہ ہمایوں نے کامران کے پاس نہیں بھیجی، بلکہ قاصد کے ذریعہ شیر خان کے پاس ارسال کی۔[۱]

ہمایوں ایسے موقوں پر بہت متاثر ہو کر اشعار کہتا تھا اور جب کبھی اپنے حال کے موافق کوئی شعر سنتا تو بے اختیار ہو جاتا تھا، جب ہندوستان کا تخت و تاج کھو کر شاہ طماسپ کی دعوت پر ایران جا رہا تھا تو ہرات میں سلطان محمود مرزا نے اس کا استقبال کیا اور خاص طور پر جشن شاہانہ مرتب کیا، صابر قاق نے جو خراسان کا ایک مشہور گویا تھا، ایک غزل گانا شروع کی جس کا مطلع یہ تھا.....

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد — ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

جب وہ اس شعر پر پہنچا.....

ز رنج و راحتِ گیتی مرنجاں دل مشو خرم — کہ آئیں جہاں گاہے چناں گاہے چنیں باشند

تو ہمایوں کے دل پر ایک سخت چوٹ لگی اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے۔[۲]

ہمایوں جب ایران پہنچا تو شاہ طہماسپ نے اس کا پر جوش خیر مقدم کیا اور بھائی بنا کر اپنے یہاں رکھا مگر امیروں اور درباریوں کو یہ بات ناگوار گذری اور رفتہ رفتہ شاہ کے کان بھر کے ہمایوں سے اس کو برگشتہ کر دیا، ہمایوں مصیبت کا مارا تھا، بیرم خاں کی صلاح کے موافق احتیاط کو مدنظر رکھا، اسی دوران میں شاہ طہماسپ کی بہن سلطانہ بیگم اور قاضی جہاں قزوینی اور حکیم نور الدین ایسے حاشیہ نشینوں نے باہم یک رائے ہو کر یہ کوشش شروع کی کہ شاہ کے دل سے غبار کدورت دور کر دیں، چناں چہ ایک روز سلطانہ بیگم نے ہمایوں کی یہ رباعی پڑھ کر سنائی۔

ہستیم ز جاں بندۂ اولادِ علی — ہستیم ہمیشہ شاد با یادِ علی
چوں سرِ ولایت ز علی ظاہر شد — کر دیم ہمیشہ در و خود نادِ علی

---

۱. ہمایوں نامہ، گلبدن بیگم ص ۴۸ ۲. مآثر رحیمی جلد اول ص ۵۸۸، کلکتہ

Marfat.com

شاہ طہماسپ اس رباعی کو سن کے بے حد خوش ہوا اور ہمایوں کی جانب سے اس کے دل کی کدورت جاتی رہی۔ ۱؎

اسی غریب الوطنی کے زمانہ میں ہمایوں نے تبریز کی سیر کی، عہد ماضی کے آثارِ قدیمہ اور سیر گاہیں دیکھیں، ان کو دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ اس کی نظروں کے سامنے پھر گیا اور اس وقت یہ رباعی پڑھی ۲؎

افسوس کہ سرمایہ ز کف بیروں شد — وزدستِ اجل بسے جگر ہا خوں شد
کسی نامدازاں جہاں کہ تاپرسم ازو — کا حوال مسافرانِ عالم چوں شد

ہمایوں کی قسمت نے جب ایک بار پھر ساتھ دیا تو وہ ازسرِ نو فوج ترتیب دے کر کامران کے خلاف قندھار پر حملہ آور ہوا، اس وقت ہمایوں کا رفیق بیرم خاں قلعۂ قندھار کے محاصرہ میں ساتھ تھا، قلعۂ قندھار، بہت ہی مستحکم تھا، اس کی دیوار کا عرض سات گز تھا، اس کو تسخیر کرنا آسان نہ تھا لیکن بیرم خاں کی سپہ گری اور جواں مردی سے آخر میں یہ فتح ہوا، ہمایوں نے اس مسرت میں ایک نظم کہی اور بیرم خاں کے پاس بھیج دی، وہ نظم حسب ذیل ہے۔ ۳؎

باز فتحے زغیب روے نمود — کہ دلِ دوستاں ازاں بکشود
شکر للہ کہ باز شاد انیم — بررخ یار و دوست خندانیم
روزِ نوروز بیرم است امروز — دلِ احباب بے غم است امروز
دوستاں رابکلام دل و دیدیم — میوۂ باغِ فتح راچیدیم
شاد باد ہمیشہ خاطرِ یار — غم نہ گرد و بگرد یارور
ہمہ اسباب عیش آمادہ است — دل بفکرو جہالت افتادہ است
گوش خرم شود زگفتارت — دیدہ روشن شود زدیدارت
در حریم حضور شاد بہم — بہ نشینم خرم و بے غم
بعد ازیں فکر کار ہند کنیم — عزمِ تسخیر ملک سند کنیم

مقیم نامی ایک شخص کے متعلق اس نے حسب ذیل شعر کہا:

۱؎ فرشتہ ص ۲۳۷ نولکشور پریس ۲؎ اکبر نامہ ص ۲۴۱ نولکشو ۳؎ خافی خان حصہ اوّل ص ۱۲۵

Marfat.com

مقیم شد غمِ تو در دلم چہ چارہ کنم عجب غمیست مگر دل ز سنگ خارہ کنم [1]

سفینۂ خوشگو میں اس کی ایک رباعی مذکور ہے،

یارب کہ رضا دلِ درویشاں دہ ایں ریش دل شکستہ رادرماں دہ

حدنیست کہ گویم ایں مدہ یا ایں دہ چیزے کہ رضائے تو دور انست آں دہ

ہمایوں کی وفات کے دن جب قریب آئے تو ایک روز اس نے کہا کہ آج صبح کی نماز کے بعد عالمِ غیبی نے یہ رباعی سنائی ہے،

یارب بکمال لطف خاصم گرداں واقف بحقائق خواصم گرداں

از عقلِ جفا کار دل افگار شدم دیوانۂ خود خواں و خلاصم گرداں

اس رباعی کو پڑھ کر رونے لگا، ان دنوں ہمیشہ وہ کہتا کہ عالم فانی سے بوے موت آتی ہے، چناں چہ محل کے طاق پر شیخ آذری کا یہ مطلع نہایت خوش خط لکھا تھا،

شنیدہ ام کہ بریں طارم زر اندو طست خطے کہ عقبت کار جملہ محمود لست [2]

ظاہر ہے کہ ہمایوں کے شعر و سخن کے ذوق کے سبب اس زمانہ کے شعرا شاہی جود و کرم سے ہمیشہ فیض یاب ہوتے رہے ہوں گے، بدایونی کا بیان ہے،

شعرائے بسیار نادرۂ روزگار از دامنِ او برخاستہ اند [3]

ان میں ایک مولانا بدخشی معمائی تھے جو اپنے قصائد کے لحاظ سے سلمان ساوجی پر فوقیت رکھتے تھے، دوسرے شیخ زین الدین خافی المتخلص بہ وفائی تھے جن کے متعلق بدایونی کہتا ہے۔

"در معما و تاریخ و در بدیہہ یافتن و شعر و سایر جزئیات نظم و نثر بے قرینہ زماں بود" [4]

اور جاہی تیمان اپنی ہجو گوئی میں یکتائے روزگار تھا، ان کے علاوہ قابل ذکر شعراء میں مولانا نادری سمرقندی، شیخ ابوالواجد فارغی، حیدر تونیائی، شاہ طاہر خواندی دکنی اور خواجہ ابواب ابن خواجہ ابوالبرکات تھے، ملا عبدالقادر بدایونی نے ان شعرا کا بہ تفصیل تذکرہ کیا ہے اور ان کے بعض معرکۃ الآرا قصائد، رباعیات اور ادبیات کے نمونے بھی درج کئے ہیں [5]

---

1. لطائف نامہ فخری ص ۳۱۲ شائع کردہ اورنٹیل کالج میگزین، لاہور 2. اکبر نامہ ص ۳۹۸
3. بدایونی ص ۴۶۹ جلد اوّل 4. ایضاً جلد اول ص ۴۷۱ 5. منتخب التواریخ ص ۴۶۸ تا ۴۹۲

Marfat.com

ہمایوں ان شعراء کو اپنی علم پرور صحبتوں میں ہمیشہ شریک رکھتا اور شعرو شاعری کی مجلسیں برابر گرم رہتی، ہمایوں کی نکتہ سنجی، وقتِ نظر اور معانی آفرینی کی جلا ان صحبتوں میں خوب ہوئی جس کے باعث وہ اکثر اساتذہ کے کلام میں بلا تکلف اصلاحیں دیتا تھا، ایک بار ملا حیرتی نے اس کے سامنے یہ شعر پڑھا۔

ہمچو پروانہ بشمعے سرو کار انست مرا پس اگر پیش روم بال و پرم می سوزو

ہمایوں نے دوسرے مصرعہ میں یہ اصلاح دی،

می روم پیشِ اگر بال دپرم می سوزد

ملا حیرتی اس اصلاح سے بہت محفوظ ہوئے،[۱]

جاہی یتمان نے شاہ محمد خان شاپور والی کابل سے ناراض ہوکر اس کی ہجو کہی، ہمایوں کے سامنے وہ ہجو پڑھی گئی:۔

شاعر شاہ ہمایونم و خاک درگہ ٭ می زند و کبۂ شاعریم طعنہ بمہ
خسرو شوم دابیات خُوشم خیل وپہ ٭ دیدم از قحبہ زنی ظلم نہ جرم و نہ گنہ
پارۂ کاغذ اگر از ہذیاں گشتہ سیہ سوے ہجوش اگر اندیشہ شودروے برہ
غرض آنست کہ ایں خرصفتان ابلہ عزت و حرمت ایں طائفہ دار ندنگہ
دائے انکس کہ بخیل شعرا بستیزد ہر کہ باما بستیز و بہ بلا بستیزد

آخری مصرعہ کو سن کر ہمایوں نے فی البدیہہ کہا کہ اس کو اس طرح پڑھو،

ہر کہ باما بستیزو بخدا بستیز [۲]

ہمایوں اور علم ہیئت:

ہمایوں علم ہیئت و نجوم سے خاص شغف رکھتا تھا اور اس فن میں بہت اچھی استعداد بہم پہنچائی تھی، بدایونی لکھتا ہے،

"در علوم و ہیئت و سائر علوم غریبہ بے نظیر" [۳]

---

[۱] مآثر رحیمی جلد اول ص ۶۱۲ [۲] منتخب التواریخ بدایونی جلد اول ص ۴۷۸ [۳] ایضاً ص ۴۶۷

Marfat.com

اکبر نامہ میں ہے۔

"توجہ اقدس باصطرلاب و کرہ وسائر آلات رصدی درجۂ کمال داشت "[۱]

ہمایوں نے ہیئت کا فن علامہ الیاس اردبیلی سے سیکھا تھا جو ہیئت کے تمام فنون اور رصد بندی میں ماہر تھے، وہ ہمایوں کو اس قدر عزیز تھے کہ ان سے کسی حال میں جدا ہونا گوارا نہ کرتا تھا، چناں چہ جب تخت و تاج کھو کر ہندوستان سے دور عراق و ایران میں غریب الوطن پھر رہا تھا تو اس مصیبت اور پریشان حالی مین بھی علامۂ موصوف سے ہیئت و نجوم کا درس لیتا تھا اس سفر میں شیخ ابوالقاسم جرجانی بھی ساتھ تھے، یہ دونوں عالم ہمایوں کو قطب شیرازی کی کتاب درۃ التاج کا سبق دینے میں مشغول رہتے، اکبر نامہ میں ہے:-

" واز ہمیں حدود مولانا نورالدین محمد ترخان رابجہت طلب شیخ ابوالقاسم جرجانی و مولانا الیاس اردبیلی کہ بہ فضائل صوری و کمالات معنوی آراستگی، اشتند، فرستاد ندو درکابل آمدہ بشرف ملازمت مشرف شدندو از آمدن ایں دو عزیز بسیار منسبط و منشرح گشتند و مذاکرہ کتاب درۃ التاج درمیان آور دند۔ [۲]

آوارۂ غربت ہونے کے باوجود اس فن سے ہمایوں کی دل چسپی برابر قائم رہی اور جب کبھی وہ کسی نئے شہر میں داخل ہوتا تھا، ہیئت اور نجوم کے آلات تلاش کرتا تھا، اکبر نامہ میں ایک دل چسپ لطیفہ لکھا ہے کہ جب وہ تبریز پہنچا تو اپنے ملازم بیگ محمد آختہ بیگی کو کہا کہ یہاں کوئی کرہ تلاش کرو، فارسی میں کرہ گھوڑے کے بچھڑے کو کہتے ہیں، خوش فہم نوکر نے آقا کے اس حکم کی تعمیل اس طرح کی کہ چند بچھڑے لے کر خدمت شاہی میں حاضر ہوا، بادشاہ اس غول بیابان کو دیکھ کر ہنس پڑا۔ [۳]

ہمایوں کی مہارت فن کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ علما کی طرح ہیئت در یاضی کا درس دیتا تھا، نورالدین ترخاں نوری سفید دتی نے جو ریاضی، نجوم اور حکمت کے ممتاز عالم تھے، ہمایوں ہی سے درس حاصل کیا تھا، مآثر الامراء میں مولانا مذکور کے حال میں ہے۔

" مولانا بفضل و کمال و شجاعت و سخاوت انصاف داشت وبہ ہیئت و

---

۱ اکبر نامہ ص ۲۴۱ ۲ ایضاً ص ۲۴۲ ۳ ایضاً ص ۲۴۳

Marfat.com

ہندسہ و اصطرلاب شوق مند بود.... و صحبتش باجنت آشیانی (ہمایوں) کوک کشتہ واز جملہ ندیمان و مجلس نشینان بزم ہمایونی گردید .... گاہے بادشاہ ازداستفادہ علوم سی کرد، دگاہے اواز علم ریاضی خصوص اصطرلاب از جناب ہمایونی کہ دریں فن مہارت تمام داشت استفاضہ سی نمود"۔[1]

بادشاہ نہ صرف خودان علوم میں مہارت حاصل کرتا رہا بلکہ ملک کے نجومیوں کی واقفیت میں بھی اضافہ کرنے کی کوشش میں لگا رہا، اس نے کئی جگہ رصد خانے بنانے کا ارادہ کیا اور بہت سے آلاتِ رصد ترتیب دیے[2] سلطان سلیمان خان کے ترکی امیر البحر کو جو علم ہیئت کا بہت بڑا عالم تھا، کئی مہینے اپنے دربار میں روک رکھا کہ وہ چاند اور سورج کے گرہنوں کا حساب تیار کرے اور ہندوستان کے نجومیوں کو آفتاب کی گردش اور خط استوار کے نکات کے پڑھنے میں مدد دے، ترکی امیر البحر کئی مہینے کام میں مصروف رہا اور نجومی مشاہدات ختم کئے ۔[3]

ہمایوں کو اس فن میں اس قدر انہماک تھا کہ اس نے اپنی عزیز جان تک اسی فن کی خدمت میں گنوادی، پرانی دہلی میں قلعہ کے اندر شیر شاہ نے شیر منڈل کے نام سے ایک بہت بلند سہ منزلہ عمارت بنوائی تھی، ہمایوں نے اس عمارت کی برجی کو بلندی کے سبب سے رصد خانہ بنا دیا تھا، ایک شام کو ستارۂ زہرہ کے طلوع ہونے کا گمان کیا جا رہا تھا، بادشاہ ریاضی دانوں کی ایک جماعت کے ساتھ اسی برجی میں بیٹھ کر مباحث میں مصروف تھا اور زہرہ کے طلوع کا انتظار کر رہا تھا کہ مغرب کی اذان ہوئی بادشاہ اذان سن کر اٹھنا چاہتا تھا کہ زینہ سے پھسل کر گرا اور سخت زخمی ہو گیا اور پھر اس زخم سے جانبر نہ ہو سکا ۔[4]

بادشاہ کو چرخیات وفلکیات سے جو انس تھا، اس کے اثر سے ملک میں بھی علم ہیئت کا ذوق پیدا ہوا اور ملک میں عام طور پر آلات فلکی بننے لگے۔

اصطرلاب جو عموماً مدارس میں آج نظر آتے ہیں، ان کا ابتدائی رواج دینے والا ہمایوں ہی تھا، اس نے خود ایک خاص قسم کا اصطرلاب ایجاد کیا تھا جو اصطرلاب ہمایونی کے نام سے مشہور

۱۔ مآثر الامرا جلد اول ص ۴۷۸ ۲۔ اکبر نامہ ص ۴۰۴

۳۔ ترجمہ مرأۃ الممالک پروفیسر ڈیمبری باب ہشتم بحوالۂ معارف جلد ۳۲ ص ۸۸

۴۔ اکبر نامہ ص ۳۹۹

Marfat.com

ہے، چناں چہ اس عہد کے اکثر اصطرلاب اور کرات اب تک مختلف مقامات میں محفوظ ہیں۔ [۱]

ہمایوں کے سپہ سالار خانخانان نے ایک قصیدہ اس کی مدح میں لکھا ہے، اس میں اصطرلاب سے تشبیب کی ہے جو ہمایوں کے فلکیاتی ذوق کا بین ثبوت ہے، کہتا ہے

آں چرخ چیست کامدہ بر محورش مدار — آں مدر کز میانہ شہابش کند گذار
باآنکہ می کندبمہ و خور برابری — آمد بجاں زحلقہ بگوشانِ شہریار
نارد بچشم کوکبۂ آفتاب را — چوں مہجۂ لوائے شہنشاہ نامدار
پیوستہ آسمان و زمیں زیر حکم اوست — ہمچو نگینِ خاتم شاہِ جسم اقتدار
بر کف نہادہ خواں زری پر ز اشرفی — مابر قدوم اشرفِ شاہاں کندنثار
شاہِ بلند قدر ہمایوں کہ از شرف — بردر گہش سپہر نہدروے افتخار [۲]

ہمایوں کے تمام خانگی ملکی اور سیاسی کاموں میں ہیئت اور نجوم کے اصول کا لحاظ رکھا جاتا تھا ہمایوں نامہ میں گلبدن بیگم لکھتی ہے کہ جب ہمایوں کی شادی حمیدہ بانو سے قرار پائی تو ہمایوں نے خود اصطرلاب اٹھا کر ستاروں کی گردش معلوم کر کے تاریخ مقرر کی۔ [۳] اکبر جب امرکوٹ کے صحرا میں پیدا ہوا تو ہمایوں نے دریافت کیا تو پتہ چلا کہ ماہتاب برج اسد میں ثابت ہے، اس نے اسی وقت پیشن گوئی کی اکبر صاحب اقبال اور درازعمر ہوگا [۴] جو مستقبل میں حقیقت ثابت ہوئی۔

ہمایوں اپنے فلکیاتی ذوق کے سبب سعد اور نحس کا اس قدر قائل تھا کہ وہ ملک کے تمام کاموں کو اسی اصول کے ذریعہ سے انجام دینے کی کوشش کرتا تھا، جس زمانہ میں کابل کا انتظام اس کے سپرد تھا، اس نے ایک روز ان تین آدمیوں کے نام فال لیے جو ایک مقررہ دن اس کو راہ میں ملے، ان تین آدمیوں کے نام مراد خواجہ، سعادت خواجہ اور دولت خواجہ تھے، ہمایوں نے اپنی سلطنت کی اساس انھی ناموں پر رکھی، ممالک محروسہ اور ملازموں کو تین حصّوں میں تقسیم کیا، دولت، سعادت، مراد کل سپاہیوں کا نام اہل دولت رکھا، کیوں کہ انھی کی مساعدت پر دولت و اقبال کا انحصار ہے، حکماء وعلماء مشائخ اور شعرا کو اہل سعادت کہا کیوں کہ ان کے ذریعہ سے سعادت ابدی

[۱] دیکھو مضمون "لاہور کا ایک فلکی آلات ساز" از مولانا سید سلیمان ندوی معارف جلد ۳ نمبر ۲ ص ۸۸

[۲] بدایونی جلد سوم ص ۱۹۲ [۳] ہمایوں نامہ از گل بدن بیگم ص ۵۲ [۴] ایضاً ص ۵۵

Marfat.com

حاصل ہوتی ہے، بقیہ لوگوں کو اہل مراد سے موسوم کیا۔ [۱]

اسی فلکیاتی اصول پر ہفتہ کے دنوں کو بھی ان جماعتوں سے منسوب کیا، روز شنبہ و پنجشنبہ کو اہل سعادت سے متعلق کیا، ان دونوں میں وہ علم وعبادات کے ناظموں کے ساتھ وقت گذارتا تھا، اہل سعادت کے ساتھ ان دنوں کے مخصوص کرنے کی یہ وجہ تھی کہ شنبہ زحل کے ساتھ منسوب ہے اور زحل مشائخ کا قدیم مربی سمجھا جاتا ہے، پنجشنبہ مشتری سے متعلق ہے، وہ علماء کا ستارہ ہے، یک شنبہ و سہ شنبہ اہل دولت سے متعلق تھے ان دنوں میں امور سلطنت انجام پاتے تھے، یہ دن اس لیے مقرر کیے گئے تھے کہ یک شنبہ آفتاب سے متعلق ہے، اس کی تربیت کے پرتو سے سلطنت و فرمانروائی ہوتی ہے، سہ شنبہ متعلق ہے مریخ سے اور مریخ سپاہی کا مربی ہے، ہمایوں نے جمعہ کا مبارک دن اپنے لیے مخصوص کر رکھا تھا، بقیہ دو دن اہل مراد کے لیے وقف تھے۔ [۲]

ہمایوں نے دو خرگاہ بنائے تھے، جن کی ساخت خالص ہیئت کے اصول پر مشتمل تھی ایک خرگاہ کو آسمان کے برجوں کی طرح بارہ حصوں میں تقسیم کیا تھا اور ہر برج میں ایک پنجرہ آویزاں تھا، جس کے سوراخوں سے کواکب دولت کے انوار چمکتے تھے۔ دوسرا خرگاہ یونانی ہیئت کے نو دن آسمانوں کی پوری نقل تھی، ہر آسمان میں جو ستارے ہیں ان کے نمونے اس میں بنے تھے۔

ہمایوں کی سب سے دل چسپ نجومی اختراع بساط نشاط تھی، [۳] اس بساط میں فلکی دوائر و کرات عناصر بنائے تھے، پہلا دائرہ جو فلک اطلس سے منسوب تھا، سفید تھا، دوسرا کبود، تیسرا زحل کی مناسبت سے سیاہ چوتھا مشتری کے لحاظ سے صندلی، پانچواں مریخ کے تعلق سے سرخ، چھٹا نیر اعظم یعنی آفتاب کی مناسبت سے زریں، ساتواں زہرہ کے سبب سے سبز، آٹھواں عطارد کے لحاظ سے سوسنی، نواں ماہتاب کے تعلق سے سفید، ماہتاب کے دائرہ کے بعد آگ اور ہوا کے کرے بالترتیب بنے ہوئے تھے، اس کے بعد کرۂ خاک و آب تھا، کرۂ خاک میں ساتوں اقلیموں کے نقشے بنے ہوئے تھے، ہر دائرہ مختلف قسم کی جماعت کے لیے مخصوص تھا مثلاً امراء ہندی کو دائرہ زحل میں اور سادات و علما کو دائرہ مشتری میں بیٹھنے کا حکم تھا، ہمایوں نے اپنی ذات کے لیے دائرہ زریں اختیار کیا تھا، اسی طرح نجوم کے قاعدہ سے ہر روز کے ستارہ کا جو رنگ ہوتا اس دن وہی رنگ

[۱، ۲] ہمایوں نامہ، الیٹ جلد پنجم ص ۱۲۰۔۱۱۹ [۳] ایضاً ص ۱۱۶

Marfat.com

پورے دربار کا ہوتا تھا مثلاً یک شنبہ کو آفتاب کے رنگ کے لحاظ سے زرد لباس اور دوشنبہ کو ماہتاب کے رنگ کی مناسبت سے سبز لباس پہنا جاتا۔

ہمایوں اور علم ریاضی:

نجوم و ہیئت کے لیے علم ریاضی ایک لازمی چیز ہے، اس لیے ہمایوں اس علم میں بھی بڑی اچھی استعداد رکھتا تھا، اس عہد کے تمام ممتاز ریاضی دان اس کے حضور میں حاضر رہتے، اکبرنامہ میں ہے -

" در اقسام خاصه ریاضی درزمان خود نظیر وسهیم نه داشتند-[۱]

ایک دوسری جگہ ہے:-

" در اقسام علوم ریاضی آنحضرت راپایه بلند بود و همواره باریاب حکمت صحبت می داشتندو ممتازان علم ریاضی درپایهٔ سریر والا کامیاب سعادت بودند" -[۲]

فرشتہ لکھتا ہے:

" در علم ریاضی علم مهارت می افراشت ، مدارصحبتش باعلماء و فضلا بوده ، همه وقت در مجلس و مسائل علمی مذکورمی شد" -[۳]

ہمایوں اور کتب خانہ کا ذوق:

ظاہر ہے کہ ہمایوں نے اپنے علمی ذوق کے سبب کتابوں کا ذخیرہ جمع کیا ہوگا، چناں چہ جب وہ ہندوستان کے تخت وتاج کا از سرِ نو مالک ہوا اور اس کو کچھ اطمینان نصیب ہوا تو دہلی کے شیر شاہی قلعہ شیر منڈل کے نام سے جو سہ منزلہ عمارت بنی ہوئی تھی، اس کی تیسری منزل پر اس نے اپنا کتب خانہ قائم کیا، یہ اپنی بلندی کے سبب سے کسی قدر رصد خانہ کا کام بھی دیتی تھی، یہاں بیٹھ کر اہل علم سے اکثر علمی مباحثہ کرتا تھا، شاہی کتب خانہ کا مہتمم نظام المعروف بہ بازلبادر تھا۔

کتابوں سے ہمایوں کا شوق اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ میدان جنگ میں بھی ایک چھوٹا سا کتب خانہ اپنے ساتھ رکھتا، چناں چہ جب وہ کمبے کا محاصرہ کررہا تھا تو اس کے ساتھ منجملہ اور

۱- اکبرنامہ ص ۱۳۷۸ ۲- ایضاً ص ۱۳۰۴ ۳- فرشتہ جلد اول مقالہ دوم ص ۲۲۳

کتابوں کے تاریخ تیمور لنگ کا وہ نسخہ بھی تھا جس کو بہزاد نے اپنے کمال فن سے مصور کیا تھا، اس محاصرہ میں ایک جنگلی قبیلہ نے شاہی خیمہ پر شبخون مارا تو لوٹ کے مال میں یہ نادر نسخہ بھی جاتا رہا لیکن پھر بعد ہی یہ واپس مل گیا۔ ؎۱

جب ہمایوں آوارۂ غربت عراق، ایران اور افغانستان میں پھر رہا تھا تو اس وقت بھی چیدہ چیدہ کتابیں اس کے ساتھ تھیں اور اس کے کتب خانہ کا مہتمم اس کے ہم رکاب تھا۔ ؎۲

ہمایوں اور تعلیمی ادارے:

ہمایوں کا زمانۂ حکومت زیادہ تر طوائف الملوکی اور پریشان حالی میں گذرا، اس لیے اس کو عام طور تعلیمی مدارس اور ادارے قائم کرنے کا موقع ملا، پھر بھی دہلی میں اس نے ایک مدرسہ قائم کیا، جس کے ایک مدرس شیخ حسین تھے، پھر اسی عہد میں شیخ زین الدین خوانی نے جو نظم و نثر کے بہت بڑے عالم تھے، آگرہ میں اپنا ذاتی مدرسہ قائم کیا۔ ؎۳

مارچ ۱۹۳۶ء

؎۱ تذکرۃ السلاطین بحوالہ پروموشن آف ممڈن لرننگ مصنفۂ نریندر ناتھ لاص ۱۳۲

؎۲ اکبر نامہ دفتر اول ؎۲ منتخب التواریخ بدایونی ص ۴۷۱

Marfat.com

اکبر کا علمی ذوق

ہمایوں کی زندگی جس طرح آوارہ گردی اور پریشان حالی میں گذری وہ سب کو معلوم ہے، شہزادہ اکبر کو چند سال بھی اپنے بزرگ باپ کے ساتھ چین سے رہنا نصیب نہیں ہوا اور اکثر ظالم چچا کے پنجہ میں گرفتار رہا اور ابھی تیرہ ہی برس کا تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور سلطنت کا بارِ عظیم اس کے کندھوں پر رکھ دیا گیا، اس حالت میں اس کی تعلیم کہاں تک ہوسکتی، تاہم ہمایوں کا علم دوستی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنے لڑکے کی تعلیم سے غافل نہ رہے، چناں چہ ان ہنگامہ پرور واقعات کے ہوتے ہوئے بھی وہ اکبر کی تعلیم کی سخت نگرانی رکھتا تھا، وہ جب ۴ سال ۴ مہینے اور ۴ روز کا ہوا، تو اس نے مکتب کی رسم ادا کی ''سوانح اکبری'' مصنفۂ امیر حیدر حسینی واسطی بلگرامی میں ہے:

مکتب نشستن شاہزادہ و ذکر اساتذۂ او ہفتم شوال سال نہ صدو پنجاہ و چہار کہ از عمر شاہزادہ چہار ماہ و چہار روز بسر شدہ بود، در مکتب در آوردندو ملازادہ عصام الدین ابراہیم رابایں خدمت اختصاص می بخشیدند واز سوانح این کہ برائے افتتاح ساعتے خاص باتفاق اہلِ تنجیم تعین کردہ بودند، چوساعت مختار رسید شاہزادہ بذوق بازی درگونہ رفت کہ بایں ہمہ توجہ و اہتمام جنت آشیانی ہر چند تگا پونمودند پے نبردند وہماناحکمت ایزد درین باب نزد مؤلف آنست کہ ظاہر بینان معلوم کنند، کہ حصول ابن امر موقوف بر عنایت فیاض حقیقی است ، در بند رسوم اصحاب

Marfat.com

علوم نجوم گرفتارنباید بود ، چناں چه بادشاه باآنکه در
ساعتِ مختار ستاره شناسان آغاز خواندن نه نمود،
لیکن استعداد شایسته در ادراکِ وقائق شعر و انشا
کرد و خود ہم سخن راموزون می نمود۔"[1]

ابوالفضل رسم مکتب کی تقریب کا ذکر ان لفظوں میں کرتا ہے:

"از ہفتم شوال این سال که از عمر ابد پیوند، حضرت
شاہنشاہی چہار سال و چہار ماه وچہار روز شده بود ،
بآئین رسم و عادات آن آموخته درسگاه الہی و رموزدان
دبستانِ ربانی را در مکتب بشری در آوردندو ملازاده
ملا عصام الدین ابراہیم رابایں خدمت گرامی شرفِ
اختصاص بخشیدند، اگرچه در نظر ظاہر بنیان بآموزش
فرستادند ، امادر دین دور بنیان بارگاه ظہورانِ حضرت
راپایۂ والائے آموز گاری بردند، از غرائب آنکه حضرت
جہانبانی که از علوم آسمانی آگاه بودندو بدقائق نجوم
می رسیدند ، باتفاق ستاره شمارانِ باریک بیں
واسطرلاب دانانِ وقت شناس ساعتے خاص برائے افتتاحِ
آن حضرت تعین فرموده بودند که در ادوار و اعمار بہم
نتواندرسید، چون ساعتِ مختار رسید آن مودب بآداب
الہی بلباس بازی در آمده درپرده احتجاب مختفی شدند
و بآن توجه و اہتمام بادشاہی ہر چند تگاپوے فرمودند پے
بآن حضرت نبردندو آگاه دلان روشنِ ضمیر ازین سربدیع

[1] سوانح اکبری قلمی نسخہ،ص ۱۹، برٹش میوزیم بحوالہ رسالہ جامعہ ماہ فروری ۱۹۲۹ء

Marfat.com

در یافتند کہ مقصود ازین آنست کہ آن خداوند خرد والا کہ مخصوص بہ تعلیم ایزدی ست بعلوم رسمی روزگار مشوب و منسوب نشود، تا در ہنگام ظہوراین خدیو نکتہ شناس برزمانیان ظاہر شود، کہ دانشورے این بادشاہ دانشوران از قسم موہتبے ست، نہ از جنس مکتسبی ست باوجود این معنی بر ضمیر اقدس آن حضرت نقوش حرفی و علوم رسمی چہ از انچہ رقم زدۂ قلم اہلِ فنون شدہ و چہ ازان نکات اسرار کہ از مبد فیاض بے توسط تعلیم و تعلم برباطن انوار فائز گشتہ جلوہ ظہور دار دولہذا اربابِ حکمت و اصحاب ریاضت و صاحبانِ علوم ظاہری و وارثان صنائع کلی و جزوی در بساط حضور اقدس میر سند، از شناسائی خود سر خجالت گریبان تامل فردبردہ، حیران می مانند، القصہ چون چند گاہ بیش آن افادات انتساب بخواندنی زبون تر ازنا خواند ن اشتغال داشتند اہلِ ظاہر بر عدم کوشش آخوند حمل کردہ در تغیر آن اہتمام نمودند و آن بے چارہ را معزول ساختہ خدمت اور او بمولانا بایزید مقرر ساختند و ندانستند کہ کار فرمایان ابداع اہتمام دارند کہ ضمیر الہام آن نور پروردایزدی محل انعکاس نقوش مداوی و مورد انطباع سواد علومِ ظاہری نگردد۔[1]

ملّا عصام الدین ابراہیم اور مولانا بایزید کے علاوہ اکبر کے استادوں میں مولینا پیر محمد

---

[1] اکبر نامہ جلد اول ص ۲۹۶ نولکشور

Marfat.com

خان، نقیب خان اور مولینا پیر عبداللطیف قزوینی کے نام بھی لیے جاتے ہیں، میر عبداللطیف قزوینی اکبر کو دیوانِ حافظ پڑھایا کرتے تھے۔[۱]

اب سوال یہ ہے کہ ہمایوں کی کوشش اور ان مختلف استادوں کی تعلیم کہاں تک بارآور ہوئی، اکبر کے خوشامدی مورخین تو اس کو امی محض بتاتے ہیں، چناں چہ ابھی دیکھ چکے کہ ابوالفضل اس کو اُمی بتا کر اس کی تشریح یوں کرتا ہے کہ پروردگار کو ثابت کرنا تھا کہ یہ برگزیدۂ الٰہی علومِ ظاہری کی تحصیل کے بغیر ہمارے نامتناہی فیوض کا منبع ہے پھر لکھتا ہے کہ اس میں حکمتِ الٰہی یہ تھی کہ اہلِ عالم پر یہ روشن ہو جائے کہ اکبر کی تمام عقل و دانش خداداد یعنی الہامی ہے، کسی بندہ سے حاصل ہوئی نہیں، ابوالفضل کی یہ ساری توجیہ ظاہراً اس لیے ہے کہ وہ اکبر کو پیغمبروں کی صف میں لا کر کھڑا کرنا چاہتا ہے۔

لیکن اس کو کون مان سکتا ہے کہ ہمایوں کی اتنی توجہ اور استادوں کی اتنی کوشش کے باوجود اکبر لکھنا پڑھنا جانتا ہی نہ تھا حالاں کہ اس کے لیے یکے بعد دیگرے کئی استاد مقرر ہوئے، جہاں ایک استاد کی غفلت معلوم ہوئی، وہ فوراً علٰحدہ کر دیا گیا اور دوسرا مقرر ہوا، اس کے باوجود وہ نوشت وخواند سے اتنا نابلد رہا کہ اپنا نام تک بھی اپنے ہاتھ سے لکھ نہیں سکتا تھا، ابوالفضل آئین اکبری میں ''آئین آموزش'' کے عنوان سے یہ لکھتا ہے کہ ''گیتی خداوند'' کے کہنے سے ''حرف آموزی وتعلیم'' کا ایک طریقہ نکالا گیا ہے جس سے بچے برسوں کی تعلیم مہینوں میں حاصل کر لیتے ہیں جو شخص ''آئینِ آموزش'' کے اتنے دقیق نکتہ کو اس آسانی سے حل کر لیتا ہے، اس کے متعلق یہ کیوں کر کوئی مان سکتا ہے کہ وہ حرف شناسی سے محروم تھا۔[۲]

بہر حال اکبر کے امّی محض ہونے کا دعویٰ شک وشبہہ سے خالی نہیں، بہر حال یہ بات

---

۱ منتخب التواریخ، بدایونی، جلد سوم، ص ۹۸

۲ رائل ایشیاٹک سوسائٹی میں ظفر نامہ کا ایک قلمی نسخہ ہے، اس کے سرورق پر اکبر کے دست خاص کا لکھا ہوا لفظ ''فروردین'' موجود ہے، اس کے نیچے جہانگیر کے قلم کی لکھی ہوئی یہ تصدیق ہے کہ یہ لفظ عرش آشیانی کا لکھا ہوا ہے اور پھر اس کے نیچے شاہجہان کی تحریر ہے۔ (جامعہ بابت ماہ جنوری ۱۹ء)

Marfat.com

تعریف کے قابل ہے کہ اس کم سوادی اور علمی کم مائگی کے باوجود اس کے دل میں علوم وفنون کا شوق اور اس کی قدردانی کا جوش اتنا تھا کہ جو کسی عالم بادشاہ کو بھی نہیں ہوا، اس کے ذاتی شوق کا یہ عالم تھا کہ فارسی کی مشہور کتابوں میں شاید ہی کوئی کتاب ہو جو اس کے سامنے پڑھی نہ گئی ہو، اخلاق ناصری، کیمیائے سعادت، قابوس نامہ، مکتوبات شرف منیری، گلستان، حدیقہ، مثنوی معنوی، جام جَم، بوستان، شاہنامہ، خمسۂ شیخ نظامی خسرو اور مولینا جامی کے کلیات، خاقانی اور انوری کے دیوان اور ہر قوم کی تاریخیں اس کے سامنے بلا ناغہ پڑھی جاتی تھیں، پڑھنے والے ہر روز جہاں ختم کرتے تھے وہاں اکبر اپنے ہاتھ سے نشان (شاید صفحہ یا تاریخ کا) بنا دیتا تھا اور جب کتاب ختم ہو جاتی تو پڑھنے والے کو جیب خاص سے انعام دیتا۔ [1] اسی وسیع مطالعہ کا نتیجہ تھا کہ کوئی تاریخی سرگذشت، فقہی مسئلہ علم وفن اور فلسفہ وحکمت کا نکتہ ایسا نہ تھا جو اس کے علم میں نہ ہو اور جس پر وہ خود بحث اور گفتگو نہ کر سکتا ہو، اس کے علمی مذاق کے متعلق جہانگیر تزک جہانگیری میں لکھتا ہے:

> ''وبدقائق نظم و نثر چناں می رسیدند کہ مافوقے بر
> ان متصور نبود۔'' [2]

اکبر کا علمی وادبی ذوق اس قدر بلند ہو گیا تھا کہ وہ خود اشعار کہتا اور اساتذہ کے اشعار پر اصلاحیں دیتا، تاریخ فرشتہ میں ہے:

> ''اگرچہ خط سواد کامل نہ داشت اما گاہے شعر
> گفتے ودر علم تاریخ وقوفے تمام داشت و قصص ہند
> نیکو می دانست۔'' [3]

سوانحِ اکبری کا مصنف لکھتا ہے:

> ''لیکن استعداد شایستہ در ادراکِ وقائق شعر و
> انشاء کردوخود ہم سخن را موزوں می نمود۔'' [4]

---

[1] آئین اکبری، ص ۶۷ [2] تزک جہانگیری، ص ۱۵، نولکشور پریس
[3] تاریخ فرشتہ [4] سوانح اکبری، قلمی نسخہ، ص ۱۹، برٹش میوزیم

Marfat.com

محمد حسین آزاد دربار اکبری میں اکبر کے اشعار کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''اشعار جو اس کے نام پر کتابوں میں لکھے ہیں، اسی کے ہیں کیوں کہ اگر وہ ملک شاعری میں شہرت چاہتا تو شاعر ہزاروں تھے، جلدیں کی جلدیں تیار کر دیتے، لیکن جب یہی چند شعر اس کے نام پر لکھے ہیں، تو اپنی ہی طبیعت کی امنگ ہے، جو کبھی کبھی موقع پر ٹپک پڑی ہے، شاید لفظ یا لفظوں میں کسی نے اصلاح بھی کر دی ہو۔''[1]

اکبر کے وہ اشعار حسبِ ذیل ہیں:

گریہ کردم زغمت موجبِ خوشحالی شد
ریختم خونِ دل از دیدہ دلم خالی شد

رباعی

مے نازد کہ دل خون شدہ ازدوری او
من یار غمم زدستِ مہجوریِ او

در آئینہ چرخ نہ قوسِ قزح است
عکس است نمایاں شدہ از چوری او

قطعہ

دو شنبہ بکوئے می سحر وشان
پیمانہ بزر خریدم
اکنون زخمار سر گرانم
زردادم و درد سر خریدم

---

[1] دربار اکبری از محمد حسین آزاد، ص ۱۲۶

Marfat.com

مطلع

من بنگ نمی خورم می آرید
من چنگ نمی زنم نیارید
حاجی بسوئے کعبہ رو داز برائے حج
یارب بود کہ کعبہ بیاید بسوئے ما

اکبر نے بارہا اساتذہ کے اشعار پر نکتہ چینیاں بھی کیں اور نقادانِ فن نے اس کی تنقید کی داد بھی دی ایک دفعہ کسی نے فغانی کا یہ شعر پڑھا۔

مسیحا یارو خضرش ہمرکاب وہم عنان عیسےٰ
فغانی آفتابِ من بدین اعزازمی آید

اکبر نے دوسرے مصرعہ میں برجستہ اصلاح دی:

فغانے شہسوارِ من بدیں اعزازمی آید
(شعرالعجم حصہ سوم، ص ٦)

اکبر کو علم وفن سے جو خاص طبعی مناسبت تھی، اس کا اندازہ ان صحبتوں سے بھی ہوتا ہے جو اس کے دربار کا ایک ضروری جزو تھیں اور جس میں ہر فن کے اربابِ کمال جمع ہو کر مختلف مسائل پر بحث ونظر کرتے تھے اور ان میں اکبر خود برابر کا حصہ لیتا تھا، خوش قسمتی سے اس کے دربار میں ایسے اربابِ کمال جمع ہو گئے تھے جو کسی ایک عہد میں کم نظر آتے ہیں، عام طور پر لوگ اکبری عہد کی عظمت صرف سیاسی حیثیت سے جانتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ دور علمی حیثیت سے بھی کم درخشاں نہیں، یوں تو ہندوستان کی مغل حکومت کی تاریخ میں علم پروری اور علما نوازی اس حکومت کی بنیاد کے ساتھ ہی نظر آتی ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ علوم وفنون کا عظیم الشان قصر اس کم سواد فرماں روا کے عہد میں تکمیل کو پہنچا، آیندہ سطروں میں ہم ان تراجم اور تالیفات کا ذکر کرتے ہیں جو علم وفن اور عقل ودانش کے آسمان پر ستارہ بن کر چمکیں اور جن کی روشنی سے اکبر کا عہدِ سلطنت منور تھا، سب سے پہلے ہم ان تراجم کو لیتے ہیں جو اکبر کی فرمایش سے کیے گئے۔

Marfat.com

تراجم

۱۔مہا بھارت

۹۹۰ھ میں اکبر کی خواہش ہوئی کہ مہا بھارت کا فارسی ترجمہ ہو، اس کام کے لیے پہلے ہندو پنڈتوں کو جمع کیا جنھوں نے مہا بھارت کے نفس موضوع کی تشریح کی، اس کے بعد ترجمہ کا کام نقیب خان کے سپرد کیا اور اکبر نے خود کئی متواتر راتوں میں نقیب خان کو ترجمہ کی نوعیت کو سمجھایا، ملا عبدالقادر بدایونی بھی جو زبانِ سنسکرت کے ایک جید عالم تھے، اس کام پر مامور ہوئے، ملا عبدالقادر مہا بھارت کو ''مزخرفات لاطائل'' بتاتے ہیں، اس لیے بطیب خاطر اس کام کو انجام دینا نہیں چاہتے تھے لیکن شاہی حکم کی نافرمانی بھی نہیں کر سکتے تھے، چار مہینے کی کوششوں کے بعد ۱۸ ابواب (ہژدہ فن) کا ترجمہ کر سکے، بقیہ حصوں کو ملا شیری، نقیب خان اور سلطان حاجی تھانیسری نے ختم کیا، شیخ فیضی نے ترجمہ کی زبان کو سلیس اور فصیح بنانے کی کوشش کی لیکن وہ دو باب سے آگے نہ بڑھ سکا، حاجی سلطان تھانیسری نے اپنے ترجمہ پر نظر ثانی کرنا شروع کی، اس کام میں مشغول ہی تھا کہ سیاسی اسباب کی بنا پر اس کو دارالسلطنت چھوڑنا اور بھکر جانا پڑا، اکبر نے مہا بھارت کے ترجمہ کا نام رزم نامہ رکھا اور تمام معرکوں کی تصویریں بنا کر اس میں شامل کیں، ابوالفضل نے اس پر دو جزو کا خطبہ لکھا ہے [۱] جس کے آخر میں ۹۹۵ھ درج ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ کتاب پانچ سال کی مدت میں ترجمہ ہوئی یہ ترجمہ اب تک متفرق کتابوں میں پایا جاتا ہے۔[۲]

۲۔رامائن

۹۹۵ھ میں عبدالقادر بدایونی نے شاہی حکم بموجب رامائن کا ترجمہ کرنا شروع کیا اور ۹۹۹ھ میں تمام کیا، ترجمہ ایک سو بیس جزو پر مشتمل تھا، کتاب کے تتمہ پر مندرجہ ذیل شعر لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔

---

[۱] بدایونی جلد دوم، ص ۲۱ ۔ ۳۱۹

[۲] فہرست مخطوطات انڈیا آفس و برٹش میوزیم کتب نمبر ۴۰، ۵۶۳۸، بوڈلین لائبریری کتب نمبر ۱۴ ۔ ۱۳۰۶

Marfat.com

ماقصه نوشتیم به سلطان که رساند
جان سوخته کردیم به جانان که رساند

اکبر بہت محظوظ ہوا اور اس نے خواہش ظاہر کی کہ بدایونی اس کتاب کے آغاز میں کوئی فاضلانہ مقدمہ بھی تحریر کردے لیکن بدایونی نے کفر والحاد کی کتاب پر روشنی ڈالنے سے اغماض کیا[۱]، اس کتاب کے نسخے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں ۔(انڈیا آفس لائبریری نمبر ۱۹۶۳ء، بوڈلین لائبریری نمبر ۱۳۱۵)

۳۔ سنگھاسن بتیسی

۹۸۲ھ (۷۵-۱۵۷۴) میں عبدالقادر بدایونی نے سنسکرت کی مشہور کتاب سنہا سندوترنیستی کا فارسی ترجمہ کیا، اس کتاب میں ہندوؤں کے مشہور راجہ بکرماجیت (مالوہ) کے متعلق بتیس قصے ہیں، اکبر کا حکم پاکر بدایونی نے ایک برہمن کی مدد سے ان قصوں کو فارسی جامہ پہنانا شروع کیا اور اختتام پر کتاب کا تاریخی نام خرد افزا رکھا، اکبر اس کتاب کو بہت پسند کرتا تھا[۲] (بوڈلین لائبریری کتاب نمبر ۱۳۲۴)

۴۔ حیوۃ الحیوان

دمیری کی شہرۂ آفاق کتاب حیوۃ الحیوان کو شیخ مبارک نے فارسی میں ترجمہ کیا، اکبر کو نقیب خان پڑھ کر سناتا اور معنی سمجھاتا جاتا تھا، اس مشکل کو رفع کرنے کے لیے اکبر نے اس کے فارسی ترجمہ کا حکم دیا، جو شیخ مبارک کے ذریعہ سے ۹۸۳ھ میں تمام ہوا۔[۳]

۵۔ اتھربن

اکبر ہندوؤں کے علوم وفنون سے خاص شغف رکھتا تھا، چناں چہ ان کے مذہب کے معلومات حاصل کرنے کی غرض سے ان کی مقدس کتابوں کو زبان فارسی میں لانا چاہتا تھا، اتھربن

۱؎ بدایونی جلد دوم، ص ۳۶۶ ۲؎ ایضاً ص ۱۸۴
۳؎ ایضاً ص ۲۰۴

Marfat.com

کا فارسی ترجمہ اسی خیال سے اس نے کرایا، اس کی فرمایش پہلے اوس نے شیخ فیضی سے کی پھر شیخ ابراہیم سرہندی کے ذمہ یہ خدمت سپرد کی، شیخ ابراہیم نے یہ خدمت گوانجام دی مگر ترجمہ اکبر کے خاطر خواہ نہیں ہوا۔[۱]

۶۔ انجیل

عہدِ اکبری میں نصرانی مبلغین شاہی دربار میں رسوخ حاصل کر چکے تھے، اکبر نے دین مسیحی کی جزئیات اور تفصیلات سے واقفیت بھی حاصل کی اور شہزادہ مراد کو اس کی تعلیم بھی دلائی اور انجیل کا فارسی ترجمہ بھی کرایا، اس کام کے لیے ابوالفضل کو مامور کیا، جس نے ۹۸۶ھ میں اس کو انجام دیا۔[۲] انہی اسباب پر بعض خوش فہم پادریوں کا خیال ہے کہ اکبر نے دین مسیحی کو قبول کر لیا تھا۔

۷۔ تزک بابری

بابر نے اپنے حالات اور واقعات ترکی میں قلم بند کیے تھے اور تزک بابری نام رکھا تھا، اکبر کی فرمایش سے خان خانان عبدالرحیم نے اُس کا فارسی ترجمہ ۹۹۸ھ میں کیا، جس کی زبان نہایت سادہ، شُستہ اور صاف ہے۔

۸۔ لیلاوتی

فنِ حساب کی ایک مشہور کتاب ہے، اس کا ترجمہ فیضی نے کیا۔

۹۔ تاجک

علومِ نجوم میں ایک معتبر تصنیف ہے، مکمل خان گجراتی نے اس کو فارسی کا قالب پہنایا۔

۱۰۔ ہربنس

کرشن جی کی زندگی کے حالات ہیں، مولینا شیری نے اس کا فارسی ترجمہ کیا۔

۱۱۔ معجم البدان

شہاب الدین عبداللہ یاقوت بن عبداللہ حموی رومی بغدادی (متوفی ۶۲۶ھ) کی شہرۂ

---

[۱] بدایونی، جلد دوم، ص ۲۱۲ [۲] ایضاً ص ۲۶۰

Marfat.com

آفاق کتاب معجم البدان کا فارسی ترجمہ ملا احمد ٹھٹھہ، قاسم بیگ، شیخ منور اور دوسرے فضلاے روزگار نے مل کر کیا۔

۱۲۔ تاریخ کشمیر

راج ترنگنی، مصنفہ کلہانا، سلطان زین العابدین والی کشمیر کے زمانہ میں بزبانِ سنسکرت لکھی گئی تھی، اکبر نے کشمیر کے سفر میں اس کتاب کو دیکھا، اس کی خواہش ہوئی کہ اس کا فارسی ترجمہ ہو، چناں چہ مولینا شاہ محمد شاہ آبادی نے اس کام کو انجام دیا، ابوالفضل کا بیان ہے کہ اس میں کشمیر کے متعلق چار ہزار برس کا حال لکھا ہے۔[۱] اس کتاب کا فارسی ترجمہ چھپ گیا ہے۔ [۲] اس ترجمہ کا انتخاب ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی سلیس زبان میں کیا، جو شاہی کتب خانہ میں داخل ہوا۔[۳]

۱۳۔ کلیلہ دمنہ

قصہ کے طور پر حکمت عملی کی ایک مشہور سنسکرت کتاب ہے، ملا حسین واعظ نے اس کا فارسی ترجمہ کیا تھا، لیکن سخت الفاظ و استعارات سے یہ ترجمہ اس قدر پیچیدہ اور مشکل ہو گیا تھا کہ اس کا سمجھنا آسان نہ تھا، اکبر نے ابوالفضل کو حکم دیا کہ اصل سنسکرت کو سامنے رکھ کر ایسی عبارت میں ترجمہ کرو کہ اس کے پند و نصائح کو سب سمجھ سکیں۔ ۹۹۶ھ میں ابوالفضل نے اس کام کو انجام دیا، کتاب کا نام عیار دانش رکھا گیا۔[۴] کتاب کے اختتام پر ابوالفضل نے ایک خاتمہ لکھا ہے، جس میں بعض نادر معانی اور نکات بیان کیے ہیں۔ (انڈیا آفس لائبریری کتاب نمبر ۷۷۶،۷۷۷، بوڈلین لائبریری نمبر ۴۴۰۔۴۳۸)

۱۴۔ نل دومن

یہ عشق و محبت کا ایک جگر گداز قصہ ہے، ۱۰۰۳ھ میں ملک الشعرا فیضی نے خسرو کی لیلیٰ مجنوں کی بحر میں اس کو نظم کیا، اس میں چار ہزار دو سو اشعار ہیں اور قابلِ تعجب امر ہے کہ صرف پانچ

۱۔ آئینِ اکبری ص ۷۶ ۲۔ انڈیا آفس کیٹلاگ، ص ۲۰۱
۳۔ بدایونی جلد دوم، ص ۳۷۴ ۴۔ آئین اکبری ص ۷۷

Marfat.com

مہینے کی مدت میں یہ عظیم الشان کارنامہ انجام ہوا، اس کے کمال وخوبی کی داد ملا عبد القادر جو فیضی کو ہمیشہ سخت الفاظ سے یاد کرتے ہیں، اس طرح دیتے ہیں۔

"والحق مثنوی ست که درین سی صد سال مثل آن بعد از میر خسرو شاید در ہند کسی دیگر نه گفته باشد۔"[1]

۱۵۔ جامع رشیدی

۹۹۳ھ میں عبد القادر بدایونی نے عربی کی ضخیم کتاب جامع رشیدی کا فارسی ترجمہ کیا جو خزانہ عامرہ میں داخل ہوا۔[2]

۱۶۔ بحر الاسماء

ہندی افسانہ کی ایک کتاب تھی، سلطان زین العابدین نے اس کا تھوڑا سا ترجمہ کرایا تھا، نامکمل تھی، ابو الفضل کی فرمایش سے ملا عبد القادر نے اس کام کو اپنے ذمے لیا، چناں چہ ۵ مہینے میں ترجمہ کا کام ختم کیا جو ساٹھ جز میں تھا، اکبر نے خوش ہو کر دس ہزار ٹنکہ اور ایک گھوڑا انعام میں دیا۔[3]

اکبر نے نہ صرف سنسکرت کی کتابیں فارسی میں منتقل کرائیں بلکہ عربی و فارسی کی کتابوں کو سنسکرت کا قالب پہنایا، چناں چہ زیج مرزائی کا ترجمہ سنسکرت میں ہوا، اس کے ترجمہ میں میر فتح اللہ شیرازی ابو الفضل، کشن جوتشی، گنگا دھر، مہیش مہانند شریک تھے۔[4]

تصنیفات

تاریخ الفی: اکبر چاہتا تھا کہ اسلامی عہد کے ابتدائی دور سے اس کے زمانہ تک کی کوئی مفصل اور مکمل تاریخ ہو، اس کی خواہش کے مطابق نقیب خان، شاہ فتح اللہ، حکیم ہمام، حکیم علی، حاجی ابراہیم سرہندی، نظام الدین احمد، عبد القادر بدایونی، مولینا احمد ٹھٹھوی، جعفر بیگ

۱۔ بدایونی جلد دوم، ص ۳۹۶

۲۔ ایضاً ص ۳۸۴

۳۔ عبد القادر بدایونی، جلد دوم، ص ۴۰۱

۴۔ آئین اکبری، ص ۷۶

Marfat.com

اور آصف خان نے مل کر اس کام کو انجام دیا، یہ کتاب چار جلدوں میں ختم ہوئی۔ ملا عبدالقادر بدایونی تین جلدوں کا تذکرہ کرتے ہیں، مگر انڈیا آفس لائبریری میں اس کی چار جلدیں موجود ہیں۔ [1] تیسری جلد میں ۹۹۷ھ تک کی تاریخ ہے اور ۱۰۱۵ھ میں ختم کی گئی پروفیسر ڈاؤس کا خیال ہے کہ ان چاروں جلد کے علاوہ دو اور جلدیں ہونی چاہئیں [2] اس کتاب کی تدوین اور ترتیب میں جن مختلف اہلِ علم نے حصہ لیا اس کا بیان ملا عبدالقادر بدایونی اس طرح دیتے ہیں:

"دریں سال حکم فرمودند کہ چون ہزار سال از ہجرت تمام شدو ہمہ جاتاریخ ہجری می نویسند حالا می باید کہ تاریخی...... معنی ناسخ تاریخہائے دیگر باشدو نام آن را الفی نہندودر ذکر سنوات بجائے ہجرت لفظ رحلت نویسند از روز وفات حضرت ختمی پناہ صلوات اللّٰہ علیہ وسلم نوشتن وقائع عالم راتاالیوم بہ ہفت کس امر گردند چنان چہ سالِ اول رانقیب خان نویسدو دوم را شاہ فتح اللّٰہ، ہذا القیاس حکیم ہمام و حکیم علی و حاجی ابراہیم سرہندی کہ دراں ایام از گجرات آمدہ بودومیرزا نظام الدین احمد و فقیر باز ہفتہ دیگر ہمچنیں ترتیب سی و پنج سال مرتب شد، شبی بر سال ہفتم کہ فقیر در احوال خلیفہ حقانی ثانی رضی اللّٰہ عنہ نوشتہ بودم چون بقصہ تعمیر کوفہ دنباو ہدم قصر الارمارۃ کہ بواقعی مذکور بود و سبب تخریب آن و قضیہ نکاح ام

---

[1] انڈیا آفس کیٹلاگ ،ص ۴۰ [2] ایسٹ ،جلد پنجم ،ص ۱۵۷

کلثوم بنت امیر المومنین علی رضی اللّٰہ عنہما و تعین اوقات صلوات خمس و فتح شہرنصیبین و برآمدن عقارب از آنجا مثل خروسان بزرگ رسیدند، مناقشہ و مواخذہ بے حد آوردہ پیچید ند و آصف خان ثالث کہ میرزا جعفر باشد ، بدمددیہا کرد، بخلاف شیخ ابوالفضل و غازی خان بدخشی کہ ہر کدام توجیہات صحیح میکردند و چون از فقیر پرسیدند کہ اینہا راچون نوشتی ، گفتم ہرچہ در کتب دیدہ ام ایراد کردہ ام و مخترع نیستم، ہمان وقت کتاب روضۃ الاحباب و دیگر کتب سیرار خزانہ طلبیدہ ، بہ نقیب خان فرمودند کہ تحقیق نمایداوسطابق نفس الامر تصحیح نقل نمودہ، ازان گرفت و گیرہای بے محل بغایت الہی عزوجل رہائی یافتم و از سال سی و ششم حکم شد کہ من بعد ملا احمد تہتہ بکتابت تاریخ الفی منفرد و مخصوص بودہ می نوشتہ باشد و این معنی بسفارش حکیم ابوالفتح بود، اواز نہایت تعصب کہ داشت ، موافق اعتقاد وخویش ہرچہ خواست نوشت چنان چہ عیان ست و تازمان چنگیز خان آن وقائع را در دو جلد تمام کرد، تاآنکہ میرزا فولاد برلاس شبے اورابہ بہانہ طلب پادشاہی از خانہ برآوردہ در کوچۂ لاہور ، بتقریب غلوئی کہ در مذہب داشت و ازرائے کہ از ویافتہ بود ، بقتل رسانیدو بقصاص رسید و بقیہ احوال را حسب الامر

Marfat.com

آصف خان تا سال نہصد و نود وہفت نوشت و درسنہ الف فقیر را در لاہور حکم فرمودند، کہ آن تاریخ را از سر مقابلہ و تصحیح نماید و سنوات را کہ بتقدیم و تاخیر نوشتہ شدہ است، ترتیب دہدو تایکسال بااین خدمت اشتغال داشتہ دو جلد اول را مقابلہ نمودم وجلد سوم رابآصف خان گذاشتم۔‘‘[۱]

ابوالفضل نے آغازِ کتاب میں ایک مقدمہ لکھا ہے[۲] اس تالیف کی خوبی کو ایک انگریز مورخ اس طرح بیان کرتا ہے:

’’مولفین اس تالیف کی تیاری میں تمام بہترین ذرائع تصرف میں لائے ہیں کیوں کہ عربی اور فارسی کی ان تمام مشہور اور مستند تاریخ کے حوالے جن سے آج موجودہ یورپین اہلِ علم فیض حاصل کر رہے ہیں، اس تالیف میں مذکور ہیں، انھوں نے بڑی دقتِ نظر کے ساتھ مستند مواد کا انتخاب کیا ہے اور ان خرافات کو جو اکثر کتابوں میں پائے جاتے ہیں، نظر انداز کر دیا ہے‘‘۔[۳]

اکبر نامہ اور آئینِ اکبری

تیموریوں کے دربار میں تاریخ نویسی اور واقعہ نگاری کا ایک باضابطہ محکمہ تھا، اکبر نامہ اور آئینِ اکبری اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہیں، اکبر نامہ ابوالفضل کی محنت وکاوش اور انشا، کا شاہکار ہے، یہ دو حصوں پر مشتمل ہے، پہلی جلد میں بابر دہمایوں کے حالات ہیں، دوسری جلد میں اکبری حکومت کے مفصل حالات ہیں، آئینِ اکبری کو اس کی تیسری جلد سمجھنا چاہیے، یہ اس زمانہ کی تمدنی،

---

[۱] بدایونی جلد دوم ص ۳۱۹-۳۱۸ [۲] آئینِ اکبری ص ۷۷

[۳] الیٹ جلد پنجم ص ۱۵۶، انڈیا آفس کیٹلاگ نمبر ۱۱۸-۱۱۰

Marfat.com

اقتصادی، علمی اور معاشرتی معلومات اور ملکی اور جنگی تنظیم سے واقفیت حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، اکبر نامہ کے استناد کو بعض مورخین اس لیے مشکوک نظروں سے دیکھتے ہیں کہ یہ اکبر کے ایک درباری مورخ کی نگارش وتحریر ہے جس میں حد سے زیادہ خوشامد کا پہلو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

الفنسٹن لکھتا ہے کہ ''اکبر نامہ کی سند یورپ میں وقعت کی نظر سے دیکھی نہیں جاتی...... کیوں کہ ابوالفضل گو وہ ایک وسیع النظر اور غیر معمولی ذہن کا آدمی ہے پھر بھی وہ ایک وفادار درباری ہے جو اپنے آقا کی نیکیوں کو ہمیشہ اچھالتا ہے، اس کی برائیوں سے چشم پوشی کرتا ہے اور اس کے اور اس کے ہوا خواہوں کے رتبہ کو ہمیشہ بڑھانے کی کوشش کرتا ہے، اس کے سنہ و تاریخ اور واقعات کے عمومی بیانات قابلِ قدر ہیں لیکن اس کتاب کو پڑھتے وقت اس کی علانیہ طرف داری سے اپنے کو اتنا محفوظ رکھنا نہیں پڑتا، جتنا کہ وہ اپنے ممدوحین کی مدح سرائی کر کے ناظرین کی ہمدردی خواہ مخواہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور پھر بعض موقع پر بے جا اور غیر ایماندارانہ طریقہ پر ایک قصہ کہہ کر کسی سے بدظن کر دیتا ہے، حالاں کہ وہ شخص بالکل معصوم اور قابلِ معافی ہوتا ہے، اس کے بیانات گنجلک، غیر موثر، عامیانہ خیالات اور دعائیہ فقروں سے لبریز اور عموماً اپنے ممدوح کی مدح سرائی پر ختم ہوتے ہیں، وہ اکثر واقعات کو نظر انداز کر دیتا ہے یا اپنے مخصوص انداز سے غلط پیرایہ میں بیان کر جاتا ہے اور تعریف وتوصیف فتح وکامرانی کے واقعات کا تذکرہ اس غلو سے کرتا ہے کہ ناظرین نہ صرف کتاب سے بلکہ ممدوح سے بھی مکدر خاطر ہو جاتے ہیں، اس بے معنی تعریف و توصیف کے ڈھیر میں اکبر کے حقیقی اوصاف گم ہو جاتے ہیں اور پھر دوسرے مورخوں سے اس کے افعال کی نوعیت کا اس کی مشکلات اور ان ذرائع کا جن سے وہ ان مشکلات کو حل کرتا ہے، اصلی حال معلوم ہوتا ہے کتاب کا خوشامدانہ انداز (جسے ایسے آدمی نے لکھا جو اکبر کی طبیعت سے خوب اچھی طرح واقف تھا اور پھر اس کے معائنہ کے لیے پیش کی اس (اکبر) کی نخوت و کبریائی کا پتہ دیتا ہے جو حقیقتاً اس کی پسندیدہ سیرت کا تنہا داغ ہے۔''

مگر اس کا جواب ایک دوسرا یورپین مورخین اس طرح دیتا ہے ''ابوالفضل پر یورپین

Marfat.com

مصنفین خوشامد پرستی کا الزام عائد کرتے ہیں ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہ اس نے قصداً بعض واقعات کو چھپایا ہے جس سے اس کے آقا کی شہرت کو کافی نقصان پہنچا ہے مگر اکبرنامہ کا مطالعہ کیا جائے تو الزام بالکل بے بنیاد معلوم ہوتا ہے اگر اس کی تصنیف کا ہم مشرق کی دوسری تاریخوں سے مقابلہ کریں، تو پتہ چلے گا کہ وہ تعریف کرتا ہے لیکن کم اور خاص انداز اور کمال سے جو کوئی دوسرا ہندوستانی مورخ نہیں کرسکتا ہے، ملکی مورخوں میں سے کوئی اس پر خوشامد کا الزام عائد نہیں کرتا اور اگر ہم یہ ذہن نشین کرلیں کہ مشرق کی تمام کتابیں حکمراں کی رائے سے متفق اور متبع ہونا ضروری قرار دیتی ہیں خواہ وہ اچھی ہو یا بری تو پھر ابوالفضل قابلِ معافی ہے، وہ اس لیے تعریف کرتا ہے کہ اس نے حقیقتاً ایک سچا ہیرو پالیا ہے۔[1]

اسی بات کو محمد حسین آزاد اپنے مخصوص انداز میں اس طرح لکھتے ہیں ''جن لوگوں کے دماغوں میں نئی روشنی سے اجالا ہوگیا ہے، وہ اس کی تصنیفات کو پڑھ کر یہ لکھتے ہیں کہ ابوالفضل ایشیائی انشا پردازوں میں سب سے بڑا مبالغہ پرداز مصنف تھا، اس نے اکبرنامہ اور آئین اکبری کے لکھنے میں فارسی کی پُرانی لیاقت کو تازہ کیا ہے، اس نے خوش بیانی اور یادہ سرائی کے پردہ میں اکبر کی خوبیاں دکھائی ہیں اور عیب اس طرح چھپائے ہیں کہ جس کے پڑھنے سے ممدوح اور مداح دونوں سے نفرت ہوتی ہے اور دونوں کی ذات وصفات پر بٹہ لگتا ہے، البتہ بڑا علامہ، عاقل، دانا، مدبر تھا، دنیا کے کاموں کے لیے جیسی عقل کی ضرورت ہے، وہ اس میں ضرور تھی، آزاد کہتا ہے کہ جو کچھ الفاظ وعبارت کے پڑھنے والوں نے کہا یہ بھی ہے کہ لیکن وہ مجبور تھا کیوں کہ فارسی کا ڈھنگ چھ سو برس سے یہی چلا آتا تھا، اس کی ایجادوں نے بہت اصلاح کی ہے اور خرابیوں کو سنبھالا ہے، باوجود اس کے جو زبان کے ماہر ہیں اور رموز سخن کے تاڑنے والے ہیں اور کلام کے انداز اور اداؤں کو جانتے اور پہچانتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ کہا اور جس پیرایہ میں کہا، کوئی بات اٹھا نہیں رکھی، اصلِ حقیقت کو لکھ دیا ہے اور انشاء پردازی کا آئینہ اوپر رکھ دیا ہے کہ اوسی کا کام تھا، یہ بھی اسی کا کام تھا کہ سب کچھ کہہ دیا اور جن سے نہ کہنا تھا وہ کچھ بھی نہ سمجھے اور اب تک بھی نہیں سمجھتے، خوشامد

---

[1] بلاخ من تمہید آئین اکبری

Marfat.com

کی بات کو ہم نہیں مانتے، ہر زبان کی تاریخیں موجود ہیں، کون سا مورخ ہے کہ خوشامدِ شاہ اور حمایتِ قوم سے پاک ہو، وہ اپنے آقا کا ایک نمک حلال وفادار نوکر تھا، اسی کے انصاف سے اس کے خاندان کی عزت و آبرو بچی، اسی کی قدر دانی سے رُکنِ سلطنت ہو گیا، اسی کی پرورش سے تصنیفات ہوئیں اور انھوں نے بلکہ خود اُس نے صدہا سال عمر پائی، خوشامد کیا چیز ہے؟ اس کا دل تو عبادت کرتا ہوگا اور جان لوٹ لوٹ کر خاکِ راہ ہوئی جاتی ہوگی، اس نے بہت سا ادب ظاہر کیا شکریہ ادا کیا، لوگوں نے خوشامد نام رکھا۔[1]

صاحبِ مآثر الامرا ابوالفضل کے انشاء اور اکبر نامہ متعلق لکھتا ہے:

''قطع نظر از ہمہ چیز شیخ درفن انشا طرفہ سحرے بکار بردہ، باآنکہ از تکلفاتِ منشیانہ و تصلفاتِ مرتسلانہ عاری است امامتانتِ سخن و استخوان بندی کلماتِ و نشستِ مفردات و تراکیب مستحنہ و فقرات بیگانہ قسمے است کہ دیگرے رابتتع بدشواری میسر است و شاہد این مدعا تاریخ اکبری است و چون التزام نمودہ(کہ بیشتر الفاظ فارسی باشد) لہذا گفتہ اند کہ شیخ خمسہ نظامی را نثر کردہ واز کمالِ مہارتِ اوست، دریں فن کہ مطالب بسیارے بدیہی البطلان رابنا برخداوند ستائی، دربادی الرایے بہ تمہیداتے چند تحریر نمودہ کہ بے امان نظرپے بمقصودنتوان برد۔''[2]

ان تاریخوں کے علاوہ نثر و نظم کی بہت سی کتابیں اکبر کی فرمایش پر لکھی گئیں، ملک الشعر، ابوالفیض فیضی فیاضی نے نظامی کے خمسہ کی زمین میں پانچ مثنویاں لکھیں، خسرو شیریں کے مقابل

---

[1] دربار اکبری، مطبع رفاہِ عام لاہور، ص ۵۰۰ [2] مآثر الامرا جلد دوم، ص ۶۲۲

میں سلیمان و بلقیس اور لیلیٰ و مجنوں کے طرز پر نل و دمن لکھی، ان دونوں میں علحدٰہ علحدٰہ چار ہزار اشعار تھے ہفت پیکر کے وزن پر ہفت کشور اور سکندر نامہ کے جواب میں اکبر نامہ لکھی، جو پانچ ہزار پر مشتمل تھیں، مخزنِ اسرار کے مقابلہ میں مرکز ادوار لکھی، جس میں تین ہزار ابیات تھیں۔[۳]

فیضی نے کلام مجید کی ایک بے نقط تفسیر سواطع الالہام بھی لکھی، جس کے صلہ میں اکبر نے دس ہزار روپے دیئے، اس نے اخلاقیات پر ایک بے نقط کتاب سوار دالکلام بھی تالیف کی تھی۔[۴]

اربابِ کمال

اس جماعت میں سب سے پہلے ہماری نظر ابوالفیض فیضی فیاضی پر پڑتی ہے جو شیخ مبارک کا خلف اکبر تھا، اس کے علم و فضل کی شہرت نے بیس برس کی عمر میں اسے اکبر کے دربار تک پہنچا دیا، جہاں وہ چہار صدی منصب پر فائز ہوا اور جب تیس برس کا ہوا تو ملک الشعراء کے گراں بہا خطاب سے سرفراز کیا گیا، عربی، فارسی اور سنسکرت کا جید عالم تھا، اس نے ایک سو ایک کتابیں مختلف زبانوں میں تالیف کیں، اس کی اکثر تصانیف کا ذکر اوپر آ چکا ہے، اس کا علمی شغف اس قدر بڑھا تھا کہ جب وہ مرا تو اپنے کتب خانہ میں ۴۳۰۰ کتابیں چھوڑیں جو شاہی کتب خانہ میں داخل کر لی گئیں، شاعری میں یکتائے روزگار تھا، پہلے فیضی پھر فیاضی تخلص کرتا تھا، چناں چہ خود کہتا ہے:

زیں پیش کہ سکہ ام سخن بود
فیضی رقمِ نگینِ من بود

☆☆☆☆☆

اکنوں کہ شدم بعشق مرتاض
فیاضیم از محیط فیاض

اس کے قصائد، غزلیں اور مثنویاں فارسی کی بہترین نظموں میں شمار کی جاتی ہیں، اس کے اشعار کے نمونے آئین اکبری میں کثرت سے دیئے ہیں، اس کے کل کلام کی تعداد ۵۰ ہزار کے لگ بھگ ہے، اس کے دیوان کا نام طباشیر الصبح ہے۔

---

۳ مآثر الامرا جلد دوم، ص ۵۸۷ ۴ ایضاً، ص ۵۸۸

Marfat.com

اکبر کا محبوب ترین دوست تھا، اس کو ہمیشہ پاس رکھتا تھا اور اس کی ہمہ گیر قابلیت سے برابر فیض یاب ہوتا رہتا تھا، اکبر کے لڑکوں کی تعلیم اسی کے ذمہ تھی ۱۰۰۴ء میں وفات پائی، جب بسترِ مرگ پر تھا تو ایک رات اکبر کو خبر ہوئی کہ وہ عالمِ نزع میں ہے، آدھی رات گزر چکی تھی مگر اکبر اپنے محبوب دوست کے گھر پر اسی وقت شاہی حکیم لے کر پہنچا، اضطراب میں فیضی کا سر پکڑ کر بولا ''شیخ جیو، آنکھیں کھولو، بولو دیکھو حکیم علی کو ساتھ لایا ہوں، آخر بولتے کیوں نہیں ہو مگر فیضی کی زبان بند ہو چکی تھی، اکبر نے پھر جھنجھوڑا مگر اس مرتبہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی، غایتِ اضطراب اور صدمہ میں اکبر نے سر سے دستار اتار کر زمین پر پھینک دی۔[1]

فیضی کی لیاقت، قابلیت، دقتِ نظر اور جودتِ طبع کے تمام واقعہ نگار معترف ہیں، ملا عبدالقادر بدایونی اس کو عقیدے کے لحاظ سے بہت ہی سخت اور برے الفاظ سے یاد کرتے ہیں مگر جہاں اس کی علمی لیاقت کا ذکر آتا ہے، اس کی خوبیوں کی داد دل کھول کر دیتے ہیں، اس کی مثنوی نل و دمن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس قسم کی کتاب تین سو سال کے اندر نہیں لکھی گئی، ایک جگہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> ''در فنون جزئیہ از شعر و معما و عروض و قافیہ و تاریخ و لغت و طب و انشاء، عدیل درروزگار نداشت۔''[2]

صاحب مآثر الامراء اس کی قابلیت کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

> ''بدقت طبع وجودتِ ذہن از جمیع علوم بخشی وافر برداشتہ، درحکمت و عربیت بیشتر تتبع نمودہ و پر شکی دانش فراپیش گرفتۂ رنجوران تہی دست را چارہ می کرد۔''[3]

موجودہ دور کے اربابِ کمال بھی اس کے کمال کے معترف ہیں، مولانا شبلی لکھتے ہیں:

---

[1] بدایونی جلد اول، ص ۴۰۶ [2] بدایونی جلد سوم، ص ۲۹۹ [3] مآثر الامراء، ص ۵۸۵

Marfat.com

''فارسی شاعری نے چھ سو برس کی وسیع مدت میں ہندوستان میں صرف دو شخص پیدا کیے جن کو اہلِ زبان کو بھی چاروناچار ماننا پڑا، خسرو اور فیضی، مرزا صائب فیضی کی طرح پر غزل کہتے ہیں اور مقطع میں کہتے ہیں۔

این آں غزل کہ فیضی شیریں کلام گفت
در دیدہ ام خلیدۂ و دردل نشستہ

......فیضی کی خصوصیات میں سب سے بڑھ کر جوش بیان ہے، جس کا وہ موجد بھی ہے اور خاتم بھی، جوش بیان خواجہ حافظ میں بھی ہے اور اعلیٰ درجہ پر ہے لیکن رندانہ مضامین اور دنیا کی بے ثباتی کے ساتھ مخصوص ہے، فیضی کے ہاں فخریہ، عشقیہ، فلسفیانہ ہر قسم کے مضامین میں وہی جوش پایا جاتا ہے، جوش بیان اس کے ذاتی حالات کا خاص اثر ہے جو کسی اور کو نصیب نہیں ہو سکتا تھا۔''[۱]

محمد حسین آزاد گوہر فشاں ہیں کہ:

انشاء پردازی فیضی کے قلم کو سجدہ کرتی ہے، اس کے ''لطیف استعارے، رنگین تشبیہیں، بلند مضامین، نازک خیالات، فصیح زبان، لفظوں کی عمدہ تراشیں، دلکش ترکیبیں، ادائے مطلب کے انداز دیکھنے کے قابل ہیں۔''[۲]

فیضی کے بعد یکایک اس کے چھوٹے بھائی علامی فہامی شیخ ابوالفضل پر نظر پڑتی ہے، ابوالفضل نے ۱۵ سال کی عمر میں تمام علوم وفنون کی تعلیم پا کر فراغت حاصل کر لی تھی، ۱۷ سال کی عمر میں آیۃ الکرسی کی تفسیر لکھ کر اکبر کی خدمت میں گذاری، فیضی شاہی بارگاہ سے منسلک ہو چکا تھا، اس کے ذریعہ سے ابوالفضل کی لیاقت اور ذہانت اکبر کے کانوں تک پہنچ چکی تھی، چناں چہ تخت نشینی کے نویں سال ابوالفضل شاہی ملازمت میں داخل ہو گیا پھر تو شاہی جود وکرم کی بارش اتنی ہوئی کہ وہ

---

[۱] شعرالعجم حصہ سوم، ص ۴۲ [۲] دربار اکبری، ص ۳۷۱

Marfat.com

چار ہزاری منصب پر فائز ہوا اور عہدۂ وزارت پر سرفراز ہوا، وہ ایک کامیاب سیاست دان بے دار مغز مدبر اور ہوشیار سپہ سالار ہونے کے علاوہ ایک بے مثل ادیب مورخ اور شاعر تھا اور علامی کے ممتاز لقب سے ہمیشہ یاد کیا جاتا تھا، اس قابلیت اور لیاقت ہر جگہ اور ہر زمانہ میں تسلیم کی گئی، صاحب مآثر الامرا لکھتے ہیں کہ:

''بجودت طبع و رسائی فہم وعلو فطرت وطلاقت لسان در کمتر زمانے یگانہ و بے ہمتائی دقت گردید۔''[1]

اردو کا سب سے بڑا انشاء پرداز جو فارسی کا بھی مسلم الثبوت استاد تھا لکھتا ہے کہ:

''شیخ کی انشاء پردازی اور مطلب نگاری کی تعریف نہیں ہو سکتی، یہ نعمت خداداد ہے کہ خدا کے ہاں سے اپنے ساتھ لایا تھا، ہر ایک مطلب کو خوبصورتی سے ادا کرتا ہے کہ سمجھنے والا دیکھتا رہ جاتا ہے بڑے بڑے انشاء پردازوں کو دیکھو جہاں عبارت میں لطف اور کلام میں زور پیدا کرنا چاہتے ہیں تو بہار سے رنگ لیتے ہیں اور حسن و جمال سے خوبی مانگ کر کلام کو رنگین و نمکین کرتے ہیں، یہ قادر الکلام اپنے پاک خیالات اور سادہ الفاظ میں اصلی مطلب کو اس طرح ادا کرتا ہے کہ ہزار رنگینیاں ان پر قربان ہوتی ہیں، اس کے سادگی کے باغ میں رنگ آمیزی کا مصور آ کر قلم لگائے تو ہاتھ قلم ہو جائیں، وہ انشاء پردازی کا خدا ہے، اپنے لطفِ خیالات سے جیسی مخلوق چاہتا ہے الفاظ کے قالب میں ڈھال دیتا ہے، لطف یہ ہے کہ جس عالم میں لکھتا ہے نیا ڈھنگ ہے اور جتنا لکھتا جاتا ہے عبارت کا زور بڑھتا اور چڑھتا چلا جاتا ہے، ممکن نہیں کہ طبیعت میں تھکن معلوم ہو۔''[2]

ایک انگریز مورخ اس کے انشاء کے متعلق اپنی رائے یوں ظاہر کرتا ہے:

---

[1] مآثر الامراء حصہ دوم، ص ۶۰۸ [2] دربار اکبری، ص ۴۹۳

Marfat.com

''ابوالفضل کے طرز انشاء پر کسی قسم کی رائے پیش کرنا بے سود ہے، عبداللہ شاہ بخاری کہا کرتا تھا کہ وہ اکبر کو تیروں سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا کہ ابوالفضل کے قلم سے ڈرتا ہے۔ ہندوستان میں ہر جگہ وہ ایک زبردست منشی تسلیم کیا گیا ہے، اس کے مکتوبات تمام مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں، اگرچہ ایک مبتدی ان کو پڑھنے میں مشکلوں اور پیچیدگیوں سے گھبرا جاتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ انشاء کے مکمل نمونے ہیں، ابوالفضل کی کتابوں سے لطف اٹھانے کے لیے نہ صرف فارسی زبان پر کافی عبور بلکہ خود ابوالفضل کے طرزِ انشاء پر کافی مہارت حاصل کرنے کی ضرورت ہے، اس کا طرز بے مثل ہے اور گو اس کی تحریر ہر جگہ پڑھی جاتی ہے لیکن اس کا اتباع نہ کیا گیا ہے اور نہ کیا جاسکتا ہے۔''[۱]

ابوالفضل کے مختلف تراجم اور تاریخی شاہکار اکبرنامہ اور آئین اکبری کا ذکر اوپر آچکا ہے ان کے علاوہ انشائے ابوالفضل، کشکول اور جامع اللغات بھی اس کی علمی یادگاریں ہیں، انشائے ابوالفضل اس کے خطوط کا مجموعہ ہے، یہ مجموعہ اب تک مختلف مدرسوں میں فارسی کے درس میں شامل ہے۔ کشکول میں ابوالفضل کی لکھی ہوئی وہ نثر اور نظمیں ہیں، جو اس نے یادداشت کے لیے وقتاً فوقتاً لکھ لی تھیں، جامع اللغات میں وہ الفاظ مع معانی کے لکھے ہوئے ہیں جو ابوالفضل نے شاید طالب علمی کے زمانہ میں لکھے تھے۔

ابوالفضل شہزادہ سلیم کے اشارے سے بندھیل کھنڈ کے ایک زمیندار بیر سنگھ کے ہاتھوں ۱۰۱۱ھ میں قتل ہوا، جب اس حادثہ کی خبر شاہی دربار میں پہنچی تو کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اس سانحہ کی خبر اکبر تک پہنچائے، آخرکار ابوالفضل کا وکیل سیاہ لباس پہن کر دست بستہ اکبر کے حضور میں آیا، چغتائی خاندان کے کسی شہزادہ کے جب انتقال کی خبر آئی تو اس کا وکیل باپ تک اسی طرح خبر پہنچاتا تھا، ابوالفضل کے وکیل کو جب اکبر نے دیکھا تو متحیر ہوگیا، خبر جانکاہ سن کر فرطِ غم سے نڈھال ہوگیا اور بولا:

۱۔ بلاخ من، تمہید آئین اکبری

Marfat.com

"اگر شاہزادہ را داعیۂ پادشاہی بودے
مرا کشتے و شیخ رانگاہ داشتے۔"

اور پھر یہ شعر پڑھا

شیخ ما از شوق بے حد چوں سوے ما آمدہ،
زاشتیاق پائے بوسی بے سروپا آمدہ [1]

دربار اکبری کے علم وادب کے گلدستہ کا گل سرسبد عبدالرحیم خانخاناں بن بیرم خان تھا، یہ صاحبِ قلم اور صاحبِ سیف دونوں تھا۔

بیرم خاں کے تعلقات شاہی دربار سے آخر میں خواہ کیسے ہی ہو گئے تھے لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت تھی کہ وہ ہندوستان میں تیموری سلطنت کے بانیوں میں سے تھا اور اکبر کی دست گیری اور پشت پناہی اس وقت کی جب وہ مشکلوں میں گھر کر بے پناہ ہو رہا تھا، احسان شناس اکبر نے بیرم خاں کے مرنے کے بعد اس کے لڑکے عبدالرحیم کو اپنی تربیت خاص میں لیا اور اس کی پرورش اور تعلیم اپنی زیرِ نگرانی کی، جب سن شعور کو پہنچا تو خان مرزا کے خطاب سے سرفراز کیا اور پھر سپہ سالار بن کر خانخاناں ہوا [2]، ہم کو اس کے تبحر علمی، کمالِ انشا پردازی، علم دوستی اور ادب پروری پر مختصر روشنی ڈالنے کی کوشش کرنا ہے۔

علمی حیثیت سے خانخاناں کا درجہ نہایت ہی ممتاز اور بلند تھا، دنیا کی اکثر مروج زبانوں پر مہارتِ تامہ رکھتا تھا، فارسی اس کی مادری زبان تھی، اس کی فارسی نثر اپنی سادگی، شستگی اور برجستگی کے لحاظ سے اب بھی بہت مقبول ہے، تزک بابری کا فارسی ترجمہ جو اسی کے قلم کا رہنِ منت ہے، اب تک انشا کے لحاظ سے بے مثل چیز سمجھی جاتی ہے اور اربابِ ذوق اس کو بڑی دل چسپی کے ساتھ پڑھتے ہیں، اس نے اپنی فارسی شاعری کا ایک دیوان بھی مرتب کیا تھا، مگر اب وہ مفقود ہے، مآثر رحیمی میں جس کو خانخاناں کی زندگی میں عبدالباقی نہاوندی نے لکھا ہے، کثرت

[1] مآثر الامرا جلد دوم، ص ۶۱۷ [2] تفصیل کے لیے دیکھو مآثر الامرا حصہ دوم، ص ۶۹۴

Marfat.com

سے نمونے درج ہیں۔

خانخاناں کی سخن سنجی اس کمال کو پہنچی ہوئی تھی کہ مشہور ہم عصر شعرا نظیری، عرفی، شکیبی اور انیسی کے مقابلہ میں غزلیں کہتا اور سب میں ممتاز رہتا تھا، ایک بار طرح تھی، چنداست پنداست، فرزنداست، تمام شعرائے اکبری نے اس زمین پر اپنا اپنا اشہب قلم دوڑایا مگر میدان خانخاناں کے ہاتھ رہا، نظیری نے بھی اس طرح پر ایک غزل لکھی تھی، خانخاناں اور نظیری کی غزلوں کو موازنہ کرتے ہوئے مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ:

''صاحبِ ذوق سمجھ سکتا ہے کہ خانخاناں کے کلام میں جو صفائی، شستگی، دلآویزی اور سوز وگداز ہے، نظیری کی غزل اس سے بالکل خالی ہے۔''[1]

خانخاناں عربی میں بھی اعلیٰ لیاقت رکھتا تھا، نہایت دقیق، مغلق اور مشکل عربی کے معنی کو نہایت آسانی سے بیان کر دیتا تھا، ایک بار شریف مکہ نے اکبر کو خط لکھا، عبارت اس قدر مشکل تھی کہ ابوالفضل اور فتح اللہ شیرازی کو مفہوم سمجھنے کے لیے لغت کی ضرورت ہوئی، خانخانان نے اسے فوراً لیا، خط کی عبارت پڑھتا اور برجستہ ترجمہ کرتا جاتا تھا، جس کی داد تمام اہلِ دربار نے دی۔[2]

ترکی خانخاناں کی مادری زبان سمجھنا چاہئے، اس زبان میں اس کی لیاقت مسلم الثبوت تھی، ہندی زبان کا پرگو شاعر تھا اور سب سے زیادہ اسی زبان میں شاعری کی لیکن افسوس ہے کہ اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا ہے، مآثر رحیمی میں ہے۔

''در زبان ہندی ید بیضا نمودہ اند، چنداں اشعار متین و ابیات دل نشین کہ ایشاں در آں زبان دارند ہیچ یک از قول شعرائے آن زبان رانیست، دست از ثبت نمودن آنہا باز داشتہ باشعاری کہ بزبان فارسی فرمودہ اندا کتفا نمود و تجمل و انعام و احسانی کہ بشعرائے فارسی زبان نمودہ برابر آں بہندی زبانان نمودہ باشند

---

[1] شعر العجم، جلد سوم، ص ۵ [2] مآثر رحیمی، جلد دوم، ص ۵۵۶

Marfat.com

و چندان اشعار کہ آن جماعہ در مدحِ ایشان گفتہ اند فارسی گویان عشر عشیر نگفتہ اند۔"[۱]

یہی مصنف ایک جگہ لکھتا ہے کہ اکبر کو سلاطین یورپ سے برابر مراسلت کرنی ہوتی تھی، اس لیے خانخاناں کو یوروپین زبان سیکھنے کا حکم دیا، جس کو اس نے سیکھا مگر یہ معلوم نہ ہوسکا کہ کن کن زبانوں سے اس نے واقفیت حاصل کی تھی بہر حال وہ بہت سی زبانوں پر مہارت رکھتا تھا، مآثر الامرا میں ہے:

"خانخاناں در قابلیت واستعداد یکتائے روز گار بودواو عربی و فارسی و ترکی و ہندی رواں داشت، شعر خوب می فہمید و می گفت، رحیم تخلص می کرد، گویند کہ باکثر زبانہا کہ در عالم رائج است حرف می زد۔"[۲]

خانخاناں نے اپنے علمی ذوق کے نشو ونما کے لیے ایک بے نظیر کتب خانہ قائم کیا تھا جہاں زمانہ کے مشہور شعراء نے اپنے دیوان خود لکھ کر داخل کیے تھے، دربار اکبری کے اکثر باکمال اسی دارالحکمت کے تربیت یافتہ تھے، عرفی، شکیبی، حیاتی، ظہوری، ملک، قمی، نظیری، محتشم کاشی، رسمی، نوعی شیرازی وغیرہ جیسے بلند پایہ شعراء اس کی زرپاشیوں سے ہمیشہ فیض یاب ہوا کرتے تھے، اس کی علم پروری اور فیاضی کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ نوعی شیرازی کو سونے میں تلوادیا۔[۳] نظیری نے ایک بار کہا کہ اس نے ایک لاکھ روپیہ کا ڈھیر نہیں دیکھا ہے، خانخاناں نے ایک لاکھ روپیہ کا ڈھیر جمع کر کے دکھایا پھر وہ ڈھیر اس کے گھر بھجوادیا۔[۴]

ان ارباب کمال میں ملا عبدالقادر بدایونی کا درجہ علمی حیثیت سے کم ممتاز نہیں تھا، ملا صاحب ۹۸۱ھ میں شاہی دربار میں ملازم ہوئے۔[۵] عربی، فارسی، سنسکرت، تفسیر اور تاریخ کے

---

۱ مآثر رحیمی، جلد دوم، ص ۵۶۲ ۲ مآثر الامرا، جلد دوم، ص ۷۰۹ ۳ خزانہ عامرہ تذکرہ نوعی
۴ مآثر الامراء حصہ دوم ص ۷۰۹ ۵ بدایونی جلد دوم، ص ۱۷۲

Marfat.com

جلیل القدر عالم تھے، اس لیے تصنیف، تالیف اور ترجمے کے کام پر مامور ہوے، علاوہ تنخواہ کے وقتاً فوقتاً انعامات و اکرامات سے مالا مال ہوتے رہے، آواز بڑی شیریں اور دل کش پائی تھی، اس لیے شروع میں شاہی امام بھی مقرر ہوئے، ان کے مختلف تراجم اور تاریخ الفی کا ذکر اوپر آچکا ہے، ان کے علاوہ اور بھی تالیفات ہیں، نجات الرشید [۱]، کتاب الاحادیث [۲] اور منتخب التواریخ۔

ملا صاحب کی تمام تصانیف میں منتخب التواریخ نے بڑی شہرت حاصل کی ہے، یہ تین حصوں میں منقسم ہے، پہلے حصہ میں اکبر کے قبل سلاطین ہند کے کوائف ہیں، دوسرے میں اکبر کے حالات ہیں، تیسرے میں علماء، فقراء اور شعراء کا ذکر ہے، الیٹ صاحب اس تاریخ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''یہ ان چند کتابوں میں ہے جن کا ترجمہ بہت مفید ثابت ہوگا لیکن اس کے لیے فارسی زبان میں کافی مہارت حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور ساتھ ہی ساتھ ہم عصر تاریخوں سے کامل واقفیت بھی چاہئے کیوں کہ مصنف نہ صرف نامانوس الفاظ استعمال کرتا ہے بلکہ مذہبی مناظرے، تعریف و توصیف، ہجو و ذم، ذاتی اور خاندانی تاریخوں کی تفصیلات تو اس طرح بیان کرنے لگتا ہے کہ واقعات کا تسلسل قدیم نہیں رہتا اور پھر سلسلۂ تاریخ قائم کرنے میں کافی دقت ہوتی ہے لیکن ہمیں اس کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہی غیر متعلقات اس کی تصنیف کے دل چسپ حصے ہیں، بہت کم ایسے واقعہ نگار ہیں جو بدایونی کی طرح اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں، خصوصاً جو شاہی کانوں کو ناگوار ہوں یا جو اپنی غلطیوں اور لغزشوں کو اس وضاحت اور بے توجہی کے ساتھ آشکار کردیتے ہوں۔[۳]

محمد حسین آزاد جو ملا صاحب سے خوش اس لیے نہیں نظر آتے ہیں کہ وہ ان کے مدوحین کو اچھے الفاظ سے نہیں یاد کرتے ہیں، اس کتاب کی سب سے ''بڑی خوبی'' یہ بتائی ہے کہ ملا صاحب نے اس تاریخ میں غیر کی یا اپنی کوئی بات چھپائی نہیں۔[۴]

---

۱ بدایونی جلد دوم، ص ۲۰۸، اس کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ موجود ہے

۲ بدایونی جلد اول، ص ۶۰ ۳ الیٹ جلد پنجم ص ۴۸۱ ۴ دربار اکبری ص ۴۴۷

Marfat.com

اس کتاب کی صاف گوئی اور حق پسندی کے سبب جہانگیر نے اپنے زمانہ میں اس کی اشاعت بند کر دی تھی، بات یہ تھی کہ ملا صاحب بڑے راسخ العقیدہ مسلمان تھے، جس بات کو خلافِ شرع و مذہب سمجھ لیتے تھے پھر اس کے دیکھنے کے روادار نہ تھے، اکبر کے مذہبی خیالات کو نہایت شرح و بسط سے بیان کیا ہے اور جو لوگ اکبر کے خیالات میں ان تبدیلیوں کے باعث ہوئے تھے، ان کو کاذب، ملحد، کافر، ملعون، بے دین، زندیق، بدبخت کے الفاظ سے یاد کرتے اور ان تمام خیالات کو اسلام کی اہانت اور مسلمانوں کی مذلت بلکہ جان و مال کے نقصانات کا سبب قرار دیتے ہیں، اسی لیے فیضی اور ابوالفضل کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے ہیں، مگر باوجود ان کے سخت عقائد کے ان کے علمی تبحر کو سب تسلیم کرتے تھے، عظیم الشان علمی کاموں کے لیے شاہی دربار سے ہمیشہ ملک الشعراء فیضی یا علامہ ابوالفضل یا ملا عبدالقادر منتخب کیے جاتے تھے، اکثر تینوں یا ملا صاحب ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مل کر علمی کارنامے انجام دیتے تھے، فیضی ملا صاحب کی قابلیت کا بہت معترف تھا، کچھ دنوں اکبر نے ملا صاحب کی طرف سے بے التفاتی کو راہ دی تھی، اس پر فیضی نے بارگاہِ شاہی میں ایک عریضہ لکھا جس میں اکبر سے خطا پوشی اور عطا پاشی کی درخواست کی، پہلے ملا عبدالقادر کی لیاقت و قابلیت کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

"شکستہ نوازا، ملا عبدالقادر اہلیت تمام دارد و علوم رسمی انچہ ملایانِ ہندوستان می خوانند خواندہ پیش خدمت ابوی کسب فضیلت کردہ و قریب بسی و ہفت سال میشود کہ بندہ اور امی دانم و بافضیلت علمی طبع نظم و سلیقہ انشاے عربی و فارسی و چیزے از نجوم ہندی و حساب یادداشت در ہمہ وادی وقوف در نغمۂ ولایت و ہندی و خبرے از شطرنج صغیر و کبیر دارد و مشق بین بقدری کردہ باوجود بہرہ مندبودن

Marfat.com

ازیں ہمہ فضائل بہ بے طمعی و قناعت و کم تردد نمودن و راستی و درستی و ادب و نامرادی و شکستگی و گذشتگی و بے تعینی و ترک اکثر رسوم تقلید و درستی اخلاص و عقیدت بدرگاہِ بادشاہی موصوف است۔"

پھر اس کی سفارش ان الفاظ میں کرتا ہے:

"چوں درگاہ راستان است دریں وقت کہ بے طاقتی زور آوردہ بندہ خود را حاضر پایۂ سریر والا دانستہ احوال اوبعرض رسانیدا گردریں وقت بعرض نمی رسانید نوعی از ناراستی و بے حقیقتی بودحق سبحانہ بندہاے درگاہ رادرسایہ فلک پایۂ حضرت پادشاہ بر راہ راستی و حق گذاری و حقیقت شناسی قدم ثابت کرامت فرماید و آں حضرت رابر کل عالم و عالمیاں سایہ گستر و شکستہ پرورو عطا پاش و خطا پوش بہزاران بزاردولت و اقبال و عظمت و جلال دیر گاہ دارد بعزت پاکاں درگاہِ الٰہی و روشن دلان سحر خیز صبح گاہی آمین آمین۔"[1]

بعد کے اہلِ قلم نے بھی ملا صاحب کی تعریف بجا طور پر کی ہے، بختاور خاں عالمگیری مراۃ العالم میں لکھتا ہے۔

ملا عبدالقادر بدایونی جامع معقول و منقول بود و با فضیلت علمی طبع نظم و سلیقہ انشاے عربی و فارسی و نجوم و حساب و وقوف در نغمہ ولایتی و

[1] بدایونی جلد سوم ص ۵ - ۳۰۴

Marfat.com

ہندی بمرتبہ کمال داشت و قادری تخلص بود۔''

علم و ہنر کے آسمان کے ایک دوسرے درخشندہ ستارہ خواجہ نظام الدین احمد تھے، خواجہ صاحب دربارِ اکبری سے پنج ہزاری امرا میں تھے جو اس عہد کا معراج دولت تھا۔[۱] گجرات میں بخشی کے عہدہ پر مامور تھے صاحبِ ثروت وعزت ہونے کے ساتھ صاحبِ قلم بھی تھے، ۱۰۰۲ھ میں طبقات اکبری لکھی جس نے ان کو حیاتِ جاوداں بخشی، یہ کتاب ہندوستان کی اسلامی عہد کی بہت ہی جامع تاریخ ہے، مصنف نے اپنے معلومات ان تمام مستند تاریخوں سے حاصل کیے ہیں جو اس وقت ممکن صورت سے دست یاب ہوسکتی تھیں، کتاب کے آغاز میں اپنے ماخذوں کے جو نام گنائے ہیں ان کی تعداد تیں ہے، اسی لیے یہ کتاب ہمیشہ مستند تاریخوں میں شمار کی گئی ہے، ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی تاریخ منتخب التواریخ اسی کی مدد سے تیار کی، تاریخ سلاطین افغانان کے مصنف نے تو بعض بعض حصے خصوصاً ہمایوں کے حالات لفظ بہ لفظ اسی سے نقل کر لیے ہیں، فرشتہ نے اس کو ایک مکمل تاریخ بتایا ہے اور اس سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے، مآثر الامرا میں ہے:

''وچوں جزرسی و دقت در تنقیح اخبار و سعی تمام بفراہم آوردن مواد بکار بردہ و مثل میر معصوم بھکری وغیرہ اہلِ کمال دمساز تالیف آں بودہ اند، اعتبار تمام دار دوآں اول تاریخ است کہ احوال جمیع اسلام سواد اعظم ہندوستان را (کہ مساحان بسیط غبر اچاردانگ روے زمین گفتہ اند) جامع است و ماخذ صاحب تاریخ فرشتہ و تبعان او (کہ مع شے زائد نگاشتہ اند) ہمیں نسخۂ مرغوبہ است۔''[۲]

منتخب اللباب حصہ اول میں ہے:

نظام الدین ہروی کہ در جرگۂ بخشیان محمد اکبر

---

[۱] منتخب اللباب خافی خاں، جلد اول، ص ۲۳۷ [۲] مآثر الامرا جلد اول ص ۶۶۳

Marfat.com

بادشاہ در آمدہ بود تاریخی مشتمل بر ذکر تعداد سلاطین بست و یک صوبۂ دکن تالیف نمودہ مسمی بتاریخ نظامی ساختہ، در آن تا سنہ سی و ہفت بذکر لحمداکبر پرداختہ، اکثر در ذکر سلاطین دکن کلام او محل اعتماد را نشاید و سوائے قول محمد قاسم فرشتہ ہیچ مورخے بذکر سلاطین دکن نپرداختہ کہ در صحت کلام اعتبار داشتہ باشد اما چون نظام الدین عمر در رکاب و بندگی محمد اکبر بادشاہ صرف نمودہ قول او در ذکر سوانح سلطنت عرش آشیانی اعتبار تمام دارد۔''[1]

یورپین مورخوں میں یہ کتاب بہت مقبول ہے، ارسکن کا خیال ہے کہ اس زمانہ کا بہترین مورخ نظام الدین تھا، کرنل لیس کو افسوس ہے کہ اس کتاب کو اتنی مقبولیت نہیں ہوئی جتنی کہ چاہئے تھی، الیٹ لکھتا ہے کہ یہ ہندوستان کی بہت ہی مشہور کتاب ہے جو جدید طرز پر لکھی گئی ہے۔[2]

خواجہ نظام الدین کا جب انتقال ہوا تو ملا عبد القادر بدایونی نے اس طرح ماتم کیا جو ان کی مقبولیت کی دلیل ہے:

''او بزحمت تپ محرقہ در سن چہل و پنج سالگی از عالم بیوفا درگذشت و جز نام نیک باخود نبرد و خیلے از احباب و اصحاب کہ از و حسن اخلاق دیدہ امید و اریہا داشتند، خصوصاً ایں حقیر کہ جہتہ یگانگی دینی و اخلاص مبرا از اغراض دنیاوی باو داشت، اشک حسرت از دیدہ ریختہ و سنگ

---

[1] خافی خان حصہ اول، ص ۲۳۷ [2] الیٹ جلد پنجم، ص ۱۷۷

نومیدی بر سینہ زدہ عاقبت جز صبرو شکیبائی کہ
شیوۂ اصفیاو شیمۂ اتقیا است چارہ نہ دیدند وایں
واقعہ را اعظم مصائب و نوائب دانستہ عبرت کل
ازاں گرفتہ دیگردمِ صحبت با افراد انسانی نزدم و
زاویۂ خمول لازم گرفتم۔"[1]

بدایونی نے وفات کی تاریخ کہی:

گوہر بے بہاز دنیا رفت [2]

ناظرین کی تشنگی باقی رہ جائے گی اگر اس سلسلہ میں ہم میر فتح اللہ شیرازی، مولانا عبداللہ سلطان پوری اور شیخ عبدالنبی صدر الصدور کا ذکر نہ کریں گے، میر فتح اللہ شیرازی، حکمت، ہیئت، ہندسہ، نجوم، رمل، حساب، حدیث، تفسیر اور کلام کے ماہر تھے، ان کی قابلیت کے لحاظ سے اکبر نے انھیں عضد الملکی کے خطاب سے سرفراز کیا، ان کی تصنیفات، حالات کشمیر، خلاصۃ المنہج، منہج الصادقین اور زیچ جدید ہیں، ۹۹۷ھ میں وفات پائی، فرشتہ بود سے وفات کی تاریخ نکلتی ہے۔[3]

مولانا عبداللہ سلطانپوری فقہ اور تاریخ کے زبردست عالم تھے، مخدوم الملک اور شیخ الاسلام کے خطاب سے سرفراز کیے گئے، تنزیہ الانباء اور شمائل نبوی ان کی عالمانہ تصنیفات ہیں۔[4]

شیخ عبدالنبی صدر الصدور نے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ جا کر علم حدیث کی تعلیم حاصل کی، وہاں سے آئے تو اکبر نے انہیں صدر الصدور کے عہدہ پر مامور کیا، اکبر کو ان سے جو عقیدت تھی اس کا پتہ بدایونی کے ان الفاظ سے چلتا ہے:

"بادشاہ از غایت تعظیم و احترام گاہ گاہے بجہت
استماع علم حدیث بخانہ شیخ می رفتندویک دو
مرتبہ کفش پیش پاے او ہم ماندند۔"[5]

---

[1] بدایونی جلد دوم ص ۳۹۷ [2] ایضاً [3] ایضاً، جلد سوم، ص ۱۵۵
[4] بدایونی جلد سوم ص ۷۱ [5] ایضاً جلد دوم ص ۲۰۴

Marfat.com

ان کی ایک تالیف وظائف النبی صلعم کا قلمی نسخہ دارالمصنفین (اعظم گڑھ) میں ہے۔

ان مندرجۂ بالا اہلِ کمال کے علاوہ بہت سے دیگر علماء وفضلا تھے جو مختلف قسم کے علوم وفنون میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے اور دربارِ اکبری سے بسلسلۂ ملازمت یا اور کسی باعث منسلک رہتے تھے مثلاً حاجی سلطان تھانیسری، خواجہ حسن ہروی، امیر میر تقی شریفی، ملا سید سمرقندی، ملا صادق حلوائی، مرزا مفلس، حافظ تاشکندی، قاضی جلال الدین ہندی، حاجی ابراہیم سرہندی، ملا شیری سیالکوٹی، مولانا شاہ محمد شاہ آبادی، شیخ عبدالحق دہلوی، قاضی نوراللہ شوستری، سید شاہ میر سامانہ، حکیم الملک گیلانی، حکیم ابوالفتح گیلانی وغیرہ۔[1]

یہ فہرست یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی اگر اس کے ساتھ اکبری عہد کے شعراء کے نام بھی گنائے جائیں تو ناظرین صرف نام پڑھتے پڑھتے گھبرا جائیں گے، ملا بدایونی نے اس عہد کے ۱۶۶ شعرا کے حالات لکھے ہیں اور ان کے کلام کے نمونے درج کیے ہیں، جن اکبری شعرا کی فہرست ابوالفضل نے آئین اکبری میں دی ہے وہ ۵۷ ہیں، یہ وہ شعرا ہیں جنھوں نے دربار میں پہنچ کر تقرب حاصل کیا، بات یہ تھی کہ اکبر کی فیاضیاں اور زر پاشیاں سن کر ہر جگہ سے شعرا ہندوستان میں امنڈ آئے تھے، اکبر نہ صرف ان پر زرودولت کی بارش کرتا بلکہ ان کی ہمت افزائی اور قدردانی کے لیے ایک ملک الشعرا کا خاص عہدہ قایم کیا، جس پر سب سے پہلے غزالی مشہدی پھر فیضی مامور ہوئے، علاوہ غزالی، فیضی اور خانخاناں کے مندرجۂ ذیل شعرا نہایت ممتاز تھے۔

حکیم سنائی، عرفی، نظیری نیشاپوری، قاسم کاہی، شکیبی صفاہانی، محوی ہمدانی، رفیعی کاشانی، سنجر کاشی، نوعی مشہدی، بابا طالب اصفہانی، سرمدی اصفہانی، قاسم ارسلان مشہدی وغیرہ۔

اکبر کو ہندوؤں کے علوم وفنون سے جو شغف تھا وہ ظاہر ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ ہندی شاعری میں طبع آزمائی بھی کرتا تھا اور رائے تخلص رکھتا تھا، ہندو علما وفضلا کی ایک کثیر جماعت

---

[1] ان کے حالات منتخب التواریخ، بدایونی، جلد سوم میں ملیں گے۔

Marfat.com

دربار کے علم و ہنر کے دائرہ میں شامل تھی ، ابوالفضل نے شناسائے عقلی کلام '' اور دانش اندوزاں جاوید دولت '' کے عنوان سے جن ہندو فضلا کے نام گنائے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

نارائن ، مادھو بھٹ ، سری بھٹ ، بشن ناتھ ، رام بشن ، بلبھد رمصر ، باسد یومصر ، بامبن بھٹ ، بد پانواس ، گوری ناتھ ، گوپی ناتھ ، کشن پنڈت ، بھٹا چارج ، بھاگیرت بھٹا چارج ، کاشی ناتھ بھٹا چارج ، مہادیو ، بھیم ناتھ ، نرائن ، سیو جی۔

کتب خانہ

اکبر کے علمی ذوق کے سبب جو کتب خانہ قائم ہوا ، وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے عدیل تھا ، قلعۂ آگرہ میں مثمن برج کے بغل میں جو لمبا کمرہ ہے ، وہیں شاہی کتب خانہ تھا ، ہمایوں کے کتب خانہ کی جتنی کتابیں تھیں وہ وراثت میں ملیں ، اس کے علاوہ مختلف مقامات اور اشخاص سے وقتاً فوقتاً دستیاب ہوتی رہیں ، اہلِ قلم جو کتابیں لکھتے ان کا ایک نسخہ خزانہ عامرہ میں ضرور بھیجتے ، اکبر کے درباری مصنفوں کی تصنیفات ، تالیفات اور تراجم خود کثرت سے تھے ، ان کے کئی کئی نسخے شاہی کتب خانہ میں رہتے پھر اکبر کو فتوحات کے سلسلہ میں جتنی کتابیں دست یاب ہوتیں ان کو خزانہ عامرہ میں داخل کر لیتا تھا ، فتح گجرات کے زمانہ میں اعتماد خان گجراتی سے بہت سی نفیس اور نادر کتابیں حاصل ہوئیں ، ان میں سے بعض تو شاہی کتب خانہ میں داخل کر لی گئیں اور بعض اہلِ ذوق کو دے دی گئیں۔

ملا عبدالقادر بدایونی کو اس تقسیم میں انوار المشکوٰۃ کا نسخہ ملا [1] فیضی کے انتقال کے بعد اس کی تمام کتابیں شاہی کتب خانہ میں منتقل کر دی گئیں ، کتابوں کی کل تعداد ۴۶۰۰ تھی جو اکثر مصنفوں کے ہاتھ سے یا ان کے عہد کی لکھی ہوئی تھیں ، ان کتابوں کا مجموعہ تین حصوں میں منقسم تھا ، پہلے میں نظم ، طب ، نجوم اور موسیقی کی کتابیں تھیں ، دوسرے میں حکمت ، تصوف ، ہیئت ، ہندسہ کی تھیں تیسرے میں تفسیر ، حدیث اور فقہ کی تھیں۔ [2]

---

[1] بدایونی جلد دوم ص ۲۰۲ [2] ایضاً ص ۳۰۵

Marfat.com

اکبر خاص طور سے بعض کتابوں کو مصور کراتا تھا، ان میں تصویریں اور تشبیہیں بنواتا تھا، مرقعے تیار کراتا تھا اور کتابوں کی لوح پر طلا کاری کا کام بنواتا تھا، قصۂ امیر حمزہ کی بارہ جلدیں اس کی فرمائش سے مصور کی گئی تھیں اور اس میں ''استادانِ سحر پرداز کا نے ۱۴۰۰ تصویریں بنائیں، اسی طرح چنگیز نامہ، ظفر نامہ، اقبال نامہ، رزم نامہ (مہابھارت) رامائن، نل دمن، کلیلہ دمنہ اور عیار دانش نقش و نگار سے آراستہ ہوئیں۔ [۱]

یہاں پر بے محل نہ ہوگا اگر دربار اکبری کے ان خطاطوں اور خوشنویسوں کا تذکرہ کیا جائے جنھوں نے شاہی کتب خانہ کی زینت اپنے کمالِ فن سے بڑھائی اور جن کی قدر دانی اکبر نے جاگیر، منصب اور خطابات دے کر کی۔

۱۔ ملا محمد حسین کشمیری، نستعلیق کے استاد تھے، اکبر نے زریں رقم کا خطاب دیا تھا، ابوالفضل ان کو جادو رقم لکھتا ہے۔ [۲]

۲۔ خواجہ عبدالصمد شیریں رقم، خواجہ نظام الملک وزیر شاہ شجاع شیرازی کے بیٹے تھے، ہمایوں کے دربار میں خوشنویس تھے، نستعلیق کے استاد اور مصور تھے، اپنے فن کی مہارت کے لحاظ سے شیریں قلم کہلاتے تھے، اکبر کے عہد میں چہار صدی منصب عطا ہوا اور فتح پور سیکری کے ٹکسال کے افسرِ اعلیٰ مقرر ہوئے، خشخاش کے دانے پر سورہ اخلاص لکھی تھی۔ [۳]

۳۔ میر معصوم قندہاری اکبری دور کے مشہور خطاط ہیں، فتح پور سیکری کی اکثر عمارات پر ان کے کتبے کندہ ہیں۔

۴۔ حسین بن احمد چشتی یہ بھی اس دور کے عربی کے باکمال خطاط تھے، فتح پور سیکری کے بلند دروازے کے پیش طاق کی محراب کے اوپر ابھرے ہوئے حروف جو عربی کتبہ ہے وہ انہی کے کمال کا نمونہ ہے۔

---

[۱] آئین اکبری ص ۷۶ [۲] آئین اکبری، ص ۷۶ و تذکرہ خوشنویساں، ص ۷۹

[۳] ایضاً، ص ۷۷، مآثر الامرا جلد دوم

Marfat.com

خط نستعلیق کے دوسرے باکمال اساتذہ مولانا میر علی ہروی، مولانا جعفر تبریزی، مولانا اظہر مولانا محمد اوبہی، مولانا سلطان علی مشہدی، میر حسن کلنگی، مولانا عبدالرحیم، میر عبداللہ نظامی وغیرہ تھے، خط تعلیق کے ماہروں میں مولانا عبدالحیٔ، منشی ابوسعید مرزا، مولانا ابراہیم استرابادی، منشی محمد جمال الدین قزوینی وغیرہ تھے، اکبر کا میر منشی اشرف خاں اس خط کے لکھنے میں یدِ طولیٰ رکھتا تھا۔ ۱

ان خوش نویسوں کے علاوہ بہت سے ایسے خطاط تھے جو دوسرے رسم الخط مثلاً ثلثت، توقیع، محقق، نسخ، ریحان، رقاع اور غبار کے لکھنے میں بہت مشتاق تھے۔ (دیکھو آئین اکبری، ص ۵۷)

مدارس

اکبر نے تعلیم کی نشر و اشاعت کے لیے متعدد مدارس قایم کیے، آگرہ میں ایک مدرسہ قایم کیا جس میں تعلیم و تعلم کے لیے چلپی بیگ نام ایک عالم کو شیراز سے بلایا۔ (اکبر نامہ دفتر اول) فتح پور سیکری میں پہاڑی کے اوپر ایک بہت بڑا مدرسہ قایم کیا جس کے مقابلہ میں کوئی سیاح کسی دوسرے مدرسہ کا نام نہیں بتا سکتا تھا ۲، ان تعلیم گاہوں کے علاوہ بہت سے ایسے مدارس تھے جن کو امراء اور اشخاص نے قایم کیے (مثلاً قایم بیگم کا مدرسہ دہلی میں جو خیر المنازل کے نام سے موسوم تھا، ابوالفضل کا مدرسہ جو فتح پور سیکری میں واقع تھا، پھر عبدالرحیم خانخاناں کے مختلف مدارس) ان کے ماسوا بہت سے معلمین اور علماء اپنے اپنے مقامات پر علوم وفنون کی ترقی اور افراد قوم کی تعلیم و تربیت میں مصروف تھے اور ان کی اعانت شاہی دربار سے برابر ہوتی رہتی تھی، تاریخ بدایونی میں ان مدرسین کی تفصیلات درج ہیں ہم طوالت کے خیال سے نظر انداز کرتے ہیں۔

مگر جو چیز اس سلسلہ میں قابلِ غور ہے وہ یہ ہے کہ اکبر نے بچوں کی تعلیم کے لیے

ا آئین اکبری، ص ۵۷ ۲ آئین اکبری، ذکر دارالخلافہ صوبہ آگرہ

Marfat.com

بعض ایسے طریقے ایجاد کیے تھے جو آج ابتدائی تعلیم کے جدید طریقوں کے بالکل مشابہ تھے، فارسی حروف بچوں کے ذہن نشین کرانا آسان نہیں خصوصاً ہندو بچوں کے لیے اور دشواریاں تھیں کیوں کہ ان کی تمام تحریریں بائیں سے داہنے جانب لکھی جاتی تھیں، چناں چہ حرف آموزی کے طریقہ کو سہل بنانے کے لیے اکبر نے ہدایت دی کہ اولاً استاد بچوں کو مفرد حروف پہچنوائے پھر اعراب اور مرکب حروف، پھر چھوٹے چھوٹے جملے، اس کے بعد اشعار اور طویل عبارت، یہ طریقۂ تعلیم کامیاب ثابت ہوا اور لڑکے جو برسوں میں سیکھتے وہ چند مہینوں میں حاصل کر لیتے، آئین اکبری کی عبارت ہے۔

"بفرمودۂ گیتی خداوند حروب اتبث (ا ب ت ث) رابر نویسند و دیگر گون پیکررا بد انساں نگارند، نخست بصورت و نام آشنا گردند و دوروز بیش نکشند کہ از نقوش حروف پیوستہ آگہی برگیرو وچوں ہفتہ بدیں دریافت تنومندی یا بدولختی نظم و نثر آشنا رودر نیایش ایزدی و اندرز گزاری جدانگاشتہ در آموزندو کوشش رود کہ ہر یک راخود بشناساند واند کے استاد دستگیری کندوچندے ہر روز یک مصرع یایک بیت بانجام رساند، در کمترزمانے سواد خوانی روشنی پذیرد و آموزگار ہر روز از پنج چیز آگہی برجوید شناسائی حروف الفاظ، مصرع، بیت پیشین خواندہ بدیں روش انچہ بسالہا آموختی بماہ بل بروز کشید جہانی بشگفت درآمد۔[1]

[1] آئین اکبری، ص ۱۴۳

ابوالفضل نے ان مختلف علوم وفنون کی فہرست بھی دی ہے، جو اس زمانہ میں پڑھائے جاتے تھے اور وہ حسب ذیل ہیں، اخلاق، حساب، سیاق، فلاحت، مساحت، ہندسہ، نجوم، رمل، تدبیر منزل، سیاست، مدن، طب، منطق، طبیعی، ریاضی، الٰہی تاریخ، بیاکرن، بیدانت، پاتنجل یہ گویا اعلیٰ تعلیم کا نصاب تھا۔[1]

مئی، جون ۱۹۳۶ء

[1] آئین اکبری، ص ۱۴۳

Marfat.com

جہانگیر کا علمی ذوق

جہانگیر دعاؤں سے پیدا ہوا۔ حوصلوں اور تمناؤں میں پلا اور ناز و نیاز کے ساتھ بڑھا۔ ہوش سنبھالا تو اپنے کو علم وکمال کے گہوارہ میں پایا۔ جب چار سال چار مہینے اور چار روز کا ہوا، تو علم پرور باپ نے اس کے رسم مکتب کی تقریب انجام دی اور ملک الشعراء فیضی اور مولینا میر کلاں ہراتی کو اس کی تعلیم کے لیے مامور کیا۔ قطب الدین خان آنکہ اور عبدالرحیم خان خاناں اس کے اتالیق مقرر ہوئے۔ ایسے استادوں اور اتالیقوں کے فیضِ تعلیم کا جو خوش گوار نتیجہ ہونا چاہئے تھا وہ ہوا، وہ علم وسخن کے آسمان پر ماہتاب بن کر چمکا۔

عبدالرحیم خانخاناں سے اس نے ترکی زبان سیکھی۔ وہ خود لکھتا ہے کہ ''باوجودیکہ میں نے ہندوستان میں پرورش پائی ہے، لیکن ترکی زبان کے بولنے اور لکھنے سے عاری نہیں ہوں۔'' تزک بابری کے آخر میں کچھ اجزا ترکی زبان میں لکھ کر اضافہ کیے ہیں۔

فارسی زبان کا وہ ایک بے مثل انشا پرداز تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کا علمی شاہکار خود اس کی تزک ہے، جو سادگی، صفائی، بے تکلفی، بے ساختگی اور قادرالکلامی کے لحاظ سے بے عدیل ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ واقعات کو ایسے بے تکلف، برجستہ اور دلآویز طریقہ سے ادا کرتا ہے کہ بڑے بڑے انشاء پرداز نہیں کر سکتے۔ وہ جب کسی جنگ کی ہنگامہ آرائیوں کی تصویر کھینچتا ہے، تو ہم میدانِ کارزار میں کھڑے نظر آتے ہیں، جب کسی جشن کی چہل پہل یا شبستانِ عیش کا نقشہ کھینچتا ہے، تو آنکھوں کے سامنے اس کی ساری رنگینیاں اور سرمستیاں پھر جاتی ہیں۔ جب وہ کسی علمی مسئلہ پر نکتہ سنجی کرتا ہے، تو مسئلہ کے ہر پہلو کو نمایاں کر دیتا ہے، جب وہ کسی مقام کا ذکر کرتا ہے، تو ایک محقق جغرافیہ دان کی طرح اس کے متعلق سارے معلومات فراہم کرتا ہے۔ ب وہ ایک شہر کی تاریخ اور وہاں کے لوگوں کے رسوم وعادات کو تحریر کرتا ہے، تو وہ ایک مورخ کی شان

Marfat.com

میں نظر آتا ہے، وہ جب پھولوں، پھلوں، پرندوں اور جانوروں کی جزوی تفصیلات کو بیان کرتا ہے، تو نہ صرف زبان کا لطف قائم رکھتا ہے، بلکہ نباتات اور حیوانات کے ماہر ہونے کا ثبوت بھی دیتا ہے۔ یہاں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۶۱۲ء میں عثمان خان افغانی نے بنگالہ میں بغاوت کا علم بلند کیا، اس کے استیصال کے لیے جہانگیر نے شاہی لشکر بھیجا، اس جنگ کی جو قلمی تصویر اس نے کھینچی ہے، وہ یہ ہے۔

''در کنار نالہ کہ زمین آن تمام چہلہ ودلدل بود، جائے جنگ قرار داد، روز یکشنبہ ۹ محرم شجاعت خان ساعت جنگ اختیار نمودہ افواجِ قاہرہ را مقرر ساخت کہ ہر یک بجاو مقام خودرفتہ آمادۂ جنگ باشذ، عثمان دران روز قرار جنگ باخود ندادہ بود، چوں شنید کہ لشکر ہائے بادشاہی مستعد گشتہ آمدہ اند، ناچاراوہم سوار شدہ بہ کنار نالہ آمد و سوارو پیادۂ خودرا در برابر افواجِ منصورہ بازداشت، چوں ہنگامہ جنگ گرم گشت و فوج بہ فوج رو بروئے خود متوجہ گردید، دریں مرتبہ اول آن جاہل خیرہ سرفیل مست جنگی خود را پیش انداختہ برفوج ہر اول می تازد، بعد از زدو خورد بسیار از سرداران ہر اول سید اعظم بارہہ و شیخ اچھے بدرجۂ شہادت می رسند سردار بر انغار افتخار خان ہم درستیز و آویز تقصیر نہ کردہ جانِ خودر انثارمی نماید و جمعے کہ با اوبودند، آنقدر تلاش می کنند، کہ پارہ پارہ می شوند۔ ہمچنان گروہ جر انغار کشور خان داد مردی و مردانگی دادہ خود رافدائے کار صاحب می سازد باآنکہ تیرہ بختان نیز بسیار زخمی و کشتہ شدہ بودند، آن مدبر

Marfat.com

حساب لشکریان را از روئے دانستگی و فہمیدگی بخا طرمی آورد و شخص خودمی ساز د که سردارانِ ہر اول و برانغار و جرانغار کشته شدند، ہمیں قول مانده از کشته شدن و زخمی گشتن جمعیت خود پر وانکر ده درہمان گرمی بر قول می تازه درین جانب پسر و برداران و خویشان شجاعت خان و دیگر بنده ہا راه بران گمراہان گرفته بر مثال شیران و پلنگان به پنجه و دندان تلاش می کردند ، چناں چه بعضے درجۂ شہادت یا فتند و جمعی که زنده ماندند زخمہائے منکر برداشتند، درین وقت فیل مستی گجپت نام که فیلِ اولِ او بوده بر شجاعت خان می دواند ،شجاعت خان دست بر برچھ برده برفیل منیر ند آنطور فیل مستی را از برچھ چه پروا است ،دست به شمشیر برده دو شمشیر پے در پے می زند ، ازان ہم چه محابا بعد ازان جمدھر کشید و جمدھرمی رساند ، بآن ہم برنمی گردر و شجاعت خان را با اسپ زبرمی کند، بمجرداز اسپ جدا شدن جہانگیر شاه گفته برمی جہدو جلو دار او شمشیر دو دستی بردستہاے فیل رسانیده چون فیل به زانو درمی آید ، اتفاقاً جلود ارفیلبان راز بالائے فیل بزیرمی کشد، وبہمان جمدھر که در دست داشت ، درین پیادگی به نوعے بر خرطوم و پیشانی فیل می زند ، که فیل از الم آن فریاد زنان برمی گردد ، چون زخمہا بسیار داشت به فوج خودر سیده فی افد۔وا سپ شجاعت خان سالم برمی خیزد و در حینے که سوار می

Marfat.com

شد، آن مخذولان فیل بر علمداراوسی دوانند و علم اور ابا اسپ زیرسی کنند و از آنجا شجاعت خان نعرۂ مردانہ بر کشیدہ علمدار را خبرسی ساز دو سی گوید کہ مردانہ باش من زندہ ام ودر پائے علم درین وقت تنگ ہر کس از بند ہائے درگاہ جاضر بودند ، دست بہ تیر و جمدھر و شمشیر بردہ بر فیل سی دوند و شجاعت خان ہم خود را رسانیدہ ، بہ علمدار ، نہیب سی دہد کہ بر خیزد اسپ دیگر بجہت علمدار حاضر ساختہ او راسوارسی ساز د و علمدار علم بر برافراختہ برجائے خود سی ایستد در اثنائے این گیردو ار تفنگی بر پیشانی آن مقہورسی رسد کہ زنمندۂ آنرا ہر چند تفحص کردند ، ظاہر نہ شد بہ مجرد رسیدن ایں تفنگ ازان گرمی باز آمدہ سی داند ، کہ ازین زخم جان بری نیست ، تا دوپہر ہم باوجود چنین زخمی سنکر سردم خودرا بہ جنگ ترغیب سی نمود و معرکہ قتال و جدال گرم بود، بعد بعد ازاں غنیم رو گردانید و افواجِ قاہرہ سر در پے آنہاسی نہند و زدہ زدہ آن مخذولانِ را در محلے کہ دائرہ کردہ بوند ، درسی آورند، آن مخذولان بہ تیروتفنگ سردم رانگاہ داشتہ ، نمی گذارند کہ سردم بادشاہے بجا و مقام آنہا در آیندہ چوں ولی بردار عثمان و ممریز پسر او و دیگر خویشان و نزدیکان اوبر زخمِ عثمان مطلع سی شوند بخا طرسی گزرانند کہ ازین زخم خود اور اخلاصی میسر نیست ، اگر ما ہمچنیں شکستہ و ریختہ بر قلعہ خود ردیم یك

Marfat.com

کس زنده نخواہد رسید ، صلاح در نیست که امشب
که در ہمین جا که دائره کرده ایم بمانیم و آخر شب
فرصت جسته ، خودرا به قلعه خود رسانیم دو پہر از
شب گذشته عثمان بجہنم واصل می گردد ......"[۱]

وہ عیش ونشاط کی بزم کی تصویر بھی اسی جوش وخروش کے ساتھ کھینچتا ہے۔ تخت نشینی کے بعد پہلے نوروز کے جشن کا مرقع اس طرح سج کر تیار کرتا ہے۔

"شب سه شنبه یاز دہم ذی قعده ۱۰۱۴ھ ہزار و
چہارده صبح که محل فیضان نورست حضرت
نیراعظم از برج حوت بخانه شرف و خوش حالی خود
که بربرج حمل باشد ، انتقال فرمود چون اولین نوروز
از جلوس ہمایون بود ، فرمودم که ایوانہائے دولت
خانه خاص و عام بدستوو زمان والد بزرگوارم در
اقمشه نفسه گرفته ، آئینے در غایت زیب و زینت
بستند واز روز اول نوروز تا نوزدہم ، درجۂ حمل که
روز شرف است خلایق داد عیش و کامرانی دادند
اہلِ ساز و نغمه از ہر طائفه و ہر جماعت جمع بودند،
لولیان رقاص و دلبرانِ ہند که بر کرشمه دل از فرشته
می ربودند ، ہنگامۂ مجلس را گرم داشتند ، فرمودم
که ہر کس کیفیات و مغیرات انچه می خواسته باشند،
بخورد ، منع و مانعی نه باشد"۔

---

۱ تزک جہانگیری ،ص ۴-۱۰۳ ۔ نولکشور پریس

Marfat.com

ساقی بنور بادہ بر افروز جامِ ما
مطرب بگو کہ کار جہان شد بکامِ ما [1]

سنِ جلوس کے بارہویں سال میں شعبان کی چودہویں تاریخ کو نور جہاں نے ایک مجلسِ جشن ترتیب دی۔ اس کا حال جہانگیر اس طرح لکھتا ہے:

"آخر ہائے روز پنجشنبہ بست و ششم موافق چہاردہم شہر شعبان کہ شب برات بود، دریکے از منازل و عمارات محلِ نورجہاں بیگم کہ درمیان تالا بہائے کلان واقع است، مجلسِ جشن نمودم وامرا و مقربان را درین مجلس کہ ترتیب دادہ بیگم بود طلب داشتہ، حکم کردم کہ بمردم پیالہ واقسام مکیفات بہ متقضاے خواہش ہر کس بدہند، بسیارے پیالہ اختیار نمودند، فرمودم کہ ہر کس کہ پیالہ بخورد بہ مثل منصب و حالتِ خود نشیند و اقسام کبابہا و میوہ ہا بطریقِ گزک مقررشد کہ در پیش ہر کس بنہند، عجب مجلسے منعقد گشت، در آغاز شام براطراف تال و عمارات فانوسہاوچراغا روشن ساختہ، چراغہائے بہم دست داد، کہ تا ایں رسم را معمول ساختہ اند، شاید در ہیچ جا، مثل این چراغانے نشدہ باشد، جمیع چراغہا و فانوسہا عکس در آب انداختہ بنوعے بہ نظر درمی آمد، کہ گویا تمامم صحن این تالاب یك میدان آتش است، بسیار شگفتہ مجلسے گذشت و پیالہ

[1] تزک جہانگیری، ص ۲۳

Marfat.com

خواران زیادہ از حوصلہ طاقت پیالہا تناول نمودند ''۔

دل افروز بزمے شد آراستہ — بخوبی بدانسان کہ دل خواستہ
فگندند درپیش این سبز کاخ — بساطے چو میدان ہمت فراخ
زبس نگہت بزم می رفت دور — فلک نافہ مشک بود از نجور
شدہ جلوہ گر نازنیان باغ — رُخ افروختہ ہریکے چون چراغ[1]

وہ دقیق فلسفیانہ اور مذہبی مسائل کو اس سادگی، اختصار اور حسن و خوبی سے ذہن نشین کرتا ہے کہ دوسرے اہلِ قلم شاید متعدد صفحات کے سیاہ و سپید کرنے کے بعد بھی ویسی کامیابی حاصل نہیں کرسکتے۔ وہ ہندو پنڈتوں کو بتانا چاہتا ہے کہ حق تعالیٰ کی ذاتِ مقدس ''جسم و چون و چگونگی سے منزہ'' ہے چناں چہ لکھتا ہے۔

''روزے از پنڈتان کہ عبارت از دانایان ہنودست پر سیدم کہ اگر منتہاے دین شما بر فرود آمدن ذات مقدس حق تعالیٰ ست دردہ پیکر مختلف بطریق حلول آن خود نزدارباب عقل مردوداست واین مفسدہ لازم دارد، کہ واجب تعالیٰ کہ مجرد از جمیع تعینات ست صاحبِ طول و عرض و عمق بودہ باشد واگرمراد ظہور نور الٰہی است درین اجسامِ آن خود درہمہ موجودات مساوی است وباین دہ پیکر مختص نیست و اگر مراد اثبات صفتے از صفات الٰہی ست، درین صورت ہم تخصیص درست نہ زیرا کہ درہردین و آئین صاحبان معجزات و کرامات ہستند کہ از دیگر مردمان زمان خود بدانش و فراست ممتاز بودہ اند، بعد از گفت و

---

[1] تزک جہانگیری ص ۱۹۱۔ نولکشور پریس

Marfat.com

شنودِ بسیار و ردوبدل بے شمار بخدائی خدائے منزہ از جسم و چون و چگون معترف گشتند و گفتند کہ چون اندیشہ مادر ادراک ذات مجرد ناقص است، بے وسیلہ صورت راہ بہ معرفتِ اونمیِ بریم و این دہ پیکررا وسیلۂ شناخت و معرفتِ خود ساختہ ایم، پس گفتم این این پیکر ہائے شمارا وحیلۂ مقصود بہ معبود تو انند بود"۔[1]

وہ جب پھولوں کا ذکر کرنے لگتا ہے، تو نباتات کے طالب العلم اپنی واقفیت میں نئے معلومات کا بیش قیمت اضافہ کرسکتے ہیں۔ آگرہ کے شاہی باغ گل افشاں کے پھولوں کا ذکر اس طرح کرتا ہے۔

"اوّل گل چنپہ گلی ست در نہایت خوشبوئے و لطافت بہیات گل زعفران لیکن رنگ چنپہ زرد مائل بسفیدی ست، درخت آن در غایت موزونی ست و کلان و پر برگ و شاخ و سایہ دار، در ایام گل یک درخت باغے راعطر دارد وازان گذشتہ گل کیوڑہ است کہ بہیئت و اندام غیر مکرر است، بوئے او درتندی و تیزی بدرجۂ ایست، کہ ازبوے مشک ہیچ کمی نہ دارد دیگر رائے بیل کہ در بو از عالم یاسمن سفید است، غایتاً برگہایش دوسہ طبقہ برروے ہم واقع شدہ، دیگر گل مولسری است کہ درخت آن نیز بسیار خوش اندام و موزون و سایہ دار است و بوئے گل آن در نہایت سلایمت دیگر گل سیوتی کہ از

[1] تزک جہانگیری، ص ۱۵

عالم گل کیوڑه است ، غایتاً کیوڑه خاردار است ، دسیوتی خارنه دارد ، رنگ آن بزردی سائل است و کیوڑه سفید رنگ ست ازیں گلہا و از گل چنبیلی که یاسمن سفید ولایت ست ، روغنہاے خوشبوسی سازند "۔

جانوروں کی تصویر جب وہ کھینچتا ہے، تو وہ اتنی صاف اور واضح ہوتی ہے۔ کہ علم الحیوانات کے ماہرین اس سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں ۱۰۲۱ھ میں مقرب خان کھمبائت سے ایک عجیب وغریب جانور ساتھ لایا۔ اوس کا بیان جہانگیر اس طرح دیتا ہے، جو انشا پردازی اور لطافت بیان کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

"یکے از جانوران درجثه از طاؤس ماده کلاں تر و از نر فی الجمله خوردتر گاہے که در مستی جلوه نماید ، غم خودرا و دیگر پر ہارا طاؤس آسا پریشاں می سازد و برقص درمی آید ، سر و گردن وزیر حلقوم او ہر ساعت برنگے ظاہرمی گردد ، وقتیکه درمستی ست سرخ سرخ است ، گویا که تمام رابه مرجان مرصع ساخته اند و بعد زمانے ہمیں جاہا سفیدمی شود و به طریق پنبه به نظر درمی آید ، بو قلمون آسا ہر زمان برنگے دیگر دیده می شود و دوپارچه گوشتی که برسردارد ، به تاج خروس مشابه است ، غریب این است که درہنگامِ مستی پارچۂ گوشت مذکور بطریق خرطوم از بالائے سر او ، تایك وجبِ می آویزد وباز که آنرا بالامی کشد ، چوں شاخ کرگدن برسرِ اوبقدار دو انگشت نمایاں می

Marfat.com

گردد، اطراف چشمِ او ہمیشه فیروزه گون ست"۔[1]

جہانگیر جب کسی جگہ کے کیف پرور اور خمار آگین مناظر سے متاثر ہوتا تھا، تو اپنی کیفیات وجذبات کو اسی انداز سے تحریر میں لاتا تھا۔ کشمیر کو دیکھ کر مست ہو جاتا ہے اور پھر لکھتا ہے۔

"کشمیر باغے است ہمیشه بہار یا قلعه ایست آہنیں حصار بادشاہاں راگلشنے است عشرت افزا دور ویشان راخلوتکدۂ دلکشأ چمنہاے خوش و آبشارہاے دلکش از شرح و بیان افزون، آبہاے رواں و چشمه سارہاے از حساب و شمار بیرون، چند انکه نظر کار کند سبزه است و آب رواں، گلِ سُرخ و بنفشه و نرگس خود رو صحرا صحرا انواع گلہا و اقسام ریا حین ازاں بیشتر است که بشمار درآید، در بہار جاں نگار کوه ودشت ازا اقسام شگوفه مالا مال درو دیوار و صحن و بام خانہا از مشعل لاله بزم افروز و چلکہاے مسطح و سه بر گلہائے مبروج را چه گوید:

شده جلوه گرناز نینانِ باغ ۔ رخ آراسته ہریکے چون چراغ
شده مشك بوغنچه در زیر پوست ۔ چون تعویذ مشکیں ببازدے دوست
غزل خوانی بلبلِ صبح خیز ۔ تمنائے مے خوار گان کرده تیز
بہر چشمه منقار بط آب گیر ۔ چو مقراض زریں بقطعِ حریر
بساطِ گل و سبزه گلشن شده ۔ چراغ گلِ از بادروشن شده
بنفشه سر زلف را خم زده ۔ گره در دل غنچه محکم زده[2]

[1] تزک جہانگیری بحوالہ مقالات شبلی تنقیدی جلد چہارم، ص۸۴۔۸۵ [2] تزک جہانگیری، ص۳۰۲

Marfat.com

جب وہ سوگوار اور مغموم ہوتا ہے، تو اسی دردناک پیرایہ میں اپنے غم کا اظہار کرتا ہے خسرو کی ماں باغیانہ اور ناشایستہ حرکتوں سے عاجز آ کر افیون کھا لیتی ہے، اس کی موت پر جہانگیر جس طرح ماتم کرتا ہے، وہ ملاحظہ ہو:

"از خوبی ہاونیکذاتی ہائی اوچہ می نویسم عقلے به کمال داشت و اخلاص اوبه من در درجه بود که ہزار پسر و برادر را قربان یك موے من می کردبکر ربه خسرو مقدمات نوشت و اور ادلالت به اخلاص و محبت من می کرد ، چون دید که ہیچ فائده ندارد ...... از غیرتے که لازمۂ طبیعت راجپوتانی است ، خاطر برمرگ خود قرار داده ...... روز بست و ششم ذی الحجه ۱۰۱۳ھ افیون بسیار در عین سوزش دماغ خورده دراندك زمانے در گذشت ...... از قوت او بنا بر تعلقے که داشتم ، ایامے برمن گذشت ، که از حیات و زندگانی خود ہیچ گونه لذتے نه داشتم چهار شبانه روز که سی دوپہر باشد از غایت کلفت و اند وه از ماکول و مشروب دارد طبیعت نه گذشت ،چون این قصه به والد بزرگوارم رسید دلاسانامه درغایت شفقت و مرحمت بدیں مرید فدوی صادر گشت و خلعت ودستار مبارك که از سر برداشته بودند ، ہمان طور بسته به جهت من فرستادند ، ایں عنایت آبے بر آتش سوز و گداز من زده اضطراب و اضطرار سرافی الجمله قرارے وآرامے بخشید "[1]

---

[1] تزک جہانگیری۔ ص ۲۷

جہانگیر کی یہ قادرالکلامی صرف نثر ہی تک محدود نہیں تھی، بلکہ اس کی نکتہ سنج اور سخن شناس طبیعت میں شعروشاعری کا بھی اعلیٰ ذوق تھا۔ بقول مولانا شبلی ''سلسلۂ تیموریہ میں یوں تو ہر فرماں روا سخن فہم واداشناس گذرا ہے، لیکن جہانگیر اس فن میں اجتہاد رکھتا تھا۔ وہ فطرۃً محبت کیش تھا اور ازل سے دردمند دل لے کر آیا تھا۔ اس کا اثر اگرچہ اوس نے آئین ونظامِ سلطنت میں چنداں نمایاں نہ ہونے دیا، یہاں تک کہ تزک میں نور جہاں کا جہاں جہاں ذکر آیا۔ مطلق نہیں معلوم ہوتا کہ یہ نام اس کی زبان سے لذت لے کر نکلتا ہے۔ تاہم عشق اس کا خمیر تھا اور چوں کہ فیضی کا شاگردِ رشید تھا۔ اس لیے شعروشاعری کا نکتہ داں اس سے بڑھ کر کون ہوسکتا تھا'' (شعرالعجم حصہ سوم، ص ۱۶۵)۔

وہ خود شاعر تھا چناں چہ مندرجہ ذیل اس کی ایک غزل ہے، جو سلاست اور رنگینیِ بیان کے لحاظ سے خوب ہے۔

من چون کنم کہ تیرِ غمت برجگر رسد ۔ تا چشم نا رسیدہ د گربر د گر رسد
مستانہ می خرامی ومست تو عالمی ۔ اسپند می کنم کہ مبادا نظر رسد
دروصلِ دوست مستم ودر ہجر بے قرار ۔ داداز چنیں غمے کہ مرا سر بسر رسد
مدہوش گشتہ ام کہ بپویم رہِ وصال ۔ فریاد ازان زمان کہ مرا ایں خبر رسد
وقتِ نیاز و عجزِ جہانگیر ہر سحر ۔ امید آنکہ شعلۂ نور اثرِ رسد

مصنف مخزن الغرائب نے جہانگیر کے جو چند اشعار نقل کیے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں،

ما نامہ بہ برگِ گل نوشتیم ۔ شاید کہ صبا باد رساند

رباعی

ہر کس بضمیر خود صفا خواہد داد ۔ آئینہ خویش را جلا خواہد داد
ہرچہ کہ شکستہ بود دستش گیر ۔ بشنو کہ ہمیں کاسہ صدا خواہد داد

Marfat.com

رباعی

اے آنکہ غم زمانہ پاکت خوردہ اندوہ دل وسوسہ ناکت خوردہ
مانند قطرہائے باراں بزمین جاگرم نکردہ کہ خاکت خوردہ

(مخزن الغرائب قلمی نسخہ مملوکہ دارالمصنفین ورق ۸۰)

وہ اکثر اساتذہ کے مقابلہ میں شعر کہتا۔ ایک بار امیر الامراء کا یہ شعر اس کے سامنے پڑھا گیا:

بگذر مسیح از سرِما کشتگانِ عشق یک زندہ کردنِ تو بصد خون برابراست

جہانگیر نے فوراً کہا

ازمن متاب رخ کہ نیم بے تویک نفس یک دل شکستنِ تو بصد خوں برابر است

علی احمد مہر کن نے بھی اس پر ایک شعر کہا، جو جہانگیر کو بہت پسند آیا۔ وہ شعر یہ تھا۔

اے محتسب ز گریۂ پیر مغاں بترس
یک خم شکستنِ تو بصد خوں برابراست [۱]

ایک دفعہ عبدالرحیم خان خاناں نے مولینا جامی کی اس غزل پر غزل لکھی، جس کا ایک مصرع یہ ہے۔

بہریک گل زحمتِ صد خارمی باید کشید

جہانگیر کو یہ مصرع پسند آیا۔ اس نے فی البدیہہ مطلع کیا۔

ساغر مے بررُخِ گلزارمی باید کشید ابر بسیار است مے بسیارمی باید کشید [۲]

ماوراءالنہر کے درویش صفت بزرگ خواجہ ہاشم سے جہانگیر خاص عقیدت رکھتا تھا۔ ایک بار خواجہ مذکور کے یہاں اوس نے ایک ہزار مہر جہانگیری اور اسی کے ساتھ اپنی کہی ہوئی مندرجہ

[۱] تزک جہانگیری، ص ۱۱۲ [۲] اقبال نامۂ جہانگیری و تزک جہانگیری، ص ۲۳۵

Marfat.com

ذیل رباعی بھیجی۔

اے آنکہ مرا مہر تو بیشِ از بیش ☆ است   از دولت یاد بودت اے درویش است
چندانکہ ز مژدہ ات دلم شادشود   شادیم ز آنکہ لطفت از حد بیش است

اسی کے ساتھ جہانگیر نے دربار میں فرمائش کی کہ اسی مضمون کی اور رباعیاں کہہ کر طبع آزمائی کی جائے، حکیم مسیح الزماں نے ایک رباعی کہی جو جہانگیر کو بہت پسند آئی وہ رباعی یہ تھی۔

داریم اگرچہ شغلِ شاہی در پیش   ہر لحظہ کنیم یاد درویشان پیش
گر شاد شود زما دل یک درویش   آنرا شمریم حاصلِ شاہی خویش

جہانگیر نے خوش ہو کر حکیم مذکور کو ایک ہزار مہر انعام میں دیا[1]۔

سنہ ٦ جلوس شاہی میں جہانگیر موضع سمونگر شکار کے لیے گیا۔ اسی شکار گاہ میں ایک رات اس نے یہ شعر کہا:

بود بر آسماں تا مہر را نور   مبادا عکسِ او از چترشہ دور

اور قصہ خوانوں کو تاکید کی کہ سلام وصلوۃ بھیجتے وقت یہ شعر بھی پڑھا جائے[2]۔

سنہ ۱۲ جلوس میں سید عبداللہ خان بارہہ شاہزادہ خرم کی یہ عرض داشت لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ عادل خان، عنبر اور دکن کے تمام سرکشوں نے اطاعت اختیار کر لی ہے، جہانگیر یہ مژدہ سن کر نہایت خوش ہوا اور شادیانے کے نقارے بجوائے۔ سید عبداللہ خان کو سیف خاں کا خطاب دیا۔ شہزادہ خرم کے لیے ایک لعل بے بہا بھجوایا اور عادل خان کے نام فرمان جاری کیا۔ جس میں یہ طبع زاد شعر مرقوم کیا۔

☆ محاورہ بیش از پیش ہے لیکن یہاں بیش از بیش ہے جو کتابت کی غلطی ہو سکتی ہے۔

۱ تزک جہانگیری ص ۱۵۰   ۲ ایضاً ص ۱۰۰   ۳ تزک جہانگیری ص ۱۹۳

Marfat.com

شدی از التماس شاہ خرّم   بفرزندی ما مشہور عالم [۳]

اس کے دوسرے سال عادل خان نے جہانگیر کی ایک تصویر کی درخواست کی۔ جہانگیر نے ایک لعل گران بہا ولعل خاصہ کے ساتھ اس کو اپنی تصویر عنایت کی اور اس پر یہ رباعی دستِ خاص سے لکھ دی۔

اے سوے تو دایم نظرِ رحمتِ ما   آسودہ نشین بسایۂ دولتِ ما
سوئے تو شبیہ خویش کردیم روان   تا معنی ما بہ بینی از صورت ما[۱]

۱۴ھ جلوس میں جہانگیر کلانور میں مقیم تھا کہ خان عالم جو شاہ عباس کے پاس ایران قاصد بنا کر بھیجا گیا تھا، واپس آیا۔ جہانگیر اس کے ساتھ بہت ہی لطف وعنایت کے ساتھ پیش آتا تھا، جب اوس کے نزدیک آنے کی خبر ہوئی، تو اوس نے اسے مندرجۂ ذیل مطلع لکھ کر عطر جہانگیری کے ساتھ بھیجا۔

بسویت فرستادہ ام بوے خویش   کہ آرم ترا زود تر سوے خویش [۲]

جہانگیر کے شاعرانہ ذوق کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ اپنے سکّوں پر بھی اس کا مظاہرہ چاہتا تھا، چناں چہ سو تولے، پچاس تولے، بیس تولے اور دس تولے کی مہروں پر یہ بیت لکھی ہوئی تھی۔

بخط نور برزر کلکِ تقدیر   رقم زد شاہ نور الدین جہانگیر

مصرعوں کے درمیان میں جگہ چھوڑ کر کلمہ اور دوسری طرف یہ بیت جس سے تاریخ بھی نکلتی ہے، منقش تھی۔

شد چو خورزیں سکہ نورانی جہان   آفتابِ مملکت تاریخ آن

ایک دوسرے سکہ پر یہ شعر تھا۔

روے زر را ساخت نورانی برنگِ مہر و ماہ   شاہ نورالدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ

جب نور جہاں کا اقتدار جما تو سکہ پر یہ شعر ثبت کیا۔

۱؎ تزک جہانگیری، ص ۲۴۶   ۲؎ ایضاً ص ۳۷

Marfat.com

بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور　　بنام نور جہان بادشاہ بیگم زر

جہانگیر کی سخن فہم اور ذوق شناس طبیعت کبھی یہ گوارا نہیں کرتی تھی کہ اس کے سامنے شاعری میں کسی قسم کی بدمذاقی کی جائے۔ ایک دفعہ ایک شاعر نے جہانگیر کی مدح میں قصیدہ لکھ کر پیش کیا۔ مطلع کا پہلا مصرع یہ تھا۔

اے تاجِ دولت برسرت از ابتدا تا انتہا

جہانگیر نے کہا تم عروض بھی جانتے ہو؟ شاعر نے کہا حضور نہیں، جہانگیر نے کہا اچھا ہوا، ورنہ تمہارے قتل کا حکم ہوتا، پھر مصرع کی تقطیع کر کے بتایا کہ دوسرا رکن یوں آتا ہے ''لت برسرت'' اور یہ سخت بے ادبی ہے۔

مولینا شبلی تذکرۂ سرخوش سے شعر العجم حصہ سوم میں ایک اور واقعہ نقل کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں مئی تخلص کا ایک شاعر تھا، جو قوم کا کلال تھا۔ کلالوں کی قوم شاہی درباروں میں دربانی اور چاؤشی کے لیے مخصوص تھی۔ مئی نے نور جہاں بیگم کے توسل سے جہانگیر کے دربار میں شاعری کی تقریب سے رسائی پیدا کرنی چاہی۔ جہانگیر نے کہا کہ ان لوگوں کا کام چاؤشی اور سواری کا اہتمام ہے، ان کو شاعری سے کیا مناسبت لیکن نور جہاں کی خاطر عزیز تھی۔ اجازت دی۔ مئی نے یہ شعر پڑھا۔

مئی بگریہ سرے دار داے نصیحت گر　　کنارہ گیر کہ امروز روز طوفان است

جہانگیر نے کہا، دیکھا دہی اپنے پیشہ کی رعایت، دوسرے موقع پر پھر نور جہاں بیگم نے تقریب کی مئی نے مطلع پڑھا۔

سن مئی روم و برق زنان شعلۂ آہم　　اے ہم نفسان دور شوید از سرِ راہم

جہانگیر نے ہنس کر کہاں وہ اثر کہاں جا سکتا ہے۔[1]

یہاں پر بے موقع نہ ہوگا کہ اگر ہم ان اشعار کا ذکر کریں، جن کو جہانگیر نے خاص طور پر پسند کیا اور ان پر اپنی رائے ظاہر کی تاکہ ناظرین کو اس کا صحیح مذاق معلوم ہو۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ

---

[1] تذکرہ سرخوش و ذکر مئی و شعر العجم حصہ سوم ص ۹

Marfat.com

''جہانگیر کا ذوقِ شاعری اسی قدر صحیح تھا، جس قدر ایک بڑے نقادِ فن کا ہوسکتا ہے۔ جس شاعر کی نسبت اس نے جو کچھ لکھ دیا ہے، اس سے بڑھ کر اس کے متعلق ریویو نہیں کیا جاسکتا''۔

۱۳ جلوس میں ماندو (فتح پور) کے ایک تال کے قریب فروکش ہوا، تو وہاں ایک ستون پر ایک رباعی لکھی ہوئی دیکھی۔ اس کے بارے میں لکھتا ہے۔

''درمیانِ تال نشیمنے از سنگ واقع است بریکے از ستونہا ایں رباعی شخصے ثبت نمورہ بود بنظرِ در آمد و مرا از جا در آورد، الحق از شعر ہائے خوب است۔''

رباعی

یارانِ موافق ہمہ از دست شدند
در دستِ اجل یگاں یگاں پست شدند
بودند تنک شراب در مجلسِ عمر
یک لحظہ زما پیشترک مست شدند

اس کے بعد فوراً ہی لکھتا ہے۔

''دریں وقت رباعی دیگر ہم ازیں عالم شنیدہ شد، چون بسیار خوب گفتہ آن را نیز نوشتم''

رباعی

افسوس کہ اہل خرد و ہوش شدند
از خاطر ہمہ مان فراموش شدند
انا کہ بصد زبان سخن می گفتند
آیا چہ شنید ند کہ خاموش شدند[1]

ایک بار سلطان قوام کے بیٹے حسینی کی ایک رباعی اس کے سامنے پڑھی گئی، اس کو پسند آگئی، جو اس نے تزک میں بھی نقل کی ہے۔ وہ رباعی یہ ہے۔

گردے کہ تر از طرفِ دامان ریزد
آب ازرخِ سرمۂ سلیمان ریزد
گر خاک درت بامتحاں بفشارند
از وے عرقِ جبینِ شاہان ریزد

اس رباعی کو نقل کر کے وہ لکھتا ہے:

---

[1] تزک جہانگیری، ص ۲۶۰، نولکشور پریس

Marfat.com

"معتمد خان دریں وقت رباعی خواند، مرا بغایت خوشِ آمد و دربیاض خود نوشتم"۔

رباعی

زہرم بفراقِ خود چشانی کہ چہ شد | خوں ریزی و آستیں فشانی کہ چہ شد
اے غافل ازانکہ تیغ ہجر توجہ کرد | خاکم بفشار تابدانی کہ چہ شد[۱]

یہ رباعی بابا طالب اصفہانی کی تھی۔

سلطان سنجر کے ملک الشعراء معزی کا ایک قصیدہ جو اس نے سلطان کی مدح میں لکھا تھا، اس کے سامنے پڑھا گیا۔ جس کا مطلع یہ تھا۔

اے آسماں مسخر حکم رواں تو | کیوانِ پیر بندۂ بختِ جوانِ تو

اس مطلع کو سن کر وہ بہت محظوظ ہوا اور اس قصیدہ کی تعریف تزک میں کرتا ہے کہ:

"بغایت سلیس و ہموار گفتہ"۔

سعیدائے زرگر باشی نے اس قصیدہ کی تتبع میں ایک قصیدہ کہہ کر جہانگیر کی خدمت میں پیش کیا۔ جہانگیر نے پسند کیا۔ اس کی تعریف کرتے ہوئے کچھ اشعار تزک میں نقل کئے ہیں۔[۲]

ایک بار ایک ہندو شاعر نے جہانگیر کے سامنے ایک اچھوتے مضمون کی نظم پڑھی، جس کا حاصل یہ تھا کہ اگر آفتاب کے کوئی بیٹا ہوتا تو کبھی رات نہ ہوتی، کیوں کہ جب آفتاب چھپ جاتا، تو اس کا بیٹا اس کے بجائے عالم افروزی کرتا۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کے والد کو خدا نے ایسا بیٹا دیا کہ لوگوں نے ان کے انتقال کا غم نہ کیا، آفتاب کو رشک ہے کہ آپ کے طالع کی روشنی اور عدالت کے نورِ سلطنت میں کہیں رات نہیں۔ جہانگیر اس اچھوتے خیال کو سن کر بہت محظوظ ہوا اور ایک ہاتھی انعام میں دیا۔ وہ لکھتا ہے۔

"ایں تازگی مضمون از شعرائے ہند کم بگوش رسیدہ بہ جلد وی ایں مدح فیلے باو مرحمت کردم"۔

---

۱ تزک جہانگیری، ص ۲۸۹، نولکشور پریس
۲ تزک جہانگیری، ص ۲۴۲، نولکشور پریس

Marfat.com

جہانگیر کے حکم سے ان اشعار کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا گیا جو حسب ذیل ہے۔

گر پسر داشتی جہاں افروز شب نہ گشتی ہمیشہ بودی روز
زانکہ چوں او نہفتہ افسرِ زر بہ نمودی کلاہ گوشہ پسر
شکر کز بعد آن چنان پدرے جانشین گشت ایں چنین پسرے
کہ زشنقار گشتنِ آن شاہ کس بہ ماتم نہ کرد جامہ سیاہ ۱؎

جہانگیر کو طالب آملی کے مندرجہ ذیل اشعار بہت مرغوب تھے۔ :

زغارتِ چمنت بربہار منتہا است کہ گل بدستِ تواز شاخ تازہ ترماند
لب از گفتن چنان بستم کہ گوئے دہان بر چہرہ زخمی بود و بہ شد
عشق در اول و آخر ہمہ ذوق است و سماع ایں شرابے است کہ ہم پختہ وہم خام خوش
گرمن بجائے جوہر آئینہ بودمے بو رو نماترا بتو کے می نمود مے
دو لب دارم یکے در مے پرستے یکے در عذر خواہی ہائے مستے

جہانگیر کے اس انتخاب پر مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ ’’خود طالب اس سے اچھا انتخاب نہیں کرسکتا تھا۔ ۲؎

شعراء و علماء کی سرپرستی:

شہزادگی کے زمانہ سے شعراء اس کے دربار میں ملازم رہتے تھے۔ تختِ سلطنت پر بیٹھا، تو دربار شعراء سے بھرا ہوا تھا، مگر اس نے مردم شناسی سے کام لے کر کم سن طالب آملی کو اپنے دربار کا ملک الشعراء بنایا، طالب آمل کا رہنے والا تھا، جو مازندران کا ایک شہر ہے، سولہ برس کی عمر میں اس نے ہندسہ، منطق، ہیئت، فلسفہ، تصوف اور خوش نویسی میں کمال حاصل کرلیا تھا، تیموری حکم رانوں کی فیاضیاں سن کر ہندوستان آیا اور جہانگیر کے دربار میں ۲۰ برس کی عمر میں ملک الشعراء

۱؎ تزک جہانگیری، ص ۶۸ ۲؎ شعر العجم حصہ سوم، ص ۷

Marfat.com

کے عہدہ پر ممتاز ہوا اور آخر تک جہانگیر کی شاہانہ سرپرستی میں نہایت عزت واحترام سے زندگی بسر کی، صرف ایک موقع ایسا پیش آیا کہ کسی بات پر جہانگیر ناراض ہو گیا اور طالب چند روز تک شرفِ حضور سے محروم رہا۔ اس واقعہ کو وہ نہایت لطیف پیرایہ میں ایک قصیدہ میں ادا کرتا ہے۔[1]

نظیری نیشاپوری بھی اس کے دربار سے بسلسلۂ ملازمت منسلک تھا۔ ۵ جلوسِ شاہی میں اس کا شہرہ سن کر جہانگیر نے دربار میں طلب کیا، نظیری نے انوری کے اس قصیدہ پر۔

باز این چه جوانی و جمال ست جهان را

ایک قیصدہ لکھ کر پیش کیا۔ جہانگیر نے اس کے صلہ میں ہزار روپیہ، گھوڑا اور خلعت عطا کیا اور اپنے دربار میں ملازم رکھ لیا[2]، جہانگیر نے ایک دفعہ اس سے ایک عمارت کے کتبہ کی فرمائش کی۔ اس نے ایک غزل لکھ کر پیش کی، جس کا مطلع یہ تھا۔

اے خاکِ درت صندلِ سر گشته سران را　　　باده مژه، جاروبِ رہت تاجوران را

جہانگیر نے اس کے صلہ میں تین ہزار بگھہ زمین انعام میں دی۔

عرفی بھی جہانگیر کی سرپرستی کا رہینِ منت رہا۔ جہانگیر نے اپنے ایام شاہزادگی میں قاصد بھیج کر اس کو دربار میں بلایا اور قصیدہ لکھنے کی فرمائش کی۔ تمام تذکرے متفق ہیں کہ عرفی شہزادہ سلیم کا جاندادہ تھا۔ وہ اپنی زندگی کی ۳۶ ویں بہاریں گذار رہا تھا کہ حاسدوں نے اس کو زہر دے دیا، بعضوں نے لکھا ہے کہ زہر دینے کی وجہ شہزادہ سلیم کے ساتھ عشق کا اظہار تھا۔

ملا حیاتی گیلانی بھی جہانگیر کے دربار سے منسلک تھے۔ گیلان کے رہنے والے تھے۔ عراق وخراسان میں قسمت آزمائی کرنے کے بعد ہندوستان پہنچے۔ حکیم ابوالفتح گیلانی کی وساطت سے اکبری دربار میں متعارف ہوئے۔ اکبر کے بعد جہانگیر کی ملازمت میں آئے۔ وہ ان کو ہمیشہ سفر وحضر میں ساتھ رکھتا تھا۔ آخر عمر تک وہ جہانگیر کے جود وکرم سے فیض یاب ہوتے رہے۔ بہت ہی پرگو شاعر تھے۔ سات ہزار اشعار ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں۔ خسرو وشیریں کی بحر میں قصہ سلیمان وبلقیس لکھ کر جہانگیر کی خدمت میں پیش کیا۔ جہانگیر نے خوش ہو کر اس صلہ میں انہیں

---

[1] قصیدہ شعر العجم حصہ سوم، ص ۱۷۸　　[2] تزک جہانگیری، ص ۹۲

Marfat.com

سونے میں تلوا کر سونا انعام دیا، مصنفِ میخانہ لکھتا۔

"مثنوی در بحر خسرو و شیرین مبنی بر قصه سلیمان و بلقیس بنام این بادشاه ستاره سپاه برشتهٔ نظم در آورد ، چون بسمعِ اشرف اقدس جهان پناه رسید حیاتی رابصلهٔ آں زر کشید ، تاحیاتی درحیات بود از بندگی این بادشاه انجم سپاه محروم نه گشت ، همه جادر سفر و حضر خدمت آں حضرت بسرمی برد -"[۱]

ان کے علاوہ اور جن شعراء نے جہانگیر کے جود وسخا کی زلہ ربائی کی۔ وہ بابائے طالب اصفہانی، ملا محمد صوفی، مازندرانی سعیدائے گیلانی، میر معصوم کاشی، فسونی کاشی، ملا حیدر خصالی اور شیدا تھے۔[۲]

جہانگیر کی قدردانیوں کے سبب دربار میں علماء بکثرت تھے۔ یہاں پر بے جا نہ ہوگا، اگر ان میں سے ہم بعض کا تذکرہ کریں۔

مولینا مرزا شکر اللہ شیرازی، شیراز، قزوین، عراق اور عرب سے علومِ متداولہ حاصل کر کے ہندوستان آئے۔ نسخ، تعلیق اور علم سیاق میں مہارتِ نامہ رکھتے تھے۔ پہلے عبدالرحیم خانخاناں کی فیاضیوں کے خوشہ چیں ہوئے، پھر جہانگیر کی ملازمت میں آئے۔ جہانگیر نے انھیں شہزادہ خرم کی ماتحتی میں عہدۂ دیوانی پر مامور کیا۔ اپنے عہدہ میں بہت کامیاب رہے، پھر اودے پور کی مہم میں کچھ خدمتِ جلیلہ انجام دی۔ اس لیے جہانگیر نے ۱۰۲۴ھ میں انہیں افضل خاں کے خطاب سے مشرف کیا اور اجمیر کا ناظم بنا کر بھیجا۔[۳]

مولینا تقیای شوستری شیراز سے تعلیم کی تکمیل کر کے ہندوستان آئے۔ ان کے بارے

---

۱ میخانہ مؤلفہ ملا عبدالنبی فخر الزمانی قزدنی، مرتبہ محمد شفیع۔ ام۔ اے۔ ص ۵۳۶

۲ اقبال نامۂ جہانگیری معتمد خان بخشی، ص ۳۰۸ کلکتہ ۳ مآثر رحیمی حصہ سوم، ص ۳۰

Marfat.com

میں مآثر رحیمی کا مصنف لکھتا ہے۔

"مولینا تقیای شوستری طالب علمے بے مثال و قرین و منشی و شاعری، سخن آفرین است در اقسام منظومات غیوری تخلص می فرماید۔"

جہانگیر نے انھیں صدارت کے منصب سے سرفراز کیا۔[۱]

جہانگیر کے عہد کے دوسرے علماء کے نام جو مصنف اقبال نامۂ جہانگیر نے بتائے ہیں، وہ یہ ہیں۔

ملا روز بھان شیرازی، میر ابوالقاسم گیلانی، اعمیٰ عمری، ملا باقر کشمیری، ملا باقر ٹھٹی، ملا مقصود علی تبریزی، قاضی نور اللہ، ملا فاضل کابلی، ملا عبدالحکیم سیالکوٹی، ملا عبدالمطلب سلطانپوری، ملا عبدالرحمٰن بوہرہ گجراتی، ملا حسن فراغی گجراتی، ملا حسین گجراتی، خواجہ عثمان حصاری اور ملا محمد جونپوری۔[۲]

جہانگیر ہر مذہب و ملت کے علماء سے بہت بے تکلفی کے ساتھ ملتا تھا اور ان کے متعلق جو رائے ظاہر کرتا تھا، وہ بڑی محققانہ ہوتی تھی۔ شیخ عبدالحق دہلوی سے ملا، تو لکھتا ہے۔

"مدت ہاست کہ در گوشۂ دہلی بہ وضع توکل و تجرید بسر می برد، مرد گرامی است، صحبتش بے ذوق نیست، بہ انواع مراحم دلنوازی کردہ رخصت فرمودم"۔

ان کی تصنیف تذکرۂ اولیائے ہند کے بارے میں رائے ظاہر کرتا ہے:

"کتابے تصنیف نمودہ بود، مشتمل بر احوال مشائخ ہند بہ نظر در آمدہ خیلے رحمت کشیدہ"۔[۳]

۱؎ ایضاً، ص ۶۸۲ ۲؎ اقبال نامۂ جہانگیری، ص ۳۰۸ ۳؎ تزک جہانگیری، ص ۲۸۴

Marfat.com

میر عضد الدولہ نے جب فرہنگِ جہانگیری پیش کی، تو اس کے متعلق جہانگیر لکھتا ہے۔

"الحق محنت بسیار کشیدہ و خوب پیروی ساختہ و جمیع لغات را از اشعار علماء قدماء مستشہد آوردہ درین فن کتابے مثل این نمی باشد"[۱]

مولینا شبلی جہانگیر کی اس رائے کی نسبت لکھتے ہیں کہ "فارسی کا ایک محقق اس کتاب کی نسبت اس سے بڑھ کر کیا راے دے سکتا ہے۔ فارسی لغت میں جس قدر کتابیں اس وقت تک لکھی گئی تھیں۔ کسی میں قدماء کے اشعار سے سند لانے کا التزام نہ تھا اور فرہنگ جہانگیری کا یہی امتیازی وصف ہے۔[۲]

وہ ہندو پنڈتوں اور درویشوں سے اسی فراخ دلی اور عقیدت مندی سے ملتا، جس طرح علمائے اسلام سے پیش آتا تھا، ۱۴ جلوس میں جب اوجین گیا، تو اسے معلوم ہوا کہ ایک سنیاسی مرتاض جدروپ نامی دنیا سے کنارہ کش ہو کر ایک دشوار گذار بھٹ میں رہتا ہے، جس کا طول ساڑھے پانچ گرہ اور عرض ساڑھے تین گرہ تھا۔ یہ اس قدر تنگ تھا کہ اس میں مشکل سے ایک شیر خوار طفل سما سکتا تھا۔ جہانگیر کو اس سے ملنے کا شوق پیدا ہوا، وہاں تک سواری پہنچ نہ سکتی تھی، مگر وہ تین میل پا پیادہ چل کر وہاں پہنچا اور چھ گھڑی اس کی صحبت میں رہا۔ اس ملاقات کی نسبت لکھتا ہے:

"الحق کہ وجودش بغایت منعتنم است، در مجلسِ او محفوظ و مستفید می توان شد، علم بیدانت را کہ علم تصوف باشد، خوب ورزیدہ، تاشش گھڑی بہ او صحبت داشتم، نسخناں خوب مذکور ساخت، چناں چہ خیلے در من اثر کرد"۔

اس ملاقات سے وہ سیر نہیں ہوا، پھر گیا، چناں چہ لکھتا ہے:

---

۱ تزک جہانگیری، ص ۳۶۷ ۲ مقالات شبلی جلد چہارم، ص ۱۱۳

Marfat.com

"باز خاطر را بملاقات گسائیں جد روپ رغبت افزدو بے تکلفا نہ بکلبۂ او شتافتہ صحبت داشتہ شد، سخنان بلند درمیان آمد حق جل و علی غریب توفیقے کرامت فرمودہ فہم عالی فطرت بلند و مدرکہ تند را بادانش خداداد جمع و دل آزاد ساختہ پشت پا بر عالم و مافیہا زدہ در گوشۂ تجرید مستغنی و بے نیاز نشتہ۔"

اوجین سے رخصت ہوتے وقت اس کے پاس پھر ملاقات کو گیا، الوداعی ملاقات اس پر شاق گذری لکھتا ہے۔

"باز بملاقات گسائیں رفتہ از و وداع شدم بے تکلف جدائی از صحبتِ اوبر خاطر حقیقت گزین گرانی نمود"۔ ۱؎

جہانگیر اور کتب خانہ و مدارس:

جہانگیر ایک شان دار کتب خانہ کا مالک تھا۔ مکتوب خان اس کا مہتمم تھا۔ جب وہ سفر میں جاتا تو بھی ایک کتب خانہ ساتھ لے جاتا تھا۔ چناں چہ تزک میں ہے کہ وہ جب گجرات پہنچا، تو وہاں کے مشائخ کو اپنے کتب خانہ سے تفسیر حسینی، تفسیر کاشفی اور روضۃ الاحباب نذر کیا۔

اس نے مدارس کی تعمیر کا یہ اہتمام رکھا تھا، کہ جب کوئی امیر یا متمول مسافر لاوارث مر جاتا تو اس کے مال و متاع سے مدارس اور خانقاہیں بنواتا تھا ۲؎، تاریخ جان جہاں میں ہے کہ اس نے ان تمام مدارس کو از سر نو ترتیب دیا، جو گذشتہ تیس سال سے پرندوں اور چوپایوں کے مسکن بنے ہوئے تھے۔ ۳؎

جولائی ۱۹۳۶ء

۱؎ تزک جہانگیری، ص ۲۸۳ ۲؎ منتخب اللباب خافی خان

۳؎ تاریخ جان جہاں، بحوالہ پروموشن آف محمڈن لرننگ، ص ۱۷۵

Marfat.com

شاہجہاں کا علمی ذوق

شاہجہاں کی نادرۂ کار تعمیری یادگاریں اس کے ذوق کی نفاست اور لطافت کی بین دلیل ہیں، اس کی تمام تکوینی قوتیں فنون لطیفہ کی اسی شاخ پر صرف ہوئیں، اگر ہم بابر کی ذہنی نقش آرائیاں اس کی تزک بابری میں، ہمایوں کی تخئیل آرائیاں اس کے شعر و شاعری میں، اکبر کی علمی فیاضیاں اس کے دربار کی ہنر پرور فضا، میں جہانگیر کی رنگینیاں اس کی تزک جہانگیری میں پاتے ہیں، تو شاہجہاں کے ذہن کی پرکاریاں اس کے تختِ طاؤس، قلعہ معلّٰی اور روضۂ تاج کے نقش و نگار سے عیاں ہیں، اس لیے یہ امر موجب تعجب نہیں کہ اس نے اپنے باپ یا اپنے لڑکوں دارا اور اورنگ زیب کی طرح کوئی علمی یادگار نہیں چھوڑی، اس کے دماغ کی گل افشانی کاغذ کے صفحات کے بجائے دیوان خاص اور دیوان عام کی دیواروں پر ہوئی، اس کا حسنِ ذوق علم و ادب کے بجائے جامع مسجد دہلی کی تعمیر ندرت و نفاست میں ظاہر ہوا، اس نے محبت کا ترانہ شعور و شاعری میں نہیں بلکہ تاج میں منظوم کیا۔

اس کو بابر، ہمایوں اور جہانگیر کی طرح علمی انہماک نہ تھا، اس لیے ان کی طرح کوئی علمی تصنیف نہیں چھوڑی، لیکن پھر بھی اس کے ذوقِ علمی کا صفحہ دل چسپیوں سے خالی نہیں، اس کے دربار کی علمی فضا پھر داراشکوہ، جہاں آرا، مراد اور اورنگ زیب کی اعلیٰ تعلیم و تربیت اس کے ذوق کی شہادت ہے۔

وہ جب چار برس چار مہینے اور چار روز کا ہوا، تو خاندانی روایات کے مطابق پڑھنے کے لیے بٹھایا گیا، قاسم بیگ تبریزی، حکیم دوائی گیلانی، شیخ ابوالخیر (برادر علامی ابوالفضل) اور وجیہ الدین گجراتی تعلیم کے لیے مقرر ہوئے، ان باکمال استادوں کی زیرِ نگرانی شہزادہ خرم نے علوم و فنون کی تکمیل کی، خطاطی میں اس کو بڑی مہارت تھی، محمد صالح کنبوہ لاہوری شاہجہاں کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں لکھتا ہے:

Marfat.com

''بسے برنیامد کہ بتفصیل تحصیل فصول ابواب دانش نمودہ در جمیع فنون فضائل و قائق نکتہ فہمی را با علی درجات کمال رسانید ودرعرض اندک مایہ مدتے بے آنکہ کار بطول کشد، ہیولائے خط نیز صورت درست پذیرفتہ تختۂ مشق از ریختہ قلم مشکین رقمش چوں صفحۂ رخسار نوخطان بحسنِ خط زینت گرفت''۔[۱]

ان استادوں میں حکیم دوائی گیلانی کی سعی و محنت زیادہ بارآور تھی چناں چہ شاہجہاں کہا کرتا تھا ''فی الحقیقت حکیم دوائی آموز گارِماست وحقِ تعلیمِ او برما از استادانِ دیگر بیش است''۔[۲]

تاتارخاں جس کو ترکی لغت کی واقفیت میں اعلیٰ کمال حاصل تھا، شہزادہ کی ترکی زبان کی تعلیم کے لیے مامور تھا۔[۳] یوں تو اس نے شروع ہی سے اکبر کی سب سے پہلی بیوی خدیجۃ الزمانی رقیہ سلطان بیگم بنت ہندال مرزا کی زیرنگرانی پرورش پائی[۴] جو خالص ترکی زبان بولا کرتی تھی، مگر شاہ جہاں کو ترکی بولنے کی کبھی مشق نہیں ہوئی، جہانگیر کہا کرتا تھا کہ اگر کوئی شخص مجھ سے پوچھے کہ خرم میں کیا عیب ہیں تو میں کہوں کہ وہ ترکی زبان نہیں جانتا ہے[۵]، وہ ہندوستانی زبان سے بھی واقف تھا۔

شاہجہاں نے کوئی تصنیف اور نہ رقعات کا مجموعہ چھوڑا، اس لیے اس کی علمی لیاقت کا اندازہ کرنا مشکل ہے، لیکن شاہجہاں نامہ میں اس کا ایک رقعہ منقول ہے، جو اس نے تخت نشینی کے بعد دست خاص[۶] سے لکھ کر آصف خان یمین الدولہ کے پاس بھیجا، رقعہ حسب ذیل ہے:

''دانائے رموزسلطنتِ عظمیٰ، واقفِ اسرار خلافت

۱۔ عمل صالح الموسوم، شاہجہان نامہ از محمد صالح کنبو، جلداول ص ۳۱ ۲۔ ایضاً ص ۳۲
۳۔ ایضاً ص ۳۲ ۴۔ بادشاہ نامہ از عبدالحمید لاہوری، جلداول، ص ۶۷
۵۔ تزک جہانگیری ۶۔ بادشاہ نامہ از عبدالحمید لاہوری، جلداول ص ۱۱۳

Marfat.com

کبریٰ سرخیل یکرنگان وفادار، سلالۂ یکجہتانِ حق گذار ، کارفرمائے سیف و قلم ،مدّبرامورِ علم ، زبدۂ خوانین عالیشان، قدوۂ امرائے بلند مکان عضد الخلافت، یمین الدولہ، عموی بجان برابر آصف خاں،دراماں حضرت ملک منان بودہ بدانند، کہ در چہارم گھڑی روز مبارک دوشنبہ بست و پنجم بہمن ماہ موافق ہشتم جمادی الثانی سنہ ہزار وسی و ہفت ہجری بمبارکی و فیروزی در دارالخلافت اکبر آباد جلوس میمنت مانوس بر تخت سلطنت و سریر خلافت واقع شدہ وبدستوری کہ معروض داشتہ بودند ،لقب راشہاب الدین قراردادیم، چناں چہ نام مبارک مارابعنوان شہاب الدین صاحبقران ثانی شاہجہاں بادشاہ غازی در خطبہ کہ دریں روز بلند آوازہ گردانیدند ،درج نمودند و سکّہ بہمیں نام مبارک زدہ شد۔

للہ الحمد کہ آن نقش کہ خاطر میخواست
آمد آخر ز پسِ پردۂ تقدیر برون

امیدوار یم کہ اللہ تعالیٰ بادشاہ کل ہندوستاں را کہ بمحض کرم خود بما عنایت نمودہ بربادشاہ شماوشما کہ شریک غالب ایں دولت ابد،مبارک گرداند و روز بروز فتوحاتِ تازہ و نصرت ہاے بے اندازہ نصیب باشود و شما ہم بعمر طبعی رسیدہ از دولتِ مادولت ہاے

Marfat.com

عظیم یابید [1] خدمت پر ستخان آخرروز جمعه رسید و عرضه داشت شمارا گذرانید و بعرض رسانید، که مقرر نمود ده آمد، که بروز پنجشنبه بسیت ویکم ماه بهمن از آنجا روانه شوید و روز جمعه چهاردهم ماه اسفندارند بملازمت ما مشرف گردید ایں معنی چوں دلالت بران می نمود که زمان دریافت ملازمت نزدیک رسیده خوشحال شدیم، قراردادایں معنی که پادشاهزادهائے کا مگار برخوردار راهمراه بیاورید و خواجه ابوالحسن رادر لاهور بگذارید مستحسن افتاد، سرو پاے که در روز مبارک جلوس میمنت مانوس پوشیده بودیم براے آں عضدالخلافه فرستادیم هر چند که هر چه بآن عموعنایت فرمائیم زیاده ازان گنجایش دارد، امابالفعل منصب هشت هزاری ذات و هشت هزار سوار دواسپه سه اسپه عنایت نمودیم وسوائے آن بندر لاهری را بطریق انعام مرحمت فرمودیم، ایں عنایت ہاے مابر شما مبارک باشد"۔

اس عبارت میں نہ جہانگیر کی تزک کی رنگینی اور روانی اور نہ عالمگیر کے رقعات کی سلاست اور برجستگی ہے، لیکن پھر بھی اس کا کاتب کوئی معمولی استعداد کا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔

ایک اور فرمان سے اس کی علمی قابلیت کا اظہار ہوتا ہے، ایک بار کا ذکر ہے کہ شاہجہانی سفراء عراق گئے، تو خلیفہ سلطان کے وزیر نے ان سے دریافت کیا کہ امام غزالی نے تہافت

---

[1] شاہجہاں نامہ از محمد صالح کنبو، ص ۲۶۲۔ و بادشاہ نامہ جلد اول از عبدالحمید لاہوری، ص ۱۱۵۔ شاہجہان کے بعض اور رقعات بھی نظر سے گذرے ہیں لیکن علمی حیثیت سے وہ بلند نہیں ہیں۔

Marfat.com

الفلاسفہ میں قدمِ علم اور نفیِ علم واجب تعالیٰ کے مسئلہ میں شیخ ابونصر فارابی اور بوعلی سینا کی تکفیر کی ہے اس کا جواب کیا ہے،؟ شاہجہانی سفرا ہندوستان اور سلطنتِ تیموریہ کے فضل وکمال کے وقار کو قائم رکھنا ضروری سمجھتے تھے۔ اس لیے انھوں نے شاہجہاں کو اطلاع دی، شاہجہاں نے اپنے وزیر نواب سعد اللہ خاں کو حکم دیا کہ ملاّ عبدالحکیم سیالکوٹی کو لکھو کہ اس کے متعلق دس پندرہ دن میں ایک رسالہ لکھ کر پیش کریں کہ عراق کو بھیجا جائے، چناں چہ سعد اللہ خاں نے ایک فرمان صادر کیا، جس میں لکھا کہ:

”بکمترین مریداں حکم شد کہ بآں فضائل و کمالات دستگاہ سطرے چند برنگاردو برآن آرد کہ ان افادت و افاضیت مرتبت رادریں مسائل مختصر جامع مفیدے کہ مستجمع کلمات حکماتِ حکما و تاویلات علماء ووجہ تکفیر اسلامیین و اقوال و سلبیین ومباحثات ومناظرات و شکوک وشبہات وازالات و اخراجات واسولہ و اجوبہ وغایت تد قیقات و نہایت تحقیقات و اصل کلام درہرباب و اساس سخن درہرجواب و آن چہ دراں ظفر یافتہ باشند و برہان بران فائدہ شدہ باشد و احاطۂ مسائلِ متعلقہ بمطلب علم از حصولی و حضوری بود و علم و عین عالم وعین معلوم است یا غیر و تعلق آن بجزئیات بوجہ کلی است یا بوجہ جزئی وتحریر آنکہ کلّیہ و جزئیہ معلوم، تابع مدرک ویا تابع مدرک است و نسبتہ الواجب جزئی ست یا نہ وبیان آنکہ ادراک تعقلی است، نہ احساسی،............الخ“

ایک صاحب نظر کا خیال ہے کہ یہ جملے شاہجہاں کے بتائے ہوئے تھے، چناں چہ عبارت

Marfat.com

ہذا پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''شاہجہاں کی علمی قابلیت کا یہ نمونہ ہے کہ اس نے اس مسئلہ میں جن امور پر رسالہ لکھوانا چاہا ہے، اس کو چند جملوں میں ادا کر دیا'' آگے چل کر پھر لکھتے ہیں کہ ''سعد اللہ خان کی علمی استعداد تو مشہور ہی ہے، لیکن شاہ جہاں کی علمی فضیلت بھی اس فرمان سے ظاہر ہوتی ہے کہ کچھ کم نہ تھی، ظاہر ہے کہ جو شخص کسی علم وفن سے واقف نہ ہو، وہ کیا اس کو سمجھ سکتا ہے'' [۱]

شاہجہاں کی علمی لیاقت کا حال ان حکیمانہ اور عالمانہ باتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے، جو وہ اپنے درباریوں سے کہا کرتا تھا، ایک بار اہلِ دربار نے کہا کہ ایک صوبہ کا دیوان اپنی ریاست کے اظہار اور جزرسی کے لیے لوگوں کے حق میں سختیاں کرتا ہے، اس کے جواب میں شاہجہاں نے جو نکتہ آفرین باتیں کیں، وہ ایک ہم عصر موّرخ کے الفاظ میں سننے کے لائق ہیں۔

''وبست ونہم ماہ کہ دانشوران و سخن سنجان پائے تخت ہمایوں بخت در انجمن حضور سراسر نور بر طبق دستور معمو دسعادت بار دریافتہ شرف قرار داشتند وازہر جا سخن سر شدہ ازہر در گفت و گو درمیان بود، اتفاقاً بتقریب ذکر روش سلوک یکے از متصدیان شغل دیوانی صوبجات مذکور شد کہ آن دشوار معاملہ بغایت عرصۂ کار برمردم تنگ کردہ و مہمات سخت گرفتہ، آنحضرت فرمودند کہ این معنی موافق آئین کار گزاری نیست، چہ سخت گرفتن کارہا و تنگ کردن سامت امور باعثِ آن می شود کہ سستی و فتور در اساس پیشرفت کارہا افتدو عرصۂ ملک برفتنہ و فتنہ گران فراخ گردد، چنانچہ در عہد ولایت حضرت امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ باجود آنکہ حضرت

---

[۱] دیکھو معارف نمبر ۴ جلد ۱۰

Marfat.com

خلیفہ محق و امام مطلق بوده بردفق قول حضرت رسالت صلی اللہ علیہ و آلہٖ و اصحابہ کارفرمائے بر حق و با حق بودند ،اصلا کار سوافق مدعاے آنحضرت پیش نرفت ،چه آنحضرت در ہیچ امرے ازامور دنیا و دین دقیقه واری تجویز مساہله نفرموده یك لمحه مسامحه روانمی داشتند و اہلِ دنیا که نقطه مقابلِ دین و طرف آخرت بل فی نفسہا باطل مطلق است،طالبان .... شتافتند و تحریك سلسلۂ فساد نموده فتنہابرانگیختند"[1]

اسی اثنا میں سید جلال بخاری نے شاہجہاں کے ایک ارشاد عالی کا حوالہ دیا کہ دنیا دو پاؤں پر قائم ہے، ایک حق دوسرا باطل، لیکن اس نے کہا کہ چاہتا ہوں کہ حق پر قائم ہو، اس پر شاہجہاں نے جو تقریر کی وہ بہت ہی بصیرت افروز ہے، عملِ صالح میں ہے کہ:

"حضرت بادشاہ حقائق آگاہ که طبع اقدس دقیقه رس آنحضرت بکار فرمای حدت ناخن دریافت از ہیچ نکته بے تفتیش نمی گذرد، فرمودند که دریں مقام جائے ایستادگی خرداست ازین کلام فیض نظام چنان لازم می آید، که از وقت آنحضرت گرفته تابمبدو فطرت ابوالبشر علیه السلام احیاناً پائے باطل نیز درمیان بوده باشدوحاشا که آنحضرت رازان کلام این معنی منظور بود،دریں وقت چندے از فیض یابان حضور پر نور آن رابتاویلات دورو دراز ظاہر نمودند ،چنانچه ہیچ کدام دلنشین و خاطر ایشان نیا مدودر آخر کار خود فرمودند

---

[1] عمل صالح جلددوم ص ۲۳۲

Marfat.com

که ایں کلام رابریں وجه تاویل بایدنمود، که در عهد برکت آئین حضرت خادم النبیّین مدار برحق محض بوده بپیش رفتن امور دران حال بنا برآں بوده که بمیامن وجود مسعودآں سوئید بتائید آسمانی اہل آنزماں راستی و درستی و حق پژوہی و حقیقت طلبی دیگرد اشتند ودلہاے ہمگناں در آن محل باوجود صفوت جبلی و صفای فطرت از پر توصیقل مواعظ و نصائح آنحضرت جلا وصفائی کلی پذیر فته خلاف حق و صدق بران قرار نمی گرفت بلکه بطلان و ناصواب دران راه نمی یافت،لہذا تنسیق امور بروفق نفس الامرمیسرمی شدوحق مطلق کماینبغی از پیش می رفت وبریں قیاس در زمان حضرت خلفاے راشدین که بمتقضاے قرب عهد رسالت معاینه ماندساعت بعد از غروب آفتاب که بتاثیرپر تو آں دمی چند اثر فروغ باقیست و رفته رفته بظلمت می گراید،بواطن اہلِ آنزماں نیز ہنوز ا زیمنِ تاثیر نیرّاعظم اوجِ نبوت نورانی بوده زنگ غفلت برآن دست نیافته بود وچوں بتدریج احوال زمانیان د گرگون شده، یکبارگی بعد مطلق از عهد آنحضرت در مابین اتفاق افتادوزنگار ظلمت بر قلوب ابناے روزگار استیلا گرفت ، چنانچه کار بجاے رسیده که ظلمت پیشگان ظلمت سرشت اطفاے نو روجود خلیفۂ بر حق اعنی حضرت ذوالنورین نمودند،درخلال این حال خلل درمیان

Marfat.com

استقامت حق و حقیقت راہ یافتہ اقامتِ دنیا بر پاے حق دست نداد وازیں رو حضرت امیرااین معنی کہ مطلوب آنحضرت افتادہ بود، میسرنہ شدوقرار دادخاطرِ عاطرِ آں سرور حق پرورصورت نہ بست، چوں ایں توجیہ وجیہ بسبب تدقیق آنحضرت رونمود ہمگناں از برکت غور و خوض آن خسرِوعقیدت اندیش دقیقہ یاب بکنہ ایں دقیقہ رسیدندو باتفاق کلمہ اقرار نمودند کہ ایں کلام رابہتر ازین تاویلے نمی توان کرد۔"[۱]

ایک اور علمی مجلس میں شاہجہاں کی نکتہ آفرینیاں ملاحظہ ہو:۔

"چہارم آذرکہ محفل ارم آئیں، بوجوددانشوران ہر کشور محفوف بود و ہریک بقدر مبلغ علم خود در سائر ابواب ہر فن سخنے می گفت و بادشاہ حکیم مشرب حکمت پژدہ کہ پیوستہ درپے تحقیق و تفتیش لوامع حکم و جوامع کلم اند در ہر باب مدخل نمودہ، ازہر در گفتگو می فرمودند تا سر رشتۂ سخن باحوالِ ملوک حکماء و اوضاع حکماء ملوک کشید، دریں اثناء یمین الدولہ کہ ارسطوے عہدو آصف سلیمان زمان است مبالغۂ ستایش و ثناے سکندر بدیں مبلغ رسانید، کہ دریں مدت متمادی ہیچ فردی ازافراد ذوی العقول بر قول و فعل آن بادشاہ راست گفتار درست کردار گرفت ننمودہ اہل مبادی راہ دخل نہ پیمودہ حضرت خلافت مرتبت فرمودند ، کہ چوں نبوت سکندر فیلقوس، رومی بدرجۂ نبوت نہ رسیدہ ونبا برقول محققین ائمہ تاریخ اسکندر ذوی القرنین

[۱] عمل صالح جلد دوم، ص ۲۳۴

Marfat.com

دیگرست، رابدستوریٔ ادب دِو سخن بر گفتار و کردار اوست ،نخست آنکه بجواب رسول دار ادر باب طلب بیضہاے طلا که پدرش فیلقوس ہر ساله برسم خراج می دادچنیں گفت:ع

شد آں مرغ کوخایهٔ زریں نہاد

چنانچه در تواریخ معتبره و کتب اخبار و سیر مذکور است و در افواه والسنه برسبیل تواتر مشہور واین سخن نسبت به پدر کمال سوء ادب دارد،چه ماکیان جانوریست بغایت فرومایه ومع ہذا بیضه نہادن مستلزم انوثیت ،دومین ترک طریقهٔ حزم و احتیاط نمودن و در لباس رسالت به مجلس نوشابه رفتن واین شیوه از طریقهٔ خردمندان دوراست، چه دانا ارتکاب امرے که پشیمانی بار آورده چاره پذیر نبا شد ہر گز نمی نماید، حاضران مجلس بشکرانهٔ اتفاق پوشیدن خلعت وجود،درعہد سعادت مہد این بادشاه زبان بسپاس جہان آفریں کشوده آنگاه فراخور فسحت دستگاه سخن ستایش این سخنان حکمت آمیز درطے دعاے ازدیاد دین ودولت بجا آورند"۔[۱]

شاہجہاں اپنے گوناگوں مشاغل کے باوجود روزانہ کتابوں کا مطالعہ جاری رکھتا تھا، جب تمام کاموں سے فارغ ہوکر رات کو سونے جاتا، تو اس کے مقربانِ خاص پردہ کے پیچھے سے کتابیں پڑھتے تھے، جو زیادہ تر انبیاء، اولیاء وسلاطین کی سوانح عمریاں اور تاریخیں ہوتیں، وہ ظفر نامہ اور واقعاتِ بابری کو بہت پسند کرتا تھا۔[۲]

اس کا خاندان خود علم و ادب کا گہوارہ تھا[۳]، اس کے دربار میں علمی وقار و شوکت، دیرینہ

۱؎ عمل صالح حصہ اول ص ۵۱۵۔۵۱۴ ۲؎ بادشاہ نامہ جلد اول ص ۱۵۴

۳؎ شاہجہاں کی اولاد کی علم نوازی کا حال ہم تیموری شہزادوں اور شہزادیوں کے علمی ذوق کے سلسلے میں لکھیں گے۔

Marfat.com

روایات کے ساتھ قائم رہی، وہ اہل علم و فضل کو کن نظروں سے دیکھا کرتا تھا، یہ ذیل کے پند و نصاح سے معلوم ہوگا، جو اس نے بیاض خاص میں لکھ رکھی تھیں۔

"رونادن بمردم بد، نرنجیدن بعدم حصول مقصد، نرنجانیدن مردم خوب مزاج و خواستن بکمالِ احتیاج، صحبت داشتنِ باہل معاد و جستجو کردن قابلان با استعداد، بازندادن پیش خود بمردم جہان، دادن باریاب استحقاق بقدر توفیق بیش از سوال، مکرم داشتن اہلِ فضل، مصروف نمودن مزاج بعدل، میل نکردن باقوال غیر عقائد، بے خبر نبودن از احوال متوکلان بے مکائد، غنیمت دانستنِ وجودِ یگانگاں کہ بیگانہ از خلق باشند، بیش داشتن جمعیکہ مصالح امور دنیاوعقبیٰ بودند۔"

یہ نکات علمی اور عملی حیثیت سے کس قدر بصیرت افروز ہیں، عالمگیر نے ان کو شاہجہاں کی بیاض سے نقل کر کے اپنے فرزند عالی جاہ شاہزادہ معظم کو ازروے نصیحت لکھ بھیجا تھا۔[۱]

شعراء:

شاہی دربار میں شعراء و فضلاء کی کثیر تعداد تھی، جو شاہجہاں کے جود و سخا سے فیض یاب ہوا کرتی تھی، لطف اللہ مہندس[۲] نے جو دارا شکوہ کے مقربانِ خاص میں تھا، شاہجہانی شعراء کے نام مندرجہ ذیل اشعار میں نظم کئے ہیں۔

وحید دہرامانی بن مہابت خان ولے بخان زمان است شہرۂ دوران
دگریگانہ ظفرخان تخلص حسن ربودہ گوے سخن ازسخنوران در فن

---

۱ وقائع عالمگیری مرتبہ چودہری نبی احمد سندیلوی

۲ لطف اللہ مہندس کے مزید حالات کے لیے دیکھو مضمون "تاج محل اور لال قلعہ کے معمار" از علامہ سید سلیمان ندوی معارف فروری و مارچ و اپریل ۳۶ء

Marfat.com

دگر وحید زمن آشنا عنایت خاں — بود ببحر سخن آشنا عنایت خان
دگر حید زمن شادمانِ غم پرور — بیانِ شادی و غم در کلامِ او مضمر
دگر سخنور کشمیر محسن قانی است — بقاے نامِ وے از دولت سخندانی است
سہ سپہر سیادت یگانہ میر عماد — کہ بوددر غزل و مدح و مثنوی استاد
لبیبِ عصر محمد حسین آشوب است — سخنورے کہ سخنہاش جملہ مرغوب است
دگر وحید زمان ست طالبائے کلیم — کہ شعرِ او یدِبیضا است نزد طبع سلیم
دگر فرید جہاں قدسی محمد خان — بعہد شاہجہاں گوربودہ از اقران
الٰہیِ ہمدانی است در سخن استاد — سخنورے است کہ دادسخنوری می داد
لبیبِ ازمنہ اسی نخواند، ہیچ کتاب — زفیض حق شدہ مفتوح بر رخش صد باب
دگر وحید زمن باقیا ترانۂ او — خوشست ہمچو غزلہائے عاشقانۂ او
فصیح ازمنہ فتحا کہ چوں غزل می گفت — چو عندلیب غزلخواں دروگہرمی سفت[1]

اس چمنستانِ شعرا کا گلِ سرسبد ابو طالب کلیم تھا، کلیم کاشان کا رہنے والا تھا، جہانگیر کے عہد حکومت میں ہندوستان آیا، لیکن ۱۰۲۸ھ میں وطن واپس چلا گیا، پھر ہندوستان آیا، جہانگیر کے دربار میں ملک الشعراء طالب آملی کے مقابلہ میں اس کو فروغ نہ ہوا، لیکن شاہجہاں کے عہد میں کلیم کا کلام شعلۂ طور بن کر چمکا، شاہجہاں کے دربار سے ملک الشعراء کا خطاب ملا، ۱۰۴۴ھ میں جب شاہجہاں نے ایک کرور روپیہ کی لاگت سے تخت طاؤس تیار کرایا اور آگرہ میں جشن نوروز کے دن اس پر جلوس کی رسم ادا کی تو کلیم نے ایک قصیدہ کہا، جس کا مطلع یہ تھا۔

خجستہ مقدم نوروز غرّۂ شوال — نشاندہ اندچہ گلہائے عیش بر سرِ سال

شاہجہاں کو یہ قصیدہ اس قدر پسند آیا کہ کلیم کو اس کے صلہ میں روپے کے برابر تلوایا، جو ۵۵۰۰ روپئے وزن میں آئے اور اس کو عطا کئے[2]، ۱۰۴۸ھ میں جشن وزن شمسی کے موقع پر شاہی

---

[1] دیکھو مضمونِ ہذا و فہرست کتب خانہ شاہ اودھ از ڈاکٹر اسپرنگر، ص ۱۱۶

[2] بادشاہ نامہ حصہ دوم ص ۸۳ نیز مآثر الکرام دفتر ثانی از غلام علی آزاد بلگرامی ص ۷۸، مبلغ مفید عام آگرہ و شعر العجم حصہ سوم از مولینا شبلی ص ۲۰۸

Marfat.com

خزانہ سے کلیم کو کچھ اشعار کے صلہ میں ایک ہزار روپے ملے[۱]، ۱۰۴۹ھ میں کلیم شاہجہاں کے ساتھ کشمیر چلا گیا، اس جگہ کی دلآویزیوں اور رنگینیوں کو دیکھ کر وہاں کا فریفتہ ہو گیا، بادشاہ سے وہاں قیام کی اجازت چاہی جو منظور ہوئی، یہیں بیٹھ کر فتوحات شاہی منظوم کرتا تھا، جس کے لیے کلیم کو سالانہ وظیفہ ملتا تھا، ۱۰۵۵ھ میں شاہجہاں پھر کشمیر چلا گیا، تو کلیم نے تہنیت کا قصیدہ لکھ کر پیش کیا، جس کے انعام میں خلعت اور دو سو اشرفیاں پائیں، شاہجہاں جب واپس ہونے لگا، تو کلیم نے پھر ایک قصیدہ کہا اور دو سو اشرفیاں پھر انعام میں ملیں[۲]۔

کلیم کا مدّ مقابل شاعر حاجی محمد جان قدسی تھا، مشہد کا رہنے والا تھا، مکۂ معظمہ اور مدینہ منورّہ میں تعلیم پا کر ہندوستان آیا، خواجہ عبداللہ خان بن خواجہ ہارون کی مدح میں جو ہفت ہزاری منصب کا شاہجہانی امیر تھا، ایک قصیدہ کہا، عبداللہ خاں سفر میں جا رہا تھا، اسی حالت میں قدسی نے قصیدہ پڑھا۔ عبداللہ خان اس قصیدہ سے اس قدر متاثر ہوا اور محظوظ ہوا کہ اپنی مسند سے اٹھ گیا اور اس کو اپنی جگہ پر بٹھایا، پھر باہر نکل کر اپنا خیمہ اس کے تمام متعلقات اور لشکر کے تمام جانور انعام میں اس کے حوالہ کر دیئے[۳] ۱۰۴۲ھ میں شاہجہاں کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک قصیدہ کہا، جس کا مطلع یہ تھا۔

اے قلم بر خود ببال از شادی و بکشا زبان   در ثنائے قبلۂ دیں ثانی صاحبقران[۴]

اس صلہ میں شاہجہاں نے قدسی کے منہ کو سات دفعہ جواہرات سے بھرا[۵] اور اس کو دربار سے منسلک کر لیا، جہاں اس کو روزانہ وظیفہ ملا کرتا تھا، آگے چل کر ملک الشعراء ہوا، ۱۰۴۵ھ میں اس نے جشن نوروز کے موقع پر ایک قصیدہ لکھا، جو شاہجہاں نے بہت پسند کیا، اس کے انعام میں اس کو روپئے میں تلوایا، جو طالب کلیم کے وزن کی طرح ۵۵۰۰ ہوئے[۶]، ۱۰۴۹ھ میں قدسی کو کچھ اشعار کے صلہ میں سو اشرفیاں مرحمت ہوئیں، جہاں آرا بیگم کی صحت یابی کے موقع پر قدسی نے

---

۱ بادشاہ نامہ جلد اول ص ۱۳۴ ۲ بادشاہ نامہ جلد دوم ص ۴۶۸، نیز شعر العجم حصہ سوم و مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۸۰ ۳ مراۃ الخیال ص ۱۳۷ ۴ عمل صالح حصہ دوم ص ۵۰۸ پر پورا قصیدہ منقول ہے

۵ مراۃ الخیال ص ۱۳۷ ۶ بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ۱۴۲

Marfat.com

ایک قصیدہ کہا، تو شاہجہاں نے دو ہزار روپے عطا کیے۔[۱]

قدسی کا انتقال ۱۰۵۶ھ میں ہوا، طالب کلیم نے ایک مرثیہ لکھا، جس کے ایک ترکیب بند سے تاریخ نکلتی تھی:

دورازان بلبل قدسی چمنم زندان شد

۱۰۵۶

احسن، مرزا احسن اللہ نام اور احسن تخلص تھا، خواجہ ابوالحسن تربتی کا لڑکا تھا، خواجہ ابوالحسن خراسان سے اکبر کے زمانہ میں ہندوستان آیا، شاہزادہ دانیال اور دکن کا وزیر مقرر ہوا، جہانگیر کے زمانہ میں وزارت کے عہدۂ اعلیٰ پر مامور ہوا، شاہجہاں کے زمانہ میں شش ہزاری و شش ہزار سوار کا منصب اور کشمیر کا علاقہ عطا ہوا[۲]، باپ کے مرنے کے بعد احسن اللہ عنایتِ شاہانہ سے مستفیض ہوا، کشمیر میں باپ کا جانشین ہوا، ظفر خاں خطاب ملا، ظفر خاں نہایت فیاض اور قدردان علم و فن تھا، خود ایک بلند پایہ شاعر بھی تھا، مرزا صائب کا شاگرد تھا، مگر اس کے کلام پر استادانہ نکتہ چینیاں کرتا تھا، مرزا صائب اس کی سخن دانی کا بہت مداح تھا[۳]، وہ صاحب دیوان بھی تھا۔[۴]

آشنا، مرزا محمد طاہر نام، عنایت خاں شاہی خطاب اور آشنا تخلص تھا، ظفر خان کا لڑکا تھا، شاعری کا ذوق باپ سے وراثت میں پایا تھا، شاہجہاں کا ندیم خاص تھا[۵] اس کے عہد کی تیس سالہ تاریخ بھی لکھی[۶] شاہجہاں کی طرف سے اس کو ہزار و پان صدی کا منصب عطا ہوا تھا۔[۷]

باقیائی، شاہجہانی دربار کا ایک مقبول شاعر تھا، ۱۰۴۶ھ میں جشنِ نوروز کی تہنیت میں ایک قصیدہ کہا، جس کے صلہ میں شاہجہاں نے اس کو روپیہ میں تلوایا، جو ۵ ہزار کے برابر ہوا۔[۸]

۱۔ عملِ صالح حصہ دوم ص ۴۱۸، شبر خان مراۃ الخیال میں لکھتا ہے کہ حاجی محمد جان قصیدۂ رنگیں در مدح صاحبقران ثانی گفتہ بعرض رسانید پادشاہ اقسامِ جواہر قیمتی طلبیدہ فرمود، تافت بار رہائش از ان پر کردند معلوم نہیں کون سے موقع پر یہ قصیدہ کہا گیا تھا۔

۲۔ مآثر الامراء حصہ اول ص ۲۳۷ ۳۔ شعر العجم حصہ سوم ۴۔ مآثر الکرام ص ۵۹

۵، ۶۔ الیٹ جلد ہشتم ص ۷۳ ۷۔ مآثر الامرا جلد ۲ ص ۷۶۲

۸۔ عملِ صالح میں باقیائی کے بارے میں ہے سخنورے طبع روان دارد، ودر تصنیف وتالیف نغمات بروش موسیقاے یونان وفرس بے نہایت ماہر است وتصانیف وخود را کہ بروفق ریختہ، طرز امیر خسرو و بنغمہ

Marfat.com

لطف اللہ کے گنائے ہوئے شعراء میں امانی ابن مہابت خاں، شادماں، فانی، عماد، آشوب، الٰہی ہمدانی، امی، فتحا کے حالات میری نظر سے مختلف تذکروں میں نہیں گذرے۔

ان کے علاوہ بہت سے اور شعراء بارگاہ شاہجہانی سے منسلک تھے، ان میں سب سے پہلے مرزا صائب پر نظر پڑتی ہے، جس کے بارے میں مولینا شبلی کا خیال ہے کہ ''ایران میں شاعری رودکی سے شروع ہوئی اور مرزا صائب پر ختم ہوگئی'' میرزا صائب کا مولد تبریز تھا، تعلیم و تربیت اصفہان میں حاصل کی، جہانگیر کے آخر عہد میں ہندوستان آیا، خواجہ ابوالحسن تربتی کی فیاضیوں سے سیراب ہوا، شاہجہاں جب تخت پر بیٹھا، تو ایک تاریخی قطعہ لکھ کر بارہ ہزار روپے صلے میں حاصل کیے۔

شاہجہاں کی طرف سے مرزا صائب کو ہزاری منصب اور مستعد خاں کا خطاب بھی ملا تھا، میرزا صائب کا تعلق زیادہ تر خواجہ ظفر خان احسن کے ساتھ رہا، جس کی مدح میں اس نے متعدد قصائد لکھے، میرزا کو اس کی مداحی پر ناز تھا، ۱۰۴۱ھ میں صائب مشہد مقدس کی زیارت کو جانا چاہتا تھا، تو شاہجہاں نے زادِ سفر کے لیے پانچ ہزار روپے عنایت کیے۔[۱]

شیدا، ایک بہت ہی ذہین رسا شاعر تھا، بدیہہ گوئی میں کمال رکھتا تھا، حاجی محمد خان قدسی کے ایک قصیدہ پر قصیدہ لکھ کر اعتراض کیا، جو بہت مقبول ہوا، طالب آملی اور میر الٰہی کی ہجو کہی، ہجو گوئی میں بڑی مہارت رکھتا تھا، پہلے عبدالرحیم خانخاناں کی زر پاشیوں سے سیراب ہوتا رہا، پھر شہزادہ شہریار کے آستانہ کا جبیں سا ہوا، آخر میں شاہجہاں کی دربار میں باریابی حاصل کی، ایک بار شاہجہاں کے حضور میں ایک مطلع پڑھا۔

چیست دانی بادۂ گلگوں مصفا جوہرے ۔۔۔ حسن را پروردگارے عشق را پیغمبرے

اس شعر کو سن کر شاہجہاں بہت ہی غضب ناک ہوا، حکم دیا کہ اس کو فوراً شہر بدر کر دیا

(بقیہ حواشی)

ہوش ربائے ہند برآمیختہ لہذا بغایت مرغوب و مطبوع مسامع و طبائع افتادہ، حصہ دوم ص ۲۳۰

۱؎ مرزا صائب کے حالات اور شاعری کی تفصیل کے لیے دیکھو شعرالعجم حصہ سوم و مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۹۸۔۹۹۔۱۰۰

Marfat.com

جائے، لیکن شیدا نے فوراً معذرت میں ایک قطعہ لکھا اور اپنی برأت کے لیے جامی کا مندرجہ ذیل شعر استشہاد میں پیش کیا۔

از صراحی دوبار قلقل مے　　　پیش جامی به ازچهار قل است

شاہجہاں کا غصہ فرو ہو گیا۔[1]

اسی قسم کا اور واقعہ قابل ذکر ہے، چندر بھان برہمن جو داراشکوہ کا میر منشی تھا، عاشقانہ اور صوفیانہ اشعار اچھے کہتا تھا، شاہزادہ داراشکوہ کے مزاج میں اس کو بہت دخل تھا، ایک بار شاہزادہ موصوف نے بارگاہ شاہی میں برہمن کے ایک شعر کی تعریف کی اور شاہجہاں سے بھی سننے کی درخواست کی۔ برہمن طلب کیا گیا، تو اس نے شعر عرض کیا کہ:

مرادیست بکفر آشنا که چندیں بار　　　به کعبه بردم و بازش برہمن آوردم

شاہجہاں کو یہ بیت سن کر غصہ آیا، مگر سعد اللہ خاں وزیر اعظم نے عرض کیا کہ گیتی پناہ! حضرت شیخ سعدی چار سو برس پہلے اس کے جواب میں فرما گئے ہیں کہ:

خرِ عیسیٰ اگر به مکه رود　　　چوں بیاید ہنوز خر باشد

شاہجہاں ہنس پڑا[2]۔

میر الٰہی و میر یحییٰ کاشی بھی شاہجہانی دربار سے تعلق رکھتے تھے، میر الٰہی اصفہان سے آکر شاہی دربار میں ملازم ہوئے، ۱۰۶۴ھ میں انتقال ہوا، تو غنی کشمیری نے یہ تاریخ کہی، ع

بردالہی ز جہان گوے سخن

۱۰۵۸ھ میں جب دارالخلافہ شاہجہاں آباد کی تعمیر ساٹھ لاکھ روپیہ کے خرچ سے تکمیل ہوئی، تو میر یحییٰ نے یہ تاریخ کہی۔

شد شاہجہاں آباد از شاہ جہاں آباد

شاہجہاں نے ایک ہزار روپیہ انعام میں دیا[3] اور ایک موقع پر شاہجہاں نے اس کو سو

۱۔ مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۸۳، و مراۃ الخیال ص ۴۹۔۱۴۸

۲۔ مخزن الغرائب قلمی نسخہ دار المصنفین اعظم گڑھ　　۳۔ مآثر الامراء جلد سوم ص ۴۶۹

Marfat.com

اشرفیاں بطور انعام عنایت کی تھیں ۔؎۱

میر رضی بن میر ابوتراب دانش رضوی مشہدی کو شاہجہانی دربار میں باریابی حاصل تھی ۱۰۶۵ھ میں شاہجہاں کی مدح میں ایک قصیدہ کہا، جس کا مطلع یہ تھا۔

بخواں بلند کہ تفسیرِ آیہ کرم است خطے کہ از کفِ دست مبارکش پید است

شاہجہاں نے اس پر دو ہزار روپے عنایت کئے ۔؎۲

مسیح حکیم رکنا کاشی ،ایک ''عیسیٰ نفس'' شاعر تھا، جو اکبر کے زمانہ میں ہندوستان آیا، جہانگیر کے دربار سے بھی منسلک رہا، شاہجہاں کی تخت نشینی کے موقع پر یہ تاریخ کہی۔

بادشاہِ زمانہ شاہجہاں خرم و شادو کامراں باشد

بہر سالِ جلوسِ او گفتم در جہاں باد تا جہاں باشد

شاہجہاں نے اس صلہ میں دو ہزار روپے عطا کئے، ۱۰۴۱ھ میں مشہد مقدس کی زیارت کو گیا، تو رخصت کرتے وقت شاہجہاں نے خلعت اور پانچ ہزار روپے دیئے ۔؎۳

دو اور شاعر قابل ذکر ہیں:

میرزا احسن رفیع قزوین کا رہنے والا تھا، ۱۰۵۴ھ میں ہندوستان آیا، شاہجہاں کے دربار میں باریابی ہوئی، تو خلعت اور تین ہزار روپے ملے اور شاہی ملازموں میں داخل کر لیا گیا، ۱۰۶۶ھ میں جشن وزن کے موقع پر ایک قصیدہ تہنیت کہا، تو ہزار روپیہ انعام ملا ۔؎۴

میر صیدی طہرانی، اصفہان سے ہندوستان آیا اور شاہی دربار میں ملازم ہو کر شاہجہاں کی زرپاشیوں سے سیراب ہوا، ۱۰۶۵ھ میں ایک قصیدۂ تہنیت کہا، جس کا مطلع یہ تھا:

زہے جہانِ خدارا سپہر عدل و کرم

بزیر سایۂ قدرِ تو نیّر اعظم

؎۱ مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۸۶ ؎۲ ایضاً ص ۸۷

؎۳ ایضاً ص ۸۹ ؎۴ ایضاً ص ۱۰۸

Marfat.com

شاہجہاں نے اس کے صلہ میں ہزار روپے دیئے۔[۱]

عبد الحمید لاہوری نے شاہجہانی دربار کے ایک اور شاعر سعیدائے گیلانی المخاطب بہ بے بدل خان کا ذکر کیا ہے، وہ اس کی شاعری کا بہت مداح ہے [۲]، سعید نے شاہجہانی جلوس کی تاریخ اس مصرع سے نکالی۔

جلوس شاہجہاں دادہ زیب ملت و دین

شاہجہاں کی زر پاشیوں اور علم نوازیوں کے سلسلہ میں ایک اور واقعہ قابلِ ذکر ہے، یمین الدولہ نے ترہت دو برہمنوں کو دربار میں پیش کر کے عرض کیا کہ یہ دونوں دس بندی بیتیں جو دس شاعروں نے تازہ کہی ہوں اور کسی نے نہ سنی ہوں، ایک بار سن کر یاد کر لیتے ہیں اور اسی وزن اور مضمون میں دس شعر فی البدیہہ کہہ دیتے ہیں، امتحان ہوا، تو سچ ثابت ہوا، شاہجہاں نے دونوں کو خلعت اور ہزار ہزار روپے انعام میں دیئے۔[۳]

فضلاء:

مندرجہ ذیل فضلاء دربار شاہی سے منسلک تھے۔

علامی سعد اللہ خان، شاہجہانی عہد میں سعد اللہ خان کو اپنی علمی فضیلت اور سیاسی تدبر میں وہی درجہ حاصل تھا، جو علامی ابوالفضل کو دربار اکبری میں تھا، سعد اللہ خان کے تبحر علمی کے تمام معاصر مورخین معترف ہیں۔ عبد الحمید لاہوری سعد اللہ کا تعارف اس طرح کراتا ہے:

"چوں گرامی توجہ کشور خدیو گیتی خدا با حتشا وفضلا نامدار وارتباط فصحاء بلاغت دثار مصروف است و بمسامع مقدس کہ ہموارہ شاہراہ بشایر باد رسید، کہ ملا سعد اللہ کہ موطن و منشاء او

[۱] مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۱۱۱ [۲] اس کے کلام کے نمونے بادشاہ نامہ جلد اول ص ۳۵۶ پر ملاحظہ ہوں

[۳] بادشاہ نامہ حصہ اول ص ۲۶۹

Marfat.com

دارالسلطنته لاہور است بحلیه فضائل و کمالات عقلی و نقلی و حفظ قرآن مجید و حسن تقریر و لطف تحریر متحلیٰ است، در ذہین و قادوفکر نقادو کثرت معلومات و بسطت مدمامت مشارك و مساہم ندارد، بموسوی خان صدر حکم شد که آن حاوی فضائل رابسعادت بساط بوس مستسعد گرداند، خان مذکور، روزِیك شنبه ہفدہم ایں ماہ(رمضان) اورا بایں دولت عظمی فایز گردانید، پادشاہ دوربیں ثواب گزیں از خطوط پیشانی او استعداد کار گذاری و کار وانی دریافته، درسلك زمرۂ بندگان منسلك گردانید ند"[۱]

یہی بات عملِ صالح جلد دوم میں اس طرح مذکور ہے:

"......در رمضان سه یك ہزار و پنجاه بصدارت و سفارش زبده سلسله حضرت خیر البشر موسوی خان صدر کل بدریافت، شرف حضور ماذون گشته، در مجلس اوّل از پرتو کمال قدرشناسی و مرتبه دانی حضرت خلافت مرتبت استعدادش صورت نمودپذیرفت و ببرکت تمیز اشرف و فطرت دقیقه رس آنحضرت مقدار کمال آن بلند اقبال پدیدار گشته، دقت طبع و جدت فہم و کثرت فراست وحدس صائب و استنباط وقائق و دریافت حقایق و تفصیل تحصیل ابواب دانش آن جامع فضائل وہبی و کسبی خاطر نشان اہلِ علم گشت، چون

---

[۱] بادشاہ نامہ ص ۲۲۰

Marfat.com

ہمگی ہمت بادشاہ ہنرپروردانش نواز در ترویج شرح مبین و امداد و تقویت اکابردین و اشراف و تعظیم علماء و صلحا و تربیت طلبہ علم و حسن اہتمام درپیش آوردن طائفہ مذکور مصروف است ببرکت ہمزبانی خاص آنحضرت کہ ہم خاصیت آب زندگانی است حیات جاودانی یافتہ بر وزمانہ مناسب وخلعت و اسپ سرفراز گردیدہ درزمرۂ بندگان منسلک گشت.........رفتہ رفتہ کاران جامع الکمالات از عنایت خاص آنحضرت بجاے کشید، کہ در سال دوم بمنصب جلیل القدرسہ ہزاری و دوہزار سوار و خدمت خانسامانی سر بلند گشتہ ،درانجمن ہمدم ودمساز ودرخلوت محرم و ہمراز گشت و درسال چہارم ازفیض تربیت سحاب آن ابر گوہر بار سپہر قدر شناسی نہال اقبالش طولیٰ مثال بالیدہ زینت افزائے بوستان وزارت کل ہندوستان گشت ودر سال ہفتم بعنایت منصبِ ہفت ہزاری ہفت ہزار سوارازا نجملہ پنجہزاردو اسپہ سہ اسپہ و دہ کرور دام انعام و خطاب علامی و فہامی د قایق مراتب کمالات ازار تفاع درجات آسمانی در گذرانید"۔[۱]

افضل خان: شکر اللہ نام افضل خان خطاب تھا۔ شیراز کا رہنے والا تھا، ابراہیم ہمدانی اور میر تقی الدین محمد سے تعلیم حاصل کر کے جہانگیر کے زمانہ میں ہندوستان آیا اور شاہی ملازمت میں داخل

---

۱ عملِ صالح جلد دوم ص ۳۳۶

Marfat.com

ہوا۔ جب جہانگیر نے شہزادہ خرم کو اودے پور کی مہم پر بھیجا، تو شکر اللہ ساتھ گیا، یہاں اس نے قابلِ قدر خدمت انجام دی، جہانگیر نے افضل خان کا خطاب دیا۔ شاہجہاں جب سریر آرا ہوا، تو وہ اپنی لیاقت و قابلیت کے سبب وزارت کے عہدہ جلیلہ پر مامور ہوا، ہفت ہزاری و چار ہزار سوار کے منصب پر فائز تھا۔[۱]

ملا محمد فاضل: بدخشان کے رہنے والے تھے، کابل، توران، شیراز سے علم معقول و منقول حاصل کر کے ہندوستان آئے، تفسیر اور اصول کی تعلیم ملا جمال لاہوری سے حاصل کی۔ اپنی لیاقت کے سبب ''عدالت اردوئے گیہان'' پر فائز تھے۔

ملا یوسف: لاہوری، تفسیر اور منقولات کے ماہر تھے۔

عبدالسلام دیوی: معقول منقول، فقہ اور اصول فقہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے، شاہی فوج کے ساتھ منسلک تھے۔

قاضی محمد زاہد کابلی: کابل میں شاہی قضات پر مامور تھے، یہ وہی ہیں، جن کی تالیف میر زاہد رسالہ معقولات میں درس نظامی کی اونچی کتاب سمجھی جاتی ہے۔

قاضی محمد اسلم: ہرات میں پیدا ہوئے، بخارا میں علوم دینیہ حاصل کیا، جہانگیر کے عہد میں ہندوستان آئے، ان کی دین داری و پرہیزگاری سے متاثر ہوکر جہانگیر نے لشکر کا قاضی بنایا، شاہجہان نے ان کو امامِ خاص بنایا۔

قاضی محمد سعید: کرہرودی، کچھ دنوں تک داروغہ رہے، پھر ''عرض مکرر'' کی خدمت انجام دی۔ آخر میں بیوتات نوازش کے دیوان تھے، ہزاری منصب پر فائز تھے۔

ملا میرک شیخ ہروی: ہرات سے ہندوستان آئے، پھر مکہ معظمہ گئے، وہاں حدیث کی تعلیم حاصل کی، ہندوستان آئے، تو شاہجہاں نے داراشکوہ اور مراد بخش کی تعلیم کے لیے مقرر کیا۔

ملا عبداللطیف سلطان پوری: تقریر و تحریر اور علمی تحقیق و تدقیق میں یگانۂ روزگار تھے، داراشکوہ

---

[۱] بادشاہ نامہ جلد اول ص ۳۳۹

Marfat.com

کی تعلیم کے لیے مقرر تھے، آنکھوں کی بصارت جاتی رہی، تو شاہجہاں نے چند مکانات ان کو بطورِ انعام دئے اور اجازت دی کہ وطن جا کر علوم دینیہ کا درس دیں۔

میر محمد ہاشم: معقولات، منقولات، طب اور ریاضی کے عالم تھے، شاہجہاں نے ان کی لیاقت کو دیکھ کر تمام ملک کی ''صدارت وطبابت'' کی خدمت پر مامور کیا، پھر اورنگ زیب کی تعلیم انہی کے سپرد کی گئی، تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھ کر شاہجہاں کے نام سے معنون کیا۔

شیخ محمد: مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، وہاں سے تعلیم حاصل کر کے ہندوستان آئے، پرہیزگاری نیک کرداری اور دوسرے فضائل متصف تھے، شاہجہاں نے دارالسلطنت کا میر عدل مقرر کیا۔[1]

ملا عبدالحکیم سیالکوٹی: مآثر الکرام میں ان کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

> علامہ زمان افتخار زمانیان است، الحق درجمیع فنون درسی مثل اواز زمینِ ہند برنہ خاست، آثار دانش بایں کیفیت وکمیت وحُسن وقبول بر صفحہ روزگار نداشت، مولدومنشاء اوراسیالکوٹ ازتوابع لاہوراست ...... چون نوبت دارائے ہندستان بہ صاحبِ قرآن شاہجہان انارالله برہانہ، رسیدوطائفہ علماء و شعراء رارواجے دیگرپدیدآمد، ملّادریں عہد بارہاخود رابہ درگاہ خلافت رسانید، برگاہ وارِ دحضورمی گردید، بہ رعایت نقود تا معدو دمخصوص می گشت، ودوباربہ زر سنجیدہ شد[2] ومبالغ ہم سنگ ہم گرفت و چند قریہ بہ رسمِ سیور غال انعام شد ملا بہ

[1] مذکورۂ بالا علماء کے حالات کے لیے دیکھو بادشاہ نامہ جلد اول از عبدالحمید لاہوری ص ۳۴۶۔۳۳۹

[2] مزید تائید کے لیے دیکھو بادشاہ نامہ، جلد اول ص ۳۴۱

Marfat.com

حضور خاطروفراغ بال د روطنِ مالوف اقامت داشت وتخم علمِ و فضل درسرزمین سینہ ہاوسفینہ ہاسی کاشت، تصانیفِ او دربلادِ عرب وعجم سائرودائرداشت "[۱]

شیخ عبدالحق دہلوی: ان کا ذکرِ خیر عبدالحمید لاہوری ان الفاظ میں کرتا ہے۔

"مجمع فضائل صوری و معنویست......او در فنون دانش یکصد و کسریٰ از تصانیف مختصرہ و مطولہ دارد، بآن کہ عقودِ زندگیش تبسعین پیوستہ است ازسلامت قوی بانواع طاعات وریاضات وتعلیم وتالیف وتصحیح بسان ایّام شباب می پرداز دازاعقابِ او ہفت تن تحصیل علوم رسمیہ نمودہ بافادہ مشغول اند......"[۲]

مگر یہ نہ معلوم ہوسکا کہ شیخ صاحب کا لگاؤ شاہجہانی دربار سے کیا تھا۔

ملا فرید دہلوی: یمین الدّولہ آصف خان کے حسنِ اہتمام سے ملا فرید دہلوی نے اور منجموں کی مدد سے ایک زیچ تیار کی، جس کا نام زیچ شاہجہانی رکھا، شاہجہاں کے سامنے جب یہ زیچ پیش کی گئی، تو اس نے عام استصواب کی خاطر ہندستانی زبان میں ترجمہ کے لیے حکم دیا۔[۳]

میر محمد صالح مشکین قلم: میر عبداللہ زریں رقم کا لڑکا تھا، ایک کتاب مناقب مرتضوی لکھ کر شاہجہاں کو گذرانی، شاہجہاں نے چند اوراق دیکھے، تو بہت پسند کی، پانچ ہزار روپیہ اور ایک ہاتھی انعام میں دیا۔[۴]

---

۱ تصانیف کی فہرست کے لیے دیکھو مآثر الکرام دفتر اول ص ۲۰۵ ۲ بادشاہ نامہ جلد اول ص ۳۴۲
۳ عمل صالح جلد اول ص ۳۶۱ ۴ خافی خان جلد اول ص ۶۰۵

Marfat.com

ہندو اہل علم: چندر بھان برہمن، یہ عہد شاہجہانی کا سب سے بڑا ہندو ادیب تھا، پنجابی برہمن تھا، لاہور میں پیدا ہوا، ملا عبدالکریم سے تعلیم حاصل کی، آگے چل کر فارسی زبان کا باکمال شاعر ہوا، برہمن تخلص کرتا تھا، اس کا فارسی دیوان اب تک کتب خانوں میں موجود ہے، فارسی ادب میں بڑی دست گاہ حاصل کی تھی، اس لیے دربار شاہی کے سلکِ ملازمین میں داخل ہوکر وقایع نویس یعنی شاہی تاریخ وروزنامچہ کا چیف ایڈیٹر مقرر رہا، اس عہدہ جلیلہ کے باعث وہ روزانہ دربارشاہی میں حاضر ہوکر ہر روز کے مرتبہ واقعات وحالات سناتا تھا، ۱۰۵۵ء میں اوس نے چہار چمن میں برہمن لکھ کر نوروز کے موقع پر سرہند میں دربار شاہجہانی سے گذرانی، آخر میں دار اشکوہ کا میر منشی ہوا۔[۱]

شاہجہان اکبر جہانگیر کی طرح ہندو اہلِ کمال کی برابر سرپرستی کرتا رہا۔ ۱۰۶۱ھ میں ایک ہندی شاعر نے اس کے نام پر ایک کبت کہی تو اس کو دو ہزار روپے اور ایک ہاتھی مرحمت کیا[۲] ہندی شاعری میں سندر اس کے دربار کا ملک الشعرا تھا، اس کی تصنیف ''سندر سرنگار'' اور ''سنگھاسن بتیسی'' برج بھاشا میں مشہور ہے ہندی کے مشہور شعرا چنتامنی اور راجہ شمبھوناتھ سنگھ بھی اس کے دربار سے منسلک رہے چنتامنی سہتا یعنی ترکیب نظم کا استاد تھا۔ راجہ شمبھوناتھ نے شاہجہاں کی فرمائش سے کوندراکلب لتا لکھی، اس کتاب میں شاہجہاں شکوہ اور جہان آرا بیگم کی مدیحہ نظمیں ہیں۔

ان ارباب علم کے علاوہ شاہجہاں کے عہد میں مندرجہ ذیل علما وشعراء بھی تھے، جن کا ذکر قزوینی کی شاہجہاں نامہ میں ہے۔

(۱) سیّد بخاری گجراتی، (۲) سیّد جمال الدین، (۳) شیخ میر لاہوری، (۴) خواجہ خوند محمود، (۵) شیخ بہلول قادری، (۶) مرزا ضیاء الدین، (۷) مولنا محب علی، (۸) شیخ نذیری، (۹) ملا شکر اللہ شیرازی، (۱۰) میر ابوالقاسم ایرانی۔[۳]

---

[۱] دیکھو معارف جلد۳ نمبر۴، مضمون ہندوؤں کی علمی وتعلیمی ترقی، از علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ، نیز مخزن الغرائب از سندیلوی۔ [۲] خافی خان جلد اول ص ۷۰۶

[۳] یہ نام نریندر ناتھ کی کتاب ''پروموشن آف محمدن لرننگ'' سے لیے گئے ہیں۔ قزوینی کی شاہجہاں

Marfat.com

مورخین: شاہانِ مغلیہ کو تاریخ سے خاص ذوق رہا ہے اس لیے ہر حکمراں کے عہد حکومت میں تاریخ نویسی کا خاص محکمہ رہا، شاہجہاں نے اس ذوق کی تکمیل کے لیے متعدد اہلِ قلم کی خدمات حاصل کیں، چناں چہ ان کی فرمائش سے جو تاریخیں مرتب ہوئیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ بادشاہ نامہ از محمد امین قزوینی،

۲۔ بادشاہ نامہ از عبدالحمید لاہوری،

۳۔ بادشاہ نامہ از محمد وارث،

۴۔ شاہجہاں نامہ از مرزا جلال الدین طباطبائی،

محمد امین: قزوینی، محمد امین ابن ابوالحسین قزوینی ایران سے آکر پانچویں سن جلوس میں شاہجہانی دربار میں منشی کے عہدے پر مامور ہوا، شاہجہاں اپنے دربار کے موجودہ تاریخ نویسوں کی کارکردگی سے خوش نہیں تھا، اتفاق سے قزوینی نے بندیلہ کی جنگ کے حالات لکھ کر پیش کیے، شاہجہاں اس کی لیاقت سے خوش ہوا، ۱۰۴۵ھ یعنی آٹھویں سن جلوس میں قزوینی سے فرمایش کی کہ وہ اس کی پیدایش سے موجودہ عہد تک کی ایک مفصّل تاریخ لکھے، قزوینی نے ابتدائی دس سال کے احوال قلم بند کیے، دوسرے دس سال کی تاریخ لکھنا چاہتا تھا، لیکن بعض نامعلوم اسباب کی بنا پر نہ لکھ سکا، اعمل صالح میں ہے۔

> "مرزا امینا در اصطلاحات زبان فارسی مہارتِ تمام داردو قاعدہ فنِ انشاء رابقانون می شناسد، شاہد سخنش از لباسِ تکلف مبّرا است و صاحب طبع و ذہین مستقیم و فکر رسا سابق خدمت نگارش بادشاہ نامہ بدو متعلق بود و بعد ازان بخدمت جمع و قائع می پرداخت، مردے

(بقیہ حواشی) نامہ میری نظر سے نہیں گذری۔ اس لیے ان علماء و شعراء کے حالات اور اون کے شاہی دربار سے لگاؤ پر روشنی ڈالنے سے قاصر ہوں۔

۱؎ الیٹ جلد ۷ ص ۱، برٹش میوزیم کیٹلاگ ص ۲۵۹

Marfat.com

خوش ظاہر و خوش محاورہ بود۔"

عبدالحمید لاہوری: عبدالحمید کا مولد اور مسکن لاہور تھا، علامی ابوالفضل کا شاگرد تھا، اس لیے اسی کے طرزِ انشاء میں لکھنے کی مہارت رکھتا تھا، لیکن زمانہ کی نا مساعدت سے ٹھٹہ [1] میں آ کر عزلت نشیں ہو گیا تھا، اس کے ادب و انشاء کی خبر شاہجہاں کو ملی، تو اس نے اس کو دربار میں طلب کیا، شاہجہاں چاہتا تھا کہ ابوالفضل کی "اکبر نامہ" کے طرز پر اس کی حکومت کی بھی تاریخ لکھی جائے، چناں چہ عبدالحمید کو اسی خواہش کو ملحوظ رکھتے، ہوئے تاریخ نویسی کے لیے مامور کیا، عبدالحمید خود لکھتا ہے:۔

"بوسیلۂ بعضی از ملتر مان بساط تقرب بعرض اشرف اقدس رسید، کہ عبدالحمید لاہوری المولدو المنشاء کہ دل رمیدہ را از اختلاط این و آن و خاطر شوریدہ را ازارتباطِ فلاں و بہماں وا ر پرداختہ در معمورہ پٹنہ بزاویہ تنہائی و پیغولہ بے نوائی در ساختہ است، روش سخن پردازی وطرازانشا طرازی شیخ ابولفضل نیک فرا گرفتہ، اگر نگارش معالی و مکارم این دولت والا و گذارش محامد و مآثراین سلطنت دست بالا، بدوباز گذاشتہ آید، ہر آئینہ این تالیف منیف و این تصنیف شریف بنہجے کہ در خاطر دور بیں صواب گزیں مرکوز است نگاشتہ بود"۔[2]

---

[1] الیٹ ٹھٹھہ کے بجائے پٹنہ لکھتا ہے۔ ایشیاٹک سوسائٹی کے مطبوعہ نسخہ میں بھی پٹنہ لکھا ہے لیکن اورنٹیل لائبریری پٹنہ کے فاضل کیٹلاگر نے صاف طور سے بتایا ہے کہ پٹنہ نہیں بلکہ ٹھٹہ ہے۔ پٹنہ کتابت اور پڑھنے کی غلطی ہے۔ ملاحظہ ہو کیٹلاگ جلد ۷، ص ۶۸

[2] بادشاہ نامہ جلد اوّل ص ۱۰

Marfat.com

یہ تاریخ شاہجہاں کی بیس سال کی حکومت پر مشتمل ہے۔عمل صالح کا مصنف لکھتا ہے کہ شاہجہاں اس کی خدمت سے اس قدر خوش تھا کہ اس نے دو مرتبہ اس کو روپے میں تلوا کر انعام عطا کیا۔

محمد وارث: آخر میں کبرسنی اور ضعف کے سبب عبدالحمید اس فرض کو انجام نہیں دے سکتا تھا، اس کے شاگرد محمد وارث کے ذمہ یہ خدمت سپرد کی گئی، جس نے بقیہ دس سال کی تاریخ کو مکمل کیا، وارث لکھتا تھا اور علامی فہامی سعد اللہ خان دیکھتے تھے، پھر علماء الملک طونی المخاطب بہ فاضل خاں جو شاہجہانی عہد میں خانساماں کے عہدہ پر ممتاز تھا اور اورنگ زیب کے زمانہ میں وزیر ہوا، اس پر نظر ثانی کیا کرتا تھا، آخر کا کچھ حصہ اس نے خود لکھا۔[1]

مرزا جلالہ طباطبائی: اصفہان سے ہندوستان ۱۰۴۴ھ میں آیا، شاہجہاں کے درباری مورخین میں داخل ہوا، پانچ برس کی تاریخ لکھنے پایا تھا کہ دشمنوں نے اس کے خلاف سازش کی اور وہ اس خدمت سے محروم کر دیا گیا، شش فتح کانگڑہ اسی کے رشحاتِ قلم کا نتیجہ ہے، اس میں شاہجہاں کی شاندار فتح کا حال لکھا ہے اور کمال یہ کیا ہے کہ ایک ہی واقعہ کی تحریر میں چھ قسم کا طرز اختیار کیا ہے۔[2]

درسگاہیں: ان درسگاہوں کو جو اکبرو جہانگیر اور ان کے امراء نے قائم کیں، شاہجہاں نے نہ صرف ان کو بجنسہ رہنے دیا، بلکہ انھیں فروغ دینے کی کوشش کی، ان کے علاوہ جامع مسجد دہلی کے ہمسایہ اس نے ایک مدرسہ دارالبقاء نامی قائم کیا، جس میں طلبہ معقول و منقول کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔[3]

جنوری/فروری ۱۹۳۷ء

۱۔ الیٹ جلد ۷ ص ۱۲۱

۲۔ اس عہد کی اور بھی مشہور تاریخیں ہیں مثلاً محمد صالح کی عمل صالح دو جلد اور محمد صادق خان کی شاہجہاں نامہ مگر ان مورخوں کا بظاہر کوئی تعلق شاہی دربار سے نہیں معلوم ہوتا ہے۔اس لیے اس مضمون میں ان کا ذکر ضروری نہیں سمجھا گیا۔

۳۔ آثار الصنادید از سرسید احمد خان باب تیسرا ص ۱۲

Marfat.com

عالمگیر کا علمی ذوق

''جسمانی ہمت اور برودت کے علاوہ اس نے اوائلِ زندگی ہی سے بادشاہت کی مشقوں اور خطروں کو اپنا شیوہ بنالیا تھا اور اس عظیم الشان عہدہ کے لیے احترامِ ذات، معرفتِ ذات اور ضبط نفس سے اپنے کو تیار کیا۔ بادشاہوں کے لڑکوں سے بالکل مختلف اورنگ زیب ایک وسیع النظر اور صحیح الطبع عالم تھا اور زندگی کی آخری سانس تک کتابوں سے محبت کرتا رہا، اگر ہم قرآن شریف کے ان متعدد نسخوں کو نظر انداز بھی کردیں، جن کو اس نے اپنے ہاتھوں سے ایک عابد کی سرگرم ریاضت کے ساتھ لکھا، تو بھی ہم اس کو فراموش نہیں کرسکتے کہ وہ ایک مشغول حکم راں ہونے کے باوجود اپنی قلیل فرصت کو عربی کی فقہ اور مذہبی کتابوں کے مطالعہ میں شوق سے گذارتا اور پرانے اور نادر مخطوطات مثلاً نہایہ، احیاء العلوم اور دیوانِ صائب کی کتابوں کے ایک کاہل عاشق کی ہوس سے ڈھونڈتا، اس کے کثیر رقعات اس کی فارسی شاعری اور عربی ادب پر قدرت کی دلیل ہے، کیوں کہ وہ ہمیشہ اپنے ہر ایک خط کو مناسب اشعار و اقتباسات سے مزین کرتا ہے۔ عربی اور فارسی کے علاوہ وہ ترکی اور ہندی بھی آزادی کے ساتھ بول سکتا تھا، یہ اسی کی جودتِ طبع اور سرپرستی کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے پاس ہندوستان میں مسلمانوں کے قانون کا سب سے بڑا خلاصہ فتاوی عالمگیری ہے، جو نہایت مناسب طور پر اسی کے نام کے ساتھ منسوب ہے اور جس نے مابعد کے عہد میں ہندوستان میں اسلامی انصاف کو واضح طور پر صاف کرکے آسان کردیا ہے۔''[1]

یہ الفاظ اورنگ زیب کے اس سیرت نگار کے ہیں، جس نے اس کے خلاف تعصب اور عداوت کا اظہار کرنا اپنی زندگی کا واحد اور معنی خیز مقصد سمجھا ہے۔ ایک مخالف مورخ کی مذکورۂ بالا رائے عالمگیر کے علم کے حسنِ ذوق کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے، مگر اس مختصر بیان کی تشریح کے لیے ہم تفصیلات کی دل چسپی میں ضرور پڑیں گے، گو اس موضوع پر اہلِ قلم مختلف پیرایوں میں اظہار خیال

---

[1] اورنگ زیب جلد پنجم از جادو ناتھ سرکار، ص ۴۷۴

Marfat.com

کر چکے ہیں ا ڈر ہے کہ کہیں تکرار نہ پیدا ہو جائے۔

اورنگ زیب کے فطری علمی ذوق کی جلا لایق اور قابل اساتذہ کی تعلیم و تربیت سے ہوئی، جن اُستادوں سے اورنگ زیب نے فیض حاصل کیا۔ وہ یہ تھے۔

مولینا عبداللطیف سلطان پوری ۲، ہاشم گیلانی ۳، ملا موہن بہاری ۴، علامی سعد اللہ ۵، مولینا سید محمد قنوجی ۶، ملا شیخ احمد معروف بہ ملا جیون ۷، شیخ عبدالقوی ۸، دانشمند خان۔

مولانا عبداللطیف معقولات اور منقولات میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ ہاشم گیلانی کا ذکر شاہجہاں کے دربار کے فضلاء کے سلسلے میں آچکا ہے، وہ علم معقولات اور منقولات کے علاوہ طب اور ریاضی کا ممتاز عالم تھا۔ ملا موہن بہاری حافظ تھے۔ علامی سعد اللہ کا بھی ذکر آچکا ہے۔ مولینا سید محمد قنوجی ریاضی اور ادب کے ماہر تھے۔ ملا جیون تفسیر اور فقہ کے جید عالم تھے، اپنی تفسیر احمدی اور نورالانوار کی وجہ سے اب تک ہندوستان میں مشہور ہیں۔ دانشمند خان کو تصوف و اخلاق پر عبور تھا۔ اورنگ زیب نے امام غزالی کی احیاء العلوم اسی سے پڑھی۔ اورنگ زیب امام غزالی کی کتابوں سے خاص ذوق رکھتا تھا۔ ایک رقعہ میں شہزادہ اعظم جاہ سے ان کی ایک تصنیف تبر المسبوک ۹ کی فرمایش تاکید کے ساتھ کرتا ہے ۱۰، عالمگیر نے چار زبانیں سیکھیں۔ عربی، فارسی، ترکی اور ہندی، عالمگیر نامہ میں ہے:۔

"آن زبان سروش بخت و اقبال اگرچہ اکثر اوقات بزبان سلیس

ا اورنگ زیب کی تعلیم و تربیت انشاء و ادب پر جناب سید نجیب اشرف صاحب ندوی ام اے سابق رفیق دارالمصنفین (حال پروفیسر اسماعیلیہ کالج بمبئی) نے مقدمہ رقعات عالمگیر میں نہایت فاضلانہ ابواب لکھے ہیں۔ موجودہ مضمون کی ترتیب میں ان سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

۲ تذکرۂ علمائے ہند ص ۸۳ ۳ عبدالحمید لاہوری جلد اول حصہ دوم ص ۶۵

۴ مآثر الکرام ص ۴۳ ۵ احکام عالمگیری ص ۴ ۶ تذکرۂ علمائے ہند ص ۸۳

۷ مآثر الکرام ص ۱۷ ۸ مآثر الامراء جلد اول ص ۲۲۵

۹ التبر المسبوک فی اخلاق الملوک چھپ گئی ہے۔ اس میں امام نے سلاطین کے ضروری اخلاق و عادات اور طرز سیاست پر گفتگو کی ہے۔ ۱۰ احکام عالمگیری

Marfat.com

ملیح فارسی تکلّم می نماید، لیکن ترکی چغتائی رابغایت خوب می دانند و باترکان بدان زبان سخن می کنند و با جمعی از اہلِ ہند کہ فارسی نمی دانند یا نیکو نمی توانند گفت بضرورت زبان بلغت ہندی می کشایند"۔[1]

اس تعلیم و تربیت کا جو لازمی نتیجہ ہونا چاہئے تھا، وہ ہوا، تجرّ علمی، کثرتِ مطالعہ اور وسیع النظری میں اورنگ زیب تمام تیموری حکم رانوں پر فوقیت اور افضلیت رکھتا تھا۔ عالمگیر نامہ میں اس کے علم و فضل کا اعتراف ان لفظوں میں ہے:

"از کمالاتِ کسبیہ آنحضرت کہ زینت بخشِ حالات قدسیہ وہبیہ گشتہ، تتبع علوم دینیہ ازحدیث و تفسیر عربیہ و فقہ شریف حنفیہ است ،ازبس بممارست مراتب شرعیہ و استکشاف عقائد اصلیۃ و مسائل شرعیہ اشتغال ورزیدہ اند،قوت حافظۂ اشرف مخزن این حقائق شدہ و بسیاری از کتب طریقت و سلوک و اخلاق چون احیاء العلوم و کیمیاے سعادت و دیگر تصانیف عرفاوا کابر رسائل و مؤلفاتِ علماے باطن و ظاہری بمطالعہ ہمایون رسید حل...... عضلات و کشف اسرار آن فرمودہ اندو بالفعل نیز بعد فراغ از نظم مہام سلطنت وسروری تمہید مراسم دین پروری و عدالت گستری باین شرائف اشغال پیوستگی دارند۔"[2]

اسی چیز کو مآثر عالمگیری کا مصنّف ان مختصر الفاظ میں پیش کرتا ہے:۔

"از کمالات کسبیۂ آنحضرت کہ زینت بخش حالاتِ و ہبیہ گشتہ ،تتبع علوم دینیہ از تفسیر و حدیث و فقہ است و تصانیف امام حجۃ الاسلام محمد غزالی

---

[1] عالمگیر نامہ،ص ۱۰۹۵ [2] عالمگیر نامہ،ص ۱۰۹۱

Marfat.com

رحمته الله علیه و انتخاب مکتوبات شرف الدین یحیٰ
منیری و شیخ زین الدین قدس سرّ ہماو قطب محی
شیرازی رحمته الله واز ین قبیل کتب دیگر ہمواره
بقدسی بمطالعۂ در آمد۔"[1]

اورنگ زیب حافظِ قرآن بھی تھا اور یہ سعادت تیموری بادشاہوں میں صرف اسی کو حاصل تھی اور سب سے بڑھ کر تعجب کی یہ بات ہے کہ اورنگ زیب نے کلامِ پاک اس وقت حفظ کیا، جب وہ اپنی عمر کے تینتالیسویں سال میں تھا اور یہ دولت صرف ایک سال کے اندر جمع کی ۱۰۷۱ھ میں حفظ کرنا شروع کیا اور ۱۰۷۲ھ میں ختم کیا۔ سنقرنک فلاتنسی سے ابتداء کی اور لوح محفوظ سے اختتام کی تاریخ نکلتی ہے۔ اورنگ زیب کے ایک درباری شاعر نے اس موقع پر یہ شعر کہا۔

تو حامئی شرع و حامی تو شارع
تو حافظِ قرآن و خدا حافظ تو[2]

عالمگیر نامہ میں ہے:

"وازجلائل فضائل آن خدیو یزدان پرست توفیق حفظ تمام کلام مجید ربانیت در عین اوان سلطنت و جہانبانی و زمان اشتغال بامور ملک رانی و کشور ستانی کہ ہیچ یك از سلاطین اسلام و دین پرورانِ باستانی را ایں خصیصۂ سعادت چہرۂ آرای دولت نگشتہ و عزیمت این مقصدِ بلند و داعیہ ہمت پسند در خاطر نگذشتہ بلکہ کمتری ازارباب فضل و

---

[1] مآثر عالمگیری، ص۵۳۲ اس بیان کی تائید انہی الفاظ کے ساتھ مراۃ العالم مصنفہ بختاور خان سے ہوتی ہے (قلمی نسخۂ دارالمصنفین)۔

[2] ایضاً ص۵۳۲ و عالمگیر نامہ، ص۱۰۹۲ و مراۃ العالم قلمی نسخہ۔

Marfat.com

کمال و اصحاب علم و معرفت را این کرامت و شرف دست نداده اگرچه ہم از مبادی حال دولت و اقبال برخی از سور کریمۂ قرآنی و بسیاری از آیات بینات فرقانی محفوظ خاطر اقدس بود لیکن حفظ مجموع کلام اللہ ازان بادشاہ خدا آگاہ بعد جلوس براورنگ حشمت و جاہ اتفاق افتادو چون بہ نیردی تائید ربّانی این خطرۂ الٰہی و داعیہ آسمانی بر باطن تقدس سوطن پر تو افگند بمیامنِ ہمت بادشاہانہ و عزیمت خسروانہ ویاوری توفیق کردگارو مساعدت بخت سعادت آثار در عرض اندك وقتی و مختصر فرصتے مجموع کلام مجید وفرقان حمید بارعایت مراتب قرات و شرائط تجوید و ادراك شان و نزول آیات بینات و تفسیر معانی و فہم اسرار ونکاتِ آن بر لوحۂ حافظۂ اشرف کہ لوح محفوظ اسرارغیبی است مرتسم گشت، چنانچہ تاریخ شروع آن حفظ شریف راحروف کریمہ سنقرئك فلا تنسٰی بحساب جمل پردہ از رخ می کشاید و تاریخ اتمامش ازاعداد لوح محفوظ جلوۂ ظہور می نماید"۔[1]

اورنگ زیب فنِ خطاطی میں یدطولیٰ رکھتا تھا، یہ فن اوس نے سیّد علی خان الحسینی جواہر[2] رقم اور عبدالباقی حداد[3] (عبداللہ) سے سیکھا، چناں چہ اس کو خط نسخ اور خط نستعلیق لکھنے میں کامل مہارت تھی۔ منشی کاظم مصنفِ عالمگیر نامہ لکھتا ہے۔

"از رتبۂ خط و حسن تحریر آن شہنشاہ فلاطون فطنت سکندر نظیر کہ صفحاتِ روزگار و اوراق دفاتر لیل ازان زینت پذیر است خامہ نکتہ پرداز جادو فن راچہ یا راے دم زدن بقدرت کلك بدائع آثار معنی استادی و سحر نگاری

[1] عالمگیر نامہ ص ۱۰۹۲ [2] تاریخ خوشنویسان ہند ص ۵۷ [3] ایضاً ۱۲۵

Marfat.com

راچنان بر کرسی نشانیده اند که دست استاد ان اقالیم سبعه خط بدان نبتواندرسید و برشحۂ فیض اناملِ دربار نهال سوزون قلم را در خوشنویسی شاخ و برگی بخشیده که یکتایان صنعت خط از تتبع آن شیوه جز خجلت نمبری نتواند چید، خطِ نسخ آن حضرت که رقم نسخ خط یاقوت و صیرفی تواند بود ،در غایت پختگی و سزه و متانت و اسلوب است و کمال قدرت درنوشتن آن دارند اکثراوقات توفیق ثواب اندوزی کتابت کلام الله از ضمائم عبادات و کرائم عادات آن شهنشاه دین پناه است...... خط نستعلیق آنحضرت بے شائبه اطرای مدح طرازی و اغراق نکته پردازی دران رتبه است که قطعهاے که درعین ایاّم ذوق و سرگرمی مشق رقم پذیر خامه اشرف گشته بقطعهاے خوب استادان که عمر گرانمایه صرف تحصیل آن سرمایه ساخته به تکمیل امرے دیگر نه پرداخته اند درنظر خط شناسان مبصّر مشتبه می شود و شکسته نستعلیق در غایت مغزداری و صفامتانت و پختگی می نویسند۔[1]

مآثر عالمگیر میں ہے:

"خط نسخ آنحضرت در غایت متانت و اسلوب بودو کمال قدرت در نوشتن آن داشتنده و خط نستعلیق و شکسته نیز بغایت خوب نوشتند۔[2]

---

[1] عالمگیر نامہ ص ۴۔۱۰۹۳ [2] مآثر عالمگیری ص ۵۳۲ مراۃ العالم

Marfat.com

بختاور خان مراۃ العالم میں لکھتا ہے

''در نوشتن اقسام خطوط مہارت اندوختہ''، (موجودہ دارالمصنفین، قلمی)۔

اورنگ زیب نے خطاطی کا فن محض ذاتی زیب و زینت کے لیے نہیں سیکھا تھا، بلکہ اس کے ذریعہ سے کسب سعادت دین اور معاشِ دنیا کیا کرتا تھا، وہ فرصت کے اوقات میں عموماً صبح کو پانچ بجے سے سات بجے تک اور سہ پہر کو ڈھائی بجے سے ساڑھے پانچ تک کلام مجید کے نسخے اپنے ہاتھوں سے لکھا کرتا تھا، جس کا سلسلہ اس نے ایامِ شہزادگی سے لے کر آخر عمر تک جاری رکھا۔ عالمگیر نامہ میں ہے۔

''درایام میمنت انجام بادشاہ زادگی مصحفی مجید بخط مبارک صورت اتمام دادہ [1] آنرا بادیگر شرائف تحف وز غائب و مبلغی خطیر برسم نذرو آئین نیاز بہ مکہ معظمہ و کعبۂ مشرفہ زاد ہا اللہ قدر او جلالہ فرستادند کہ دران حرم محترم و بقعۂ مکرّم برکات تلاوتش بروز گار خجستہ آثار عائد گردد و بعد از جلوس بر سریرِ سلطنت و اقبال باوجود کثرت مشاغل صُوری و معنوی و نظم وپرداخت امور دینی و دنیوی و فرط توجۂ اشتغال بحراست و پاسبانی جہانیان و تاسیس قواعد عدل و احسان عزیمت نگارش مصحفی دیگراز خاطر انور سربرزدہ شروع دران مقصد والا فرمودندو ہر روز بعد فراغ از اشغال

[1] بختاور کا بیان ہے کہ ''اس میں سے سات ہزار روپے خرچ ہوئے دو قرآن مجید بخط اقدس صورت ترتیب پذیرفتہ و مبلغ ہفت ہزار روپیہ برلوح وجدول آن صرف شدہ بامامکن شریفہ ترسیل یافتہ''۔

Marfat.com

ضروریۂ دین و دولت و تنظیم مہام ملک و ملّت
واداے و ظائف طاعت وعبادت شطری ازاوقات
میمنت قرین بتحریر سطری چند از کتاب مبین
مصروف ساختہ در عرض اندك وقتے بدستیاری تائید
و مددگاری بخت سعید جلدی، دیگر از مصحفِ
مجید باتمام رسانیدہ سادتِ جاوید اندوختند وسواے
ایں دو مصحف کریم مکرربتحریر پنجسورہ و دیگر
سور قرآنی موفق گشتہ اند "[۱]

اورنگ زیب کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے کلام پاک کے نسخے آج بھی ہندوستان کے مختلف حصّوں میں پائے جاتے ہیں۔ایک نسخہ اعلیٰ حضرت حضور نظامِ دکن کی ملکیت ہے، دوسرا جناب مولوی سیّد خورشید علی صاحب ناظم دیوانی حیدرآباد کے پاس ہے، تیسرا نواب صاحب مانگرول کے پاس ہے، جس کا عکس جناب خواجہ حسن نظامی صاحب نے شائع بھی کردیا ہے، مگر یہ نسخہ مشکوک ہے، ایک پنج سورہ وکٹوریہ میموریل کلکتہ میں ہے۔[۲]

اور عبرت کی بات یہ ہے کہ دنیا کے سب سے بڑے ملک اور سب سے بڑی مملکت کے شہنشاہ نے کلام پاک کے انہی نسخوں کے ہدیہ کی رقموں کو اپنی آخرت کی نجات کا ذریعہ سمجھا، چناں چہ اپنے وصیّت نامہ میں لکھتا ہے۔

"چہار روپیہ ود وآنہ ازوجہ کلاہ دوزی نزدایہ بیگہ
محلدار است بگیرندو صرف کفن این بیچارہ
نمایندوسہ صدو پنج روپیہ ازوجہ کتابت قرآن در
حرفِ خاص است، روز وفات بفقراء بد ہند"۔[۳]

---

[۱] عالمگیر نامہ ص ۱۹۰۲ [۲] تفصیلات کے لیے دیکھو مقدمہ رقعات عالمگیری از سید نجیب اشرف صاحب ندوی ام۔اے۔ [۳] سرکار احکام عالمگیری ص ۱۳-۱۴، طبع ثانی۔ بحوالہ مقدمہ رقعات عالمگیر از سید نجیب اشرف ندوی۔

Marfat.com

عالمگیر کی بہترین علمی یادگار اس کے رقعات ہیں، جس کے ادب و انشاء کی داد ہر زمانہ میں اہلِ قلم و کمال نے دل کھول کر دی ہے۔ آیاتِ قرآن مجید، احادیث نبوی اور سعدی، حافظ، نظیری اور نظامی کے اشعار کو اس برجستگی اور خوبی سے اپنے رقعات میں نقل کرتا ہے کہ وہ سب کے سب ادبی شہ پارے بن گئے ہیں، جن کے پڑھنے میں بڑی گھلاوٹ اور لطافت محسوس ہوتی ہے۔

معاصر مورخوں نے اس کے ادب و انشاء کی تعریف اس طرح کی ہے۔

"نکته دانی و معنی شناسی و ربط مناسبت و کسی آن حضرت ،بمراتب نثرو انشائے انواع کلام در مرتبه ایست که سخن سنجانِ معنی طراز وفصاحت پیشگانِ نکته پردازازفیض تعلیم و ارشادآن مظهر کمالات قدسی عمر ها استفاده دقایق و رموزسخن میتوانند کرد،هر گاه بادائے منشور نشیان بلاغت گستر،انشانامه میفر مایند،بحسن تقریر دلپذیربنوعے تمهید مطلب و تلقین مدعی می نمایند که اگر نگارندهٔ قوت حافظه رادرج آن دُرِ شاهوار ولالی آبدار ساخته بنگارش همان الفاظ گهر نثار بنظم و تالیفی که اززبان حق بیان استماع نموده اکتفا نماید،از تجسم فکرو تکلّف انشاء مستغنی است و چون مسوّده آن درست می شود،بمطالعهٔ اشرف رسیده از قلم بدائع رقم آن شهنشاه نکته رس هوشمند،چنداں بتصر فاتِ مرغوب و اصلاحهاے،دلپسند زینت می یابد که ادیب اریب از ملاحظهٔ آن بعجز و قصور معترف گشته، سرمایه بصیرت در اسلوب و قواعد سخن و پیرایهٔ خبرت و مهارت دراں حق می اندوزد و همچنین مناشیر جلالت نشانی که

Marfat.com

منشیان بلاغت آثار بباد شاہزادہائے کا مگار بخت بیدار و عمدہائے ایں دولت پائدار می نویسند نخست مسودۂ آن ھا بنظر انور در آمدہ بزیور اصلاح با دشاہانہ مزین میشود۔''[۱]

مآثر عالمگیری کا مصنف اختصار کے ساتھ اسی چیز کو اس طرح لکھتا ہے:۔

''آنحضرت رادر مراتب نثروانشاء دستے تمام بودو در مہارت نظم و نثر بہرۂ تام''۔[۲]

یہ تو درباری مورخین کے بیانات ہیں، لیکن بیسویں صدی کے ممتاز انشاء پرداز اور نکتہ سنج بھی اس کے ادب کی تعریف اسی لسانی کے ساتھ کرتے ہیں، مولینا شبلی رحمتہ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

''عالمگیر تیغ وقلم دونوں کا مالک تھا، اس کی انشاء پردازی کی داد مخالفوں تک نے دی ہے، اس کے رقعے باوجود اس کے کہ واقعات کا ذخیرہ قصہ طلب حوالوں کا مجموعہ اور جغرافیانہ اطلاعوں کی یادداشت ہیں، تاہم ادائے مطلب کی قدرت، عبارت کی سادگی، فقروں کی ہمواری، مطالب کا اختصار، پہلو بہ پہلو جملے، دل نشیں ترکیبیں نہایت حیرت انگیز ہیں''۔[۳]

مولینا آزاد ''بادل ناخواستہ'' لکھتے ہیں کہ:

''عالمگیر نے دل معتدل اور زبان قادر البیان پائی تھی، اس لیے اپنے فرمان اور خطوط آپ لکھتا تھا یا سامنے لکھواتا تھا، کاغذات پر خود حکم چڑھاتا تھا، وہ پچاس برس سلطنت کرکے ۱۱۱۵ھ میں فوت ہوا، اس کی تحریریں دیکھ کر تعجب آتا ہے کہ جس طرح اورنگ سلطنت زیر قدم رکھتا تھا، اسی طرح کشور سخن بھی زیر قلم، دیکھو اس کے چھوٹے چھوٹے

[۱] عالمگیر نامہ ص ۱۰۹۵ [۲] مآثر عالمگیری ص ۵۳۲ [۳] مضامین عالمگیر ص ۱۴۲۔ معارف پریس

Marfat.com

فقرے بھی ملک رانی کے پیچوں میں الجھے ہوئے ہیں، مگر عبارت صاف ہے اور لفظ لفظ میں محاورے کا نمک دیا ہوا ہے، تمام انتظامی ہدایتیں اور اکثر اخلاقی نصیحتیں ہیں کہ تاثیر میں ڈوبی ہوئی ہیں، اس کی تحریر کو گلستاں سے تشبیہ دوں تو مضایقہ نہیں، اتنا فرق ہوگا کہ گلستان کے خیالی مضامین اور اس کے خالی عبارت اس کی جتنی پڑھنے میں سہل ہے، اتنے ہی لکھنے میں دشوار ہے''۔

عالمگیر کے خطوط کی ہمہ گیری کے متعلق مرتب ''رقعاتِ عالمگیر'' کی رائے ہے کہ:

''اورنگ زیب کے خطوط......گلہائے رنگارنگ کے بہترین مجموعہ ہیں۔ کہیں ذاتی حالات کے متعلق اظہار خیال ہے، تو کہیں سیاسی و معاشرتی واقعات پر تنقید، کہیں شوق وصال بے چین کیے ہوئے ہے، تو کبھی درد فراق نے مضطر کر رکھا ہے، کسی جگہ کسی کی شادی یا ولادت کی خوشی ہے، تو کہیں کسی کی موت کا ماتم، کسی جگہ کسی افسر کی سفارش ہے، تو کہیں تنبیہ۔ اگر ایک خط عمارتوں اور قلعوں کے مفصّل حالات سے مملو ہے، تو دوسرا باغوں اور چمنوں کی رنگین بیانی سے پُر، کہیں عتاب ہے، تو کہیں عنایت کبھی گرم جوشی ہے، تو کبھی سرد مہری، کہیں الزامات کی صفائی ہے، تو کہیں دوسرے کے خلاف شکایت، غرض کہ وہ کون سی چیز ہے، جو اس مجموعہ میں نہیں ہے، پھر وہ کون سی شے ہے، جس میں حقیقت نگاری کے ساتھ کمالِ ادب کو جگہ نہیں دی گئی ہے''۔[۱]

عالمگیر کی دوسری علمی یادگار فتاوی عالمگیری ہے، اس نے محسوس کیا کہ حنفی مذہب کے فقہی مسائل مخلوط طور پر تمام پھیلے ہوئے ہیں، کہیں ایک جگہ مرقوم نہیں، اس لیے کوئی ایک خاص کتاب

---

[۱] مقدمہ رقعات عالمگیری از سید نجیب اشرف ص ۵۶-۵۵ ہم نمونے کے لیے اورنگ زیب کے رقعات کو یہاں پیش کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ کیوں کہ مؤلف ہذا نے اورنگ زیب کے خطوط پر ادبی حیثیت سے نہایت ہی مبسوط ناقدانہ اور فاضلانہ بحث کی ہے، ملاحظہ ہو مقدمہ رقعات عالمگیر ص ۵۵ تا ۹۱۔

Marfat.com

جو تمام مسائل پر حاوی ہو، موجود نہیں، چناں چہ جب کوئی فقہی مسئلہ درپیش ہوتا تھا، تو اس پر فتویٰ دینے کے لیے تمام کتابوں کی چھان بین کرنی پڑتی تھی، جو صبر آزما اور دشوار کام ثابت ہوتا تھا، انھی مشکلوں کا لحاظ کر کے عالمگیر نے ہندوستان کے ممتاز علماء کے ایک گروہ کو حکم دیا کہ فقہ کی تمام کتابوں سے ''مفتی بہا مسائل'' کا انتخاب کر کے ایک کتاب تیار کریں، اس گروہ کے صدر شیخ نظام مقرر ہوئے، علماء کے لیے وظائف کی منظوری ہوئی، آٹھ سال کی مدّت میں یہ کتاب تیار ہوئی اور اس میں دو لاکھ روپے صرف ہوئے، حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب نے علماء وطلبہ کو فقہ کی تمام کتابوں سے بے نیاز کر دیا ہے، اس کتاب کی تیاری کا حال عالمگیر نامہ کا مصنف اس طرح لکھتا ہے:

''چون ہمگی ہمت والا تہمت شریعت پیرائے آن خدیو دین پرور حق پژدہ مصروف است، با آنکہ کافۂ مسلمین در احکام دین متین بمسائلے کہ اکابر علماء و آئمہ مذہب شریف حنفی بداں فتوی دادہ معمول بہاء معمول علیہا دانستہ عمل نمایندومسائل مذکورہ در کتب فقہ ونسخ فتاوی بنابر اختلاف فقہاء و علماء باروایات ضعیفہ و اقوال مختلفہ آنہا مخلوط است و معہذا مجموع آنرا ایک کتاب حاوی نیست وتاکتب مبسوطۂ بسیار فراہم نیایدو کسی رادستگاہی وسیع بضاعتی کامل قدرت و استحضاری دافی، در علم احکام فقہ نباشد استکشاف حق صریح و استنباط مسئلہ مفتی بہاو حکم صحیح نمی تواند نمود، لاجرم بر ضمیر مہر انوار کہ در امور دین و دولت بفتوی الہام کارگزاراست پرتواین عزیمت تافت کہ جمعے از

Marfat.com

علمائے پایه سریر اعلیٰ کتب معتبره و نسخ مبسوطهٔ
آن فن را که در کتاب خانه خاصهٔ شریفه بروزگاران از
اطراف و اکناف عالم فراہم آمده جلوه گاه انظار تتبع
ساخته ازروی تحقیق و تدقیق و خوض و غور انیق
بجمع و تالیف آن مسائل پردازند واز مجموع آن
نسخهٔ جامعه مرتب سازند تاہمکنان را استکشاف
مسئله مفتی بہا در ہر باب بمراجعت آن کتاب
بسہولت و آسانی دست دہد و قضاة و مفتیان اسلام
از جمیع کتب و دفاتر شتی و تتبع و تصفح جمیع
نسخے فتاوی مستغنی باشندوسرکردگی و اہتمام
ایں مہم صواب انجام بفضیلت مآب شیخ نظام کہ
جامع فضائل معقول و منقول است تفویض یافت که
کمر سعی و اجتہاد بتمشیت ایں امربسته با تفاق
سایر اہل فضل و دانش و جمع تالیف آن مسائل
نماید دگروہے از فضلاء و علماء که در پایهٔ اورنگ
خلافت بودند، بدان شغل شریف مامور شد ندودر
اطراف و کناف کشور فضل پرور ہندوستان بہر جا
کسی به سمت اشتہار و مہارت در علوم موسوم
بود، بموجب یرلیغ ہمایون بجناب والائے سلطنت
حاضرآمده بموافقت آن جمع تعین یافت وہمگی آن
فریق بوظائف شایسته و مواہب ارجمند کامیاب
گشته بتقدیم آن امر مشغول شد ند واز کتبی که

Marfat.com

تمشیت آن امرء ادر کار شود نسخ صحیحه از کتاب
خانه خاصۂ شریفه بفضلاء حواله رفت و ہر سال مبلغے
خطیر در وجوه وظایف و انعامات عمله وممارسان این
شغل جلیل وَ خطب نبیل از خزانه احسان بادشاہے
صرف می شود و چوں آن کتاب مستطاب صورتِ اتمام
گیرد وپیرایۂ اختتام پذیرد جهانیاں را از سایر کتب
فقهی مغنی خواہد بود و برکات اجر و ثوابش ابد الآباد
در نسخه حسنات شہنشاه موئد قدسی ملکات مثبت و
مرقوم گشت“ [1]

عالمگیری دربار کے شعراء:

عالمگیر کے دربار میں کوئی ملک الشعراء نہیں تھا، اس سے عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ عالمگیر کو شعر و شاعری سے نفرت تھی، اس لیے اس عہدہ کو اپنے دربار سے برطرف کر دیا، مگر اہلِ نظر یہ کیوں کر یقین کر سکتے ہیں، جب کہ اس کے اکثر خطوط اشعار اور لمبی لمبی نظموں سے مزین نظر آتے ہیں [2] یہی نہیں، بلکہ سعدی، حافظ، نظامی، نظیری، صائب، ملا شاہ اور فانی کشمیری کے دیوان کو خاص

---

[1] عالمگیر نامہ، ص ۱۰۸۷ و مآثر عالمگیری

[2] مثال کے طور پر بعض نمونے ملاحظہ ہوں ایک خط میں لکھتا ہے

”خاں جہاں بہادر در گذشت انا لله و انا الیه راجعون، سبحان الله آدمی چه قدر غافلست؟ و نفس تا کجابر و غالب؟ دریں ایام صوبه داری دکھن می خواست و بچه دلگرمی آرزوے آن می کرد؟ آرے کارنفس بد تر ازیں است

کشتن ایں کار عقل و ہوش نیست — شیر باطن سخرۂ خرگوش نیست
عالمے رالقمه کرد و در کشید — معده اش نعره زناں ہل من مزید
دوزخ است این نفس و دوزخ اژدہاست — کو بدریا ہا نگردد کم و کاست

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۱۹۵ پر)

Marfat.com

طور سے پڑھتا تھا اور ان کے اشعار زبانی یاد رکھتا تھا۔ بخشی الما لک مخلص خاں نے ایک بار دیوان صائب پیش کیا، جس میں ایک لاکھ اشعار تھے۔ عالمگیر صائب کے اشعار کو پڑھ کر جو معرفت و معنویت میں ڈوبے تھے، بہت ہی محظوظ ہوا اور اس دیوان کو محبوب رکھنے لگا، اس میں سے مندرجہ ذیل غزل ایک مدّت تک اپنی محفل میں بار بار پڑھا کر سنتا تھا۔

خم چو گردید قد افراختہ میؔ باید رفت پل بریں آب چوشد ساختہ می باید رفت
ہرچہ درکار بردسا ختنش خود سازیست گوسشو کار جہان ساختہ می بایدرفت
این سفرہمچوسفر ہائے دگر صائب نیست رختِ ہستی ز خود انداختہ می بایدرفت

(ملاحظہ ہو مآثر عالمگیری انتالیسواں سال جلوس)

جو اشعار اس کو پسند آتے تھے، وہ خود اپنی بیاض میں لکھ لیتا تھا اور اکثر اوقات اپنے لڑکوں کی بیاض میں بھی بالالتزام لکھواتا تھا۔ ایک رقعہ میں لکھتا ہے۔

''بہدایت اللہ زرّیں رقم بگوئید، کہ این رباعی در بیاضے کہ بپادشاہزادہ کام بخش مرحمت می شود، بخط خود بنویسد۔

آتش بدو دستِ خویش درخرمنِ خویش من خود زدہ ام چہ نالم از دشمنِ خویش

(بقیہ حواشی صفحہ نمبر ۱۹۴ سے)

ہفت دریار ادر آشامید ہنوز کم نگرد و سوزش ایں حلق سوز
سنگہاؤ کنا فرانِ سنگ دل اندر آیند اندران خوار و خجل
ہم نگرد و ساکن ایں چندیں غذا تازحق آید مر اورا ایں ندا
سیر گشتی سیر گوید نے ہنوز این است آتش انیست تابش انیست سوز
حق قدم بردے نہد از لا مکان انگہ اوساکن شود از کن فکان
چونکہ جزو دوزخ است ایں نفسِ ما طمع کل دارد ہمیشہ جز وہا
ایں قدم حق را بود کورا کشد غیر حق خود کے کمان اور اکشد
توتے خواہم زحق دریا شگا تابسوزن برکنم ایں کوہ قاف

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۱۹۶ پر)

Marfat.com

کس دشمنِ من نیست منم دشمن خویش — اے وائے من دوستِ من و دامنِ خویش

(وقائع عالمگیر ۵۲)

علالت اور حتی کہ بسترِ مرگ پر بھی عالمگیر کی زبان پر اشعار ہوتے تھے۔ ۱۱۱۶ھ میں ایک بار بیمار پڑا، تو ضعف کی حالت میں یہ اشعار ترنم کے ساتھ پڑھ رہا تھا۔

بہشتاد و نودچوں در رسیدی — بساسختی کہ ازدوراں کشیدی

دراں جا چوں بصد منزل رسانی — بود مرگے بصورت زندگانی

امیر خان نے جو اس وقت مقربِ خاص تھا۔ عالمگیر کو اشعار پڑھتے سنا، تو عرض کیا کہ نظامی گنجوی نے ان ابیات کی تمہید میں یہ بیت کہی ہے۔

پس آں بہتر کہ خود راشاد داری — دراں شادی خدارا یاد داری

عالمگیر نے اس شعر کو کئی بار سنا، پھر اپنی بیاض میں لکھوایا اور مدّت تک پڑھا[۱]۔ بسترِ مرگ پر یہ شعر اکثر اس کے وردِ زبان رہتا تھا۔

بیک لحظہ بیک ساعت بیک دم — دگر گوں می شود احوالِ عالم[۲]

یہ سن کر تعجب ہوگا کہ وہ خود بھی کبھی کبھی طبع آزمائی کرتا تھا، ہم کو اس کا صرف ایک شعر مل سکا ہے اور وہ یہ ہے۔

غم عالم فراوان ست ومن یک غنچہ دلدارم
چساں در شیشۂ ساعت کنم ریگِ بیاباں را[۳]

۱۔ مآثر عالمگیری واقعات ۱۱۱۷ء — ۲۔ واقعات ۱۱۱۸ھ

۳۔ بحوالہ بادشاہ نامہ عالمگیری از ذکاء اللہ ص ۷۵۴

(بقیہ حواشی صفحہ نمبر ۱۹۵ سے)

اوتعالیٰ توفیق کرامت کندوازیں نیزہ روزہ رہائی بخشد، بحرمۃ محمد وآل محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام (وقائع عالمگیر مرتبہ چودھری نبی احمد سندیلوی ۹۰۔۸۹)

۲۔ ایک بار شہزادہ بیدار بخت (خلف اکبر محمد اعظم) نے اپنی محبوبہ بیگم شمس النساء صبیۂ سید ممتاز خان کو غصہ کی حالت میں پاجی کی لڑکی کہا خوددار بیگم نے شہزادہ سے بولنا چھوڑ دیا، عالمگیر کو خبر ہوئی تو بیدار بخت کو اس انداز میں خط لکھا۔

(بقیہ حواشی صفحہ نمبر ۱۹۷ پر)

Marfat.com

ان حقیقتوں کی موجودگی میں یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ عالمگیر کو شعر و سخن سے دل چسپی نہیں تھی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ عملی اور کارفرما دل و دماغ لے کر آیا تھا، وہ تفریحی مشاغل کا شیدانہ تھا، اس کی سنجیدہ اور متین طبیعت شعراء کی مبالغہ طرازیوں، خوشامدانہ مداحیوں اور جھوٹی بناوٹی باتوں کو نہیں پسند کرتی تھی، چناں چہ مراۃ العالم میں ہے۔

''ودر مراتبِ نثر و انشاء دستے تمام داشت ودر مہارتِ نظم ہم بہرہ تمام امّا بموداری مستشہد صادقِ کریمہ والشعراء تیبعھم الغاؤون متمسک

(بقیہ حواشی صفحہ نمبر ۱۹۶ سے)

صبحدم مرغ چمن باگل نو خاستہ گفت | ناز کم کن کہ دریں باغ بسے چوں تو شگفت
گل بخندید کہ از راست نرنجم لیکن | ہیچ عاشق سخنِ تلخ بمعشوق نگفت

۲ بآل نور الابصار واضح باد کہ در ایّامِ جوانی کہ اصطلاح پواج مصاحبان شما جوانی دیوانی می گویند مارا ہم دراں ایام این تعلق باشخصیکہ نہایت تبختر داشت بہم رسیدہ بود تاحیات محبت اور ابانجام رسانیدیم و گاہے آزردہ نکردیم دیگر آن کہ باسادات لفظ پاجی گفتن، محض پاجی گریست، کسے اگر سید راپاجی بگوید البتہ پاجی نخواہد شد، اگر از نوشتۂ محلدار و ناظر رضا سندی آن سیدہ نشو و بعتاب، بلکہ عقاب گرفتار خواہدشد، جزاء بما کانوا یعملون۔ (ایضاً ص ۷۰)

۳۔ شاہزادہ محمد اعظم کو ایک موقع پر تنبیہ کرتا ہے۔

عجب از آں فرزند کہ صحبتِ ما ہیچ اثر نہ کردہ؟ از احتیاط و دوربینی ہزار مرحلہ دور افتادہ الحزم سوء الظن بخاطر بنا ور دہ و از آیت ولا تلقوابایدیکم الی التھلکتہ، بہرہ نیافتہ۔

مرغے کہ زیرک است دریں بوستان سرا | گل را خیال چنگل شہبازمی کند
خوں می چکدز زخم نمایاں زخندہ اش | کبکے کہ بے ملاحظہ پرواز می کند

مردے درتہوری و بے باکی نیست بلکہ درخودشکنی ست۔

کمال مردی و مردانگی ست خود شکنی ست | ببوس دست کسے را کہ این کمان شکند

۴۔ ایک دوسرے رقعہ میں لکھتا ہے۔'' بفرزند عالیجاہ عرض داشت کند کہ ایشان استشفاع تقصیر اعتبار خان کردہ اند احتمال قوی کہ سید سعد اللہ درویش نوشتہ باشد بنویسد کہ عبدالقادر بیدل دریں مقامِ دو مصراع دل چسپ گفت۔

تبرس از آہِ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن | اجابت از درِ حق بہرا ستقبال می آید

(وقائع عالمگیر ص ۱۲۲)

Marfat.com

گشتہ توجہ باستماع شعر ندارند ، تابشنیدن اشعارچہ
رسد الا شعر کہ متضمن موعظت باشد''۔

نہ کردہ بہر رضائے خدائے عزوجل
نہ چشم سوے غزال و نہ گوش سوے غزل

مآثرِ عالمگیری کا مصنف بھی یہی لکھتا ہے:

''امّابموداے مستشہد صادق کریمہ الشعراء
یتبعھم الغاؤن متمسک گشتہ توجہ باستماع شعر
بے فائدہ ندا شتند یا بشنیدن اشعار مدح چہ رسد
الا شعرے متضمن موعظمت باشد۔

نہ کردہ بہر رضاے خداے عزوجل
نہ چشم سوے غزال و نہ گوش سوے غزل[1]

ایک بار سلطان شادماں نے اس کی مدح میں مندرجۂ ذیل قصیدہ اس کے سامنے پڑھا:

آن کیست کونہ حلقۂ لعلت نشاں دہد
در خواب اگر دہد بطریقِ کماں دہد

آبِ حیات خضر کہ عمر یست جاودان
تاکے ز حسرتِ لبِ لعلِ تو جاں دہد

فکرِ سخن طراز کہ خضر یست فی المثل
خوددرعدم رودچوں نشاں زاں میاں دہد

ابرِ قلم کہ آبِ سیہ مے چکدازو
رنگِ سخن زوصف لبِ گل رخاں دہد

قدِ تو در خرام بگلگشتِ بوستان
صد پیچ و خم ز شرم بسروچماں دہد

---

[1] مآثر عالمگیر ص ۳۳-۵۳۲

Marfat.com

آنجا کہ اوست نالۂ عاشق کجا رسد
گر بال جبرئیل بمرغِ فغان دہد

از چشم جانستانش چو خواہم حیاتِ نو
مژگان جوابِ من بزبانِ سنان دہد

گر دل ستاند از نگہِ عشوہ آفریں
صد دل عوض زطرۂ عنبر فشان دہد

چوں شیشۂ شراب کہ بامحتسب دہند
کس دل چرا بدستِ تونامہربان دہد

نازم بچہرۂ کہ بہنگامِ مے زعکس
رنگینی بہار بفصلِ خزان دہد

ہر چیز را نجا صیتے آفریدہ اند
کے سرمہ در گلواثرِ زعفران دہد

من خود بدردیار خوشم ورنہ روزگار
کے این قدر الم بدلِ شادمان دہد

چشمش با بروان و مژہ گشت عالمی
کس ترک مست را ز چنہ تیر و کمان دہد

زلفش مزدریست مکن اعتبار او
از عشوہ گردلی بتوشب درمیان دہد

مضمونِ دلنشین کہ رسداز جہانِ غیب
یاداز طراوتِ سخنِ پاستان دہد

مرد آن بود کہ گر ہمہ عالم بدودہند
دل کم دہد بشادی و غم تا کہ جان دہد

Marfat.com

ما جاں نبقد مہر و وفا دادہ ایم و بس
دیوانہ نیستیم کہ جانی بناں دہد
شاید مراد من کہ نہ خواہم ز آسماں
اورنگ زیبِ عادلِ گیتی ستاں دہد
شاہی کہ از برائے سرِ دشمنانِ دین
بہر نثار گوہر تیغ یماں دہد
بہرام صولتے کہ زبیمش پئے گریز
گردوں عناں خود برہ کہکشاں دہد
تا ارض بر سکون و سما در تحرک است
تا چتر آفتاب ز مشرق نشاں دہد
زیبندہ باد بر سرِ اورنگِ سلطنت
تا ابر و مہر راتب دریا و کاں دہد

باوجود یہ کہ اورنگ زیب اپنی مدح سرائی کو مطلق پسند نہ کرتا تھا اور شاعروں کی قصیدہ خوانیوں کو فعلِ عبث سمجھتا تھا، چناں چہ شادماں کو آیندہ مدح سرائی کرنے سے منع کیا، لیکن ان میں سے بعض اشعار کو شاعرانہ نقطۂ نظر سے بہت پسند کیا اور بار بار پڑھوا کر سُنا، چناں چہ مراۃ الخیال میں ہے۔

"سلطان شادماں قصیدہ مشتمل بر مدح گفتہ بسمع مبارک رسانیدو بعض ابیاتش پسند خاطر فیاض افتاد وبتکرار استماع فرمودند"۔[1]

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ باوجود اس ذوقِ شعری کے ملک الشعراءٔ کے عہدۂ جلیلہ کو دربار سے کیوں تخفیف کر دیا، یہ سوال ذرا غور طلب ہے، دیکھنا یہ ہے کہ اس عہد کے ممتاز ترین شعراء کون

---

[1] مراۃ الخیال ص ۲۵۲۔۲۵۳

Marfat.com

تھے۔موسوی خان، شیخ ناصر علی سرہندی، نعمت خاں عالی، عاقل خاں رازی، ملا اشرف ماژندرانی وغیرہ وغیرہ، ان میں کوئی ایسا نہ تھا، جو فیضی، طالب آملی، قدسی اور ابوطالب کلیم کا مدِ مقابل ہوسکتا تھا، پھر ان میں کسی کو ملک الشعرا کے خطابِ فایقہ سے سرفراز کرکے ان نادرۂ روزگار شعراء کی صف میں کھڑا کردیا جاتا، تو کیا عالمگیر کے علم وادب کے بلند اور اعلیٰ ذوق پر حرف گیر نہیں ہوتی؟

پھر بھی عالمگیر کا دربار شعراء سے خالی نہ تھا، وہ ان کے اشعار سنتا اور موقع بہ موقع اپنے جود وسخا سے فیض یاب کرتا تھا اور ان کی استعداد ولیاقت کے مطابق عہدے دیتا تھا، وہ مفت خوری کا قائل نہ تھا اور نفس شاعری کو ذریعۂ معاش ٹھہرانا پسند نہ کرتا تھا، یہی سبب ہے کہ اوس نے اپنے دربار کے شعراء کو بھی ملکی منصب دے کر روزی کمانے کا ذریعہ عطا کیا، نفسِ شاعری کا منصب اس نے جاری نہیں کیا۔

اس عہد کے قابلِ ذکر شعراء کے حالات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

ا۔موسوی خان میرازمعزالدین محمد فطرت:

میر محمد زمان مشہدی کا نواسہ تھا، عین شباب کے زمانہ میں اپنے باپ مرزا فخرو سے خفا ہو کر اصفہان چلا آیا، جہاں آقا حسین خوانساری سے علوم وفنون کا استفادہ کیا، بہت ہی ذہین وفہیم تھا، اس لیے علوم عقلیہ میں یکتائے روزگار رہا۔ ۱۰۸۲ھ میں ہندوستان آیا، تو اورنگ زیب نے اس میں ذاتی اور نسبی جوہر دیکھ کر اپنے لطف وکرم سے مالا مال کیا۔شاہ نواز خاں کی لڑکی یعنی شاہزادہ محمد اعظم کی خالہ سے اس کی شادی انجام پائی اور وہ عظیم آباد کا دیوان مقرر رہا، لیکن وہاں کے ناظم سے اس کا اتفاق نہ رہا، اس لیے واپس بلالیا گیا۔۱۰۹۹ھ میں موسوی خان کے خطاب سے سرفراز ہوا اور دیوان تن مقرر ہوا، ایک سال بعد تمام دکن کا دیوان ہوا۔ ۱۱۰۱ھ میں فوت ہوا۔[۱]

میرزا معزالدین بہت ہی خوددار اور نازک مزاج تھا۔ ایک موقع پر عالمگیر کو اس سے رنجش پیدا ہوگئی، تو وہ تھوڑے دنوں تک شاہی التفات سے محروم رہا، مگر وہ بھی اپنی خودداری کے باعث بے نیاز رہا، جب لوگوں نے سمجھایا کہ بادشاہ سے اپنی تقصیر کی معافی مانگو، تو اس نے ایک

[۱] مآثرالامرا جلد۳ ص ۶۲۳ نیز مآثرالکرام دفتر ثانی ص ۱۲۶

Marfat.com

معروضہ لکھا۔ جس میں یہ شعر تھے:

در طلب ما بے زبانان امّتِ پروانہ ایم
سوختن از عرضِ مطلب پیش من آسان تراست

....

شد از غرورِ غلامی زبانِ عرض خموش
مرا براہِ خطا ایں صوا بہا انداخت

....

از موجِ فیض بحر کرم راقرارنیست
اہلِ سوال بیہودہ ابرام می کنند

عالمگیر نے اس درخواست کو پڑھا، تو یہ لکھا:

بے زبانی می کشاید بند ہاے سخت را
در قفس طوطی زمنقار سخن گوے خود است

لیکن:

ہیچ مردے درپئے اصلاح خوے خویش نیست
ہر کرادیدم در آرایشِ خوے خود است

"بموجب حدیث السلطان ظلّ اللہ ہر گاہ سلطان عصربانو کران خود التجا مطلبِ او کند اوجواب باین خوبی می دہد، از اخلاق بعید است کہ التفات بحالِ او نشود"۔[1]

موسوی خاں شعرگوئی میں یکتائے زمانہ تھا[2] ماٰثر الامرأ میں اس کا ذکر اس طرح ہے:

"بدستیاری طبع رساوذہن عالی در علومِ عقلیہ

---

[1] وقائع عالمگیر ص ۳۷ [2] ماٰثر عالمگیری واقعات ۱۱۰۱ھ

Marfat.com

یگانۂ روزگار گردید،......چو طالعش مانند استعداد بلند بود، مشمول عواطف عالمگیری گردیده مناصب سر عزت برافراخت......در خوش خیالی و نازک تلاشی بے انباز وبه انشا پردازی ودخت آفرینی ممتاز بود، دراوّل مشق شعر فطرت تخلص میکرد، آخرموسوی دل نشین او افتاد"۔[1]

شیخ ناصر علی سرہندی، صاحب مآثر الکرام اس شاعر شیریں مقال کا بیان ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"شیر نیستانِ سخنوری است و مرد میدانِ معنی گستری، ذوالفقار کلکش به تسخیر قلم روبیان پرداخته و تصرف طبعش آفتاب سخن راازافق عربی راجع ساخته سر خوش گوید:

در ملک سخن بود جہانگیر علی
در مشرب دل دلی علی، پیر علی
باشعر علی نمی رسد شعر کسے
زانساں که خطِ کس بخط میر علی

عالمگیر نے ناصر علی کو ۱۰۷۹ھ میں کشمیر کا صوبہ دار مقرر کیا، لیکن تھوڑے دنوں کے بعد بعض اسباب کی بنا پر وہ گوشہ نشیں ہوگیا۔ ۱۰۸۶ھ میں عالمگیر نے اس کو اپنے عنایات و اکرام سے پھر مالا مال کیا، منصب و خطاب، خلعت خاصہ اور شمشیر عطا کر کے الہ آباد کا ناظم مقرر کیا۔[2]

نعمت خان عالی، عالی تخلص تھا اور میرزا محمد علی نام، حکیم فتح الدین شیرازی کا لڑکا تھا، میرزا

---

[1] مآثر الامراء جلد ۳ ص ۶۳۳ کلام کے نمونے مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۱۲۶ پر ملاحظہ ہوں۔
[2] دفتر ثانی ص ۱۳۲ پر کلام کے نمونے دیئے ہوئے ہیں

Marfat.com

محمد ہندوستان ہی میں پیدا ہوا، لیکن صغر سنی میں باپ کے ساتھ شیراز چلا گیا اور وہیں کسبِ کمال علم کیا۔ ہندوستان آیا، تو ملا شفیعائی یزدی کے سامنے بھی زانوے تلمیذتہ کیا، یہاں آ کر طب کا آبائی پیشہ اختیار کیا، پھر اورنگ زیب نے اپنے ملازمانِ خاص میں داخل کر لیا۔ اورنگ زیب نے جب حیدرآباد فتح کیا، تو اس نے یہ تاریخ کہی۔

از نصرت پادشاہِ غازی — گردید دلِ جہانیان شاد
آمد بقلم حساب تاریخ — شد فتح بجنگ، حیدرآباد

اورنگ زیب نے خوش ہو کر اس کو خلعت و انعام عطا کیا[1]

۱۱۰۴ھ میں اس کو نعمت خان کا خطاب ملا اور باورچی خانہ کا داروغہ مقرر ہوا، آخر عہد میں اورنگ زیب نے اسے مقرب خاں کے خطاب سے سرفراز کیا اور ''جواہر خانہ نگین دولت'' کا داروغہ بنایا۔ شاہ عالم کے زمانہ میں دانشمند خاں ہوا اور وہ شاہنامہ لکھ رہا تھا کہ زندگی کو خیرآباد کہا۔ وقائعِ نعمت خاں عالی، مثنوی عشق، خوان نعمت، سخن عالی اس کی منظوم تصنیفات ہیں۔ وقائعِ نعمت خاں میں عالمگیر کی ہجو ملیح لکھی ہے۔ احمد علی سندیلوی اپنے مخزن الغرائب میں لکھتے ہیں۔

''نہایت شوخ وبے باك و حاضر جواب و لطیفه گوے بوده بملازمت محی الدین اورنگ زیب عالمگیر بادشاه سرفرازی داشت چون آن بادشاه خیلے قابل دوست و جوهرشناس بود آنرا بمنصب بکاولی امتیاز بخشیده نعمت خان کرد، او حقِ نمك دلی نعمت خود نگاه نداشته هجوملیح کرد''[2]

اورنگ زیب نعمت خاں عالی کی دریدہ دہنی سے واقف تھا، لیکن اس سے وہ قصداً اغماض کرتا تھا، ایک بار کامگار خاں نامی ایک امیر کی شادی کے موقع پر نعمت خاں عالی نے ایک ہجو لکھی، تو اول الذکر نے اورنگ زیب سے اس کو تنبیہ کرنے کی درخواست کی، لیکن اورنگ زیب

---

[1] ماثر عالمگیری واقعات ۱۰۹۷ھ [2] مخزن الغرائب قلمی نسخہ مملوکہ دارالمصنفین اعظم گڑھ

Marfat.com

نے لکھا۔

"خانہ زاد سادہ لوح (کامگارخان) می خواہد کہ مارا ہم دریں رسوائی شریک سازد کہ اوہر چہ خواہد درباب مابگوید و بنوسیدوشہرۂ عالم سازد وبیشتر ہم درباب ماسقصر نہ بود، تلافی باضافہ انعام شدہ کہ دیگر ارتکاب نکند، باوجوداین خود کمی نکردہ زبان بریدن و گردن زدن مقدور نیست، باید سوخت و باید ساخت۔

رفیق لا یرافقک ولا یفارقک" ۲

میر غلام علی آزاد اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"حاوی فنون و افربودوجامع علوم متکاثر......میرزا محمد در نظم و نثر قدرتِ عالی دارد خصوص در وادی نثر طلسم حیرت می بندد"۔

مآثر الامرا کا مصنف اس کو ہمیشہ حاجی کے نام سے یاد کرتا ہے اور لکھتا ہے:

"ہیچ یکے اززبانش نرستہ" ۳

---

۱ یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جب کہ فتحِ دکن کے موقع پر تاخیر ہوئی، تو بعض امراء نے اورنگ زیب سے واپس جانے کی درخواست کی۔ اورنگ زیب واپس جانے کے خلاف تھا۔ اس موقع پر نعمت خان عالی نے پڑھ کر کہا :

نبشتہ چناں قوی کہ برداشتنش کارے دگرے نیست خدا بردارد

عالمگیر ہنس پڑا۔

۲ وقائع عالمگیر از نبی احمد سندیلوی۔ ص ٦٦

۳ مآثر الامراء جلد سوم ص ٦٥٠۔ اس کے اہاجی کے نمونے مخزن الغرائب میں ملاحظہ ہوں۔ کلیات نعمت خان عالی کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں ہے۔ کچھ کلام کے نمونے مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۱۳۸ پر بھی درج ہیں۔

Marfat.com

عاقل خان رازی، میر عسکری نام تھا، خواف کا رہنے والا تھا۔ شاہ جہاں کے عہد میں ہندوستان آیا اور شہزادہ اورنگ زیب کے ساتھ دکن میں ضلع دار مقرر ہوا، ایامِ شاہزادگی میں اورنگ زیب کی ایک کنیز (یکے از پرستارانِ خاص) کا انتقال ہوگیا، جس سے اورنگ زیب روز ''تازہ بہ تازہ اور نو بہ نو'' گانے سن کر محظوظ ہوا کرتا تھا، اس کے انتقال پُر ملال پر اورنگ زیب بہت ہی غمگین ہوا، غم غلط کرنے کے لیے دوسرے روز شکار میں چلا گیا۔ میر عسکری بھی ساتھ تھا، تنہائی میں میر عسکری نے پوچھا کہ اندوہ و ملال کی شدت میں شکار کھیلنے کے کیا معنی ہیں۔ اورنگ زیب نے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

نالہائے خانگی دل را تسلّی بخش نیست در بیابان می تواں فریاد خاطر خواہ کرد

میر عسکری نے یہ شعر سن کر عرض کیا کہ:

عشق چہ آساں نمود آہ چہ دشوار بود ہجر چہ دشوار بود یار چہ آساں گرفت

اورنگ زیب نے شعر سُنا، تو اُس پر رقت طاری ہوگئی اور اس کو بار بار پڑھتا تھا [1]۔

میر عسکری اپنے شعر و شاعری کے لحاظ سے اپنے زمانہ میں بہت مشہور ہوا۔ حضرت برہان الدین رازی کا معتقد تھا، اس لیے رازی تخلص کرتا تھا، جب اورنگ زیب دکن سے دارا سے لڑنے چلا، تو قلعۂ دولت آباد میں اپنے اہل و عیال کو چھوڑا۔ میر عسکری اس شہر کا نگہبان ہوا۔ اورنگ زیب جب سریر آرائے سلطنت ہوا، تو اس کو عاقل خاں کا خطاب دیا اور دو آبہ کا فوج دار مقرر کیا، لیکن چند مہینے کے بعد صحت کی خرابی سے خانہ نشیں ہوگیا، اس مدّت میں اس کو ۵۰۰ روپے ماہوار ملتے رہے۔ ۱۰۷۴ھ میں پھر ملازمت شاہی میں منسلک ہوا اور داروغۂ حرم خاص مقرر ہوا، جس پر بہت ہی معتمد امیر مامور ہوتا تھا، اس زمانہ میں اورنگ زیب کے عنایات و اکرام سے برابر فیض یاب ہوتا رہا۔ ۱۰۷۷ھ میں اس کو ایک شاہی خلعت عطا کیا گیا اور ڈاک چوکی کا داروغہ مقرر ہوا، لیکن اس عہدہ سے مستعفی ہوا۔ ۱۰۸۷ھ میں اس کا ایک ہزار روپیہ وظیفہ مقرر ہوا۔ ۱۰۹۰ھ میں بخشی دوم کے عہدہ پر مامور ہوا۔ ۱۰۹۱ھ میں اس کو دہلی کی صوبہ داری سپرد کی گئی، جس [2] عہدۂ جلیلہ پر اپنی وفات

[1] مراۃ الخیال ص ۳۶۱ [2] ''جس'' کی جگہ ''اس'' آنا چاہیے تھا کتابت کی غلطی ہے۔

Marfat.com

تک فائز رہا۔ مآثر عالمگیری کے مصنف کا بیان ہے کہ عاقل خان کی خدمات، دیانت داری اور اخلاص کی وجہ سے عالمگیر اس کی خودرائی وخودآرائی سے چشم پوشی اور عمدہ واہم خدمات اس کے حوالے کرتا تھا۔[۱]

ظفر نامۂ عالمگیری، ایک دیوان، مرقع تصنیف رازی اور چند مثنویاں، نغمات العشق ثمرات الحیواۃ، شمع و پروانہ اور مہر وماہ اس کی یادگاریں ہیں۔ ظفر نامہ عالمگیری میں عالمگیری عہد کے واقعات، جنگ بے جاپور سے میر جملہ کی وفات تک درج ہیں۔ مرقع تصنیف رازی میں مولانا جلال الدین رومی کی طرز پر ایک مثنوی لکھی۔ ثمرات الحیواۃ اس کے مرشد، شیخ برہان الدین رازی کی تصنیف ہے، اس نے اس کو ترتیب دیا، شمع و پروانہ میں رتن سین اور پدماوت کا قصّہ ہے۔ مہر وماہ میں ایک ہندوستانی قصہ منظوم ہے۔ مصنف[۲] مآثر عالمگیری کا بیان ہے کہ مثنوی مولینا روم کے دقائق کو حل کرنے میں وہ اپنے کو یکتا خیال کرتا تھا۔[۳]

مراۃ الخیال کا مصنف اس کی شاعری کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

"وصاف رنگینی کلامش راخامہ از قلم نرگس وسیاہی ازدوات لالہ باید شنگرف از رنگ گل و صریر از آواز بلبل شاید ازرشک نسخہ، مہرو ماہش ماہ آفتاب درروساختن واز مشاہدۂ رنگینی ونزاکت سخنش گل و بلبل در رنگ باختن دیوانش عالمے است پرازیوسف طلعتان معانی دلنشین و سواد اعظمی از سیہ نامان حروف مشکین و در رشتہ بازار سطورش متاع درد انبار انبارو بر تختہ دوکان صفحہ

۱۔ اوپر کے تمام واقعات مآثر عالمگیری سے لیے گئے ہیں۔

۲۔ "ہمیشہ بہار" از کشن چند اخلاص۔ بحوالہ فہرست مخطوطات کتب خانہ شاہ اودھ مرتبہ اسپرنگر ص ۴۴۔ ۵۴۳

۳۔ مآثر عالمگیری واقعات ۱۱۰۸ھ

Marfat.com

اش گلہائے مضامین رنگین گلزار، گلزار ہر سطرش زلف معشوقی سراپانازو ہر نقطہ اش داغ دل عاشقی خانہ بر انداز۔"[۱]

ملاّ محمد سعید اشرف ماژندرانی، ملا محمد صالح ماژندرانی کے لڑکے اور ملاّ محمد تقی مجلسی کے نواسے تھے۔ عالمگیر کے اوائلِ حکومت میں ہندوستان آئے، ان کی استعداد و قابلیت کو دیکھ کر عالمگیر نے ان کو زیب النساء کا اتالیق مقرر کیا۔ ۱۰۹۳ھ میں زیب النساء سے اجازت لے کر اصفہان واپس گئے، پھر واپس آئے، تو شہزادہ عظیم الشان بن شاہ عالم کے ساتھ عظیم آباد میں رہے۔ شہزادہ انھیں بہت ہی محبوب رکھتا تھا، باوجود کبرسنی کے انھیں اپنے پاس برابر بٹھائے رہتا تھا۔ آخر عمر میں بیت اللہ کی زیارت کو جا رہے تھے، مگر مونگیر پہنچ کر انتقال کر گئے، یہیں ان کی قبر بھی ہے، ان کی نسبت صاحب مآثر الکرام رقمطراز ہیں۔

"صاحبِ جودت بود وشاعر والا قدرت طبع چالا کش معانی تازہ بہم می رساندو عجائب گلہادرجیب و دامن سامعہ می افشاند...... دیوان ملا سعید اشرف بمطالعہ در آمد، انواع شعرو قصیدہ و غزل و مثنوی و قطعہ و غیر ہا داردوہمہ جا حرف بقدرت می زند۔"[۲]

روشن ضمیر، ایران کا مشہور شاعر تھا۔ عالمگیر کے زمانہ میں ہندوستان آیا اور شاہی منصب داروں میں مقرر ہوا[۳]، خافی خان لکھتا ہے:

"روشن ضمیر کہ از روشن ضمیر ان صاحب کمال و مستعد ان آن زمانہ گفتہ می شد ودرنظم فارسی واشعار ہندی مشق اوبجائے رسیدہ بود کہ امیر

---

۱ مراۃ الخیال ص ۳۶۰ ۲ مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۱۱۶ ۳ یہ بیضا قلمی نسخہ دار المصنفین

Marfat.com

خسرو ثانیش تواں گفت۔"[1]

تذکرۂ مراۃ الخیال کا مصنف روشن ضمیر کا ذکر بہت ہی عزت و احترام کے ساتھ کرتا ہے:

"آسمان فضل و کمال رابدر سنیر عالی قدر بلند مکان میرزا روشن ضمیر، ازاعاظم مستعدان و اکابر عالی فطرتان روزگار بوده، چنانکه در عربی و فارسی لطائف خسروی بظهور آورد ودر علم ہندی از ثقات آن فن گزرانید علمای ہند اکثرے پشت دست وروے امید درپیسشش می نہادندو در علم لاحل موسیقی بجاے رسید کہ استادان ماہر بشاگردیش مباہات می نمودند، گویند بچہارده ہزار نواهاے متباین سامعہ نواز اہل صحبت گردیده بود، در اکثرے ازان مقامات تصنیفات عربی و فارسی و ہندی ساخت وباہزاراں تر زبانی علم بلند آوازگی برافراخت۔"[2]

اورنگ زیب عالمگیر نے جب کلام پاک حفظ کیا، تو اس موقع پر روشن ضمیر نے یہ تاریخ کہہ کر گذرائی۔

محی الدینی و مصطفے حافظ تو صاحب سیفی و مرتضی حافظِ تو
تو حامی شرع و حامی تو شارع تو حافظ قرآن و خدا حافظِ تو

عالمگیر نے خوش ہو کر اس کو انعام میں سات ہزار روپے عطا کیے[3]

جب اورنگ زیب شہزادہ شجاع سے لڑ رہا تھا، تو اوس نے مندرجہ ذیل تاریخ لکھ کر پیش کی:

اے حرز تو سورۂ تبارک بادا پیوستہ تراتارج و تبارک بادا

---

[1] خافی خان جلد دوم ص ۵۰ [2] تذکرہ مراۃ الخیال ص ۲۲۸ [3] مراۃ الخیال ص ۲۲۹

Marfat.com

جستم زہی شگون فتحت تاریخ　　　　دل گفت شود فتح مبارک بادا

۱۰۶۹

اورنگ زیب کو یہ تاریخ بہت پسند آئی، اس نے انعام میں پانچ ہزار روپے مرحمت کیے۔[۱]

ہندی میں اس کا تخلص بیتھی تھا۔ بھاشا وسنسکرت کے الفاظ کا وہ صحیح تلفظ نہیں کرسکتا تھا، لیکن ہندی کے اشعار کہنے میں اعلیٰ مہارت رکھتا تھا۔ پارجاتک جو موسیقی میں ہندی زبان کی مشہور کتاب ہے، اس کا ترجمہ اس نے فارسی زبان میں کیا۔[۲]

باذل رفیع خان مشہدی خواجہ شمس الدین حافظ سے نسبی تعلق رکھتا تھا، اس کا خاندان مشہد سے ہندوستان شاہجہاں کے زمانہ میں آیا، اس کا چچا میرزا محمد طاہر، وزیر خان عالمگیر کے زمانہ میں برہان پور، اکبرآباد اور مالوہ کا صوبہ دار رہا، رفیع خان باذل شاہجہاں آباد میں پیدا ہوا، جوان ہوا، تو دامن دولت عالمگیری سے وابستہ ہوکر سرکار بانس بریلی کا حاکم مقرر ہوا۔ مآثر الکرام میں اس کے شعر و شاعری کا بیان اس طرح لکھا ہوا ہے۔

> ”خیلے قوت بیانے دارد وبہ اقتضاء تخلص خود فراوان جواہر زواہر بذل و ایثار می نماید، حملۂ حیدری و قریب نودہزار بیت مشہور عالم است۔“[۳]

التفات خان نقدہ صفاہانی طاہر، نام میرزا محمد طاہر تھا۔ اصفہان کا رہنے والا تھا۔ عالمگیر کے عہد میں ہندوستان آیا۔ مخلص خان کے ذریعہ شاہی ملازمت اور منصب حاصل کیا اور التفات خان کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ بیڑ کا جو مضافات اورنگ آباد میں واقع ہے، فوج دار

---

۱ خافی خان جلد دوم ص ۵۰

۲ مقالات شبلی ادبی جلد دوم ص ۸۵۔ نیز ید بیضاء از غلام علی آزاد بلگرامی روشن ضمیر کے مفصل حالات تذکرہ مراۃ الخیال، ص ۳۸۔۲۲۸ پر ملاحظہ ہوں۔

۳ مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۴۲

Marfat.com

مقرر ہوا۔ صاحب مآثر الکرام لکھتے ہیں۔

"ذکی الطبع بودونثر مستعدانہ می نوشت و بمثابۂ قدرت داشت کہ سہ کاتب در حضورا وباسباب کتابت می نشستند، ہرسہ را عبارت خود می فرمود و فقرۂ لاحق برائے ہر کدام بے تامل می گفت وربط کلام ازدست نمی داد وباوصف آن خود ہم دراں حالت مشغول کتابت می بود"۔[1]

فضلا:

فتاوی عالمگیری کی جامعیت ومعنویت اس بات کا ثبوت ہے کہ عالمگیر کا عہدہ باکمال علماء وفضلاء کے لحاظ سے نہایت ممتاز تھا، مگر افسوس ہے کہ ان علماء کے تفصیلی حالات کہیں نہیں ملے، جن علماء وفضلاء کے حالات دست یاب ہو سکے، ان کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

مُلّا جیون، شیخ احمد نام تھا۔ امیٹھی ضلع لکھنؤ کے رہنے والے تھے، اصول فقہ میں عالمانہ نظر رکھتے تھے۔ نورالانوار اصول میں اور تفسیر احمدی قرآن پاک کی احکامی آیتوں کی تفسیر میں ہے۔ عالمگیر کے استاد تھے اور وہ ان کے ساتھ بہت ہی تعظیم وتوقیر کے ساتھ پیش آتا تھا۔ تذکرۂ علماء ہند میں ان کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔

"قوّتِ حافظہ بغایتے داشت کہ قصیدہ بشنیدن یکبار بادلی گرفت و عبارت کتب درسیہ بلا معاینۂ کتاب زبانی می خواند۔ اولاً قرآن مجید حفظ کردہ کتب درسیہ از علمائے عصر خود تحصیل نمودہ، فاتحہ فراغ بخدمت ملا لطف اللہ ساکن کوڑہ

---

[1] ماآثر الکرام دفتر ثانی ص ۱۴۵

Marfat.com

جهان آباد خواند ،پس ازان بحضور محی الدین اورنگ زیب بادشاه باریاب شده ،بادشاه موصوف بتعظیم و توقیر تمام پیش آمده بحلقه تلامذه وے درآمد و تازندگی پا ازجاده ادبش بیروں نه نهاد همچنین اولاد بادشاه موصوف مراعی آدابش بودند، ملا ممدوح الذکر عمر عزیزش رابافاده درس و تصنیف صرف نموده۔''[۱]

۱۱۳۰ھ میں انتقال ہوا۔

قاضی محبّ اللہ بہاری، موضع کرا، علاقہ بہار شریف، (پٹنہ) کے رہنے والے تھے اور قبیلۂ ملک سے تھے، ملا قطب الدین شمس آبادی اور دوسرے علمائے روزگار سے تعلیم پا کر دکن گئے، جہاں عالمگیر نے شاہی ملازمت میں منسلک کر لیا، لکھنؤ اور حیدرآباد میں قاضی رہے، پھر عالمگیر نے اپنے پوتے رفیع القدر بن شاہ عالم کی تعلیم کے لیے مامور کیا۔ شاہ عالم کے زمانہ میں قاضی القضاۃ کا عہدہ تفویض ہوا اور فاضل خاں کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ ۱۱۹۰ھ میں انتقال ہوا اور محلّہ چاند پورہ بہار شریف میں مدفون ہوئے۔

منطق میں سلّم العلوم وافادات اصولِ فقہ میں مسلّم الثبوت، جزٔ لایتجزی کے بیان میں الجوہر الفرد اور رسالہ مغالطۂ عامۃ الوردو، ان کی تصانیف ہیں، ان کی استعداد اور قابلیت مصنف تذکرہ علمائے ہند کے صرف ایک جملہ سے ہوگی

''بحرے بود ازبحار علوم و بدرے بود بین النجوم''[۲]

مولوی عبداللہ سیالکوٹی، ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے صاحبزادے تھے، علاوہ علم وفضل کے صاحبِ عرفان بھی تھے اور اپنے اخلاق وافعال میں اسلام کا بہترین نمونہ سمجھے جاتے تھے۔ عالمگیر کو ان سے ملنے کا بہت اشتیاق رہتا تھا۔ ۱۰۸۶ھ میں حسن ابدال سے پیام شوق ملاقات لکھ بھیجا،

۱۔ تذکرۂ علمائے ہند ص ۴۵ ۲۔ تذکرۂ علمائے ہند ص ۷۵

دونوں کی ملاقات لاہور میں ہوئی۔ عالمگیر مل کر بہت ہی محظوظ ہوا، رخصت کرتے وقت خلعت خاص دوسو اشرفیاں اور ایک ہاتھی عطا کیا ا، ملا عبداللہ اور ان کے شاگردوں کو عالمگیر نے فتاویٰ عالمگیری کے فارسی ترجمہ کے لیے حکم بھی دیا ۲۔

ملاّ محمد عوض وجیہ، شاہی لشکر کے محتسب اور احکامِ شرع کے سخت پابند تھے۔ مصنفِ مآثر عالمگیری کا خیال ہے کہ ان کا ایسا محتسب کوئی دوسرا نہیں ہوا، خدمتِ احتساب سے علحدہ ہونے کے بعد بقیہ عمر درس وتدریس میں بسر کی، ان کے فضل وکمال کا ہر صاحب علم کو اعتراف تھا ۳۔

بختاور خان، عالمگیر کا بہت ہی محبوب ملازم تھا، داروغہ خواصاں تھا، لیکن فن انشاء وتاریخ دانی میں بہت مہارت رکھتا تھا۔ مراۃ العالم اس کی بہت ہی مشہور تصنیف ہے، لیکن اس کے دیباچہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی متعدد تصنیفات وتالیفات تھیں مثلاً چہار آئینہ جس میں جنگ جانشینی اور اورنگ زیب کی فتح وکامرانی کے احوال لکھے ہیں۔ سنائی کے حدیقہ کی تلخیص فریدالدین عطار کی منطق الطیر اور مولینا رومی کی مثنوی کا انتخاب بھی کیا تھا، پھر روضۃ الاحباب اور تاریخ الفی کا ایک مختصر ملخص بھی لکھا تھا۔ سواداعظم کے عنوان سے ایک مجموعہ نظم بھی تیار کیا، ایک بیاض کلام نظم ونثر اساتذہ سے ترتیب دی، جس کا نام دلکشا اور تاریخی نام مجموعہ شعر ہائے رنگیں رکھا۔ ریاضۃ الاولیا میں اولیائ کے احوال لکھے ۴ ''آئینہ بخت'' اس کی ایک تاریخی تصنیف ہے، جس میں بابر کے وقت سے شاہجہاں کے عہد تک مختصر حالات اور عالمگیر کی دہ سالہ حکومت کے واقعات باتفصیل درج ہیں''۔ ۵

ا مآثر عالمگیری واقعات ۱۰۸۶ھ ۲ معراۃ العالم۔ الیٹ جلد ۷ ص ۱۶۰

۳ مآثر عالمگیری واقعات ۱۰۸۷ھ ۴ برٹش میوزیم کیٹلاگ ص ۱۲۶ و معارف نمبر ۴ جلد ۲۹

۵ اس کتاب پر ایک مضمون معارف نمبر ۴ جلد ۲۹ میں نکل چکا ہے منشی احمد علی شوق مرحوم سابق مہتمم کتب خانہ رام پور کا خیال ہے کہ بختاور خان نے ابتداً صرف بابر سے عالمگیر کے حالات لکھے، اور اوس کا نام آئینہ بخت رکھا، پھر اسی کو وسعت دیا اور اس کو مراۃ العالم سے موسوم کیا اور اس کا تاریخی نام آئینہ بخت باقی رکھا لیکن برٹش میوزیم کی فہرست مخطوطات کے مرتب نے اس تالیف مراۃ العالم کو شیخ محمد بقا (۱۰۹۴ا۔۱۰۳۷ء) کی تالیف قرار دیا ہے، الیٹ اس کو بختاور خاں ہی کی طرف منسوب کرتا ہے، مآثر الامراء کا مصنف بھی اس کتاب کو بختاور خاں ہی کی تصنیف سمجھتا ہے۔

Marfat.com

اپنے علمی ذوق کی بنا پر علماء وشعرا کو بے حد عزیز رکھتا تھا اور اہلِ کمال و ہنر کا ہمیشہ معاون و مددگار رہا۔ شعراء نے اس کی مدح میں قصائد لکھے ہیں، اس کا جب انتقال ہوا، تو اورنگ زیب کو بے حد افسوس ہوا، اس کا جنازہ عدالت گاہ میں منگوا کر خود نماز پڑھائی اور کچھ دور جنازہ کے ساتھ پاپیادہ گیا، پھر اس کے نام پر فاتحہ پڑھنے اور خیرات ومبرات جاری کرنے کے لیے احکام صادر کیے۔[۱]

ہمت خاں میر عیسیٰ، اسلام خان بدخشی کا لڑکا تھا۔ عالمگیر نے ایام طفلی میں اوس کی تعلیم وتربیت اپنی زیر نگرانی کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ جوان ہو کر مجمع فضل وکمال ہوا۔ مآثر الکرام میں اس کا ذکر ان الفاظ میں ہے:

"از سر آغاز نشوونما بل درسن صبا بعنایت و الطاف خلد مکان سرفراز بود، د نبوازش تربیتِ آن شاه ستوده شیم ممتاز مجموعه بود درقابلیت و کمال، نسخه بود از فضائل خصال پیوسته ملاذ علماء دقیقه طرازو مرجع سخن فهمان نکته پرداز، سلیم النفس نیك ذات کریم الاخلاق خیر خواه کاینات، ارباب علم و هنر از هرباب در محفلش بارياب و کامیاب طبع موزرن داشت"۔[۲]

ہندی میں بھی شاعری کرتا تھا۔ میرن تخلص تھا۔[۳]

ملا شفیعائی یزدی، ایران سے فضل وکمال حاصل کر کے شاہجہاں کے وقت میں ہندوستان آئے۔ شاہجہاں نے ان کی استعداد ولیاقت دیکھ کر مورد لطف وکرم بنایا، اپنے لڑکوں کی تعلیم کے لیے مامور کیا۔ ہزاری منصب سے سرفراز ہوئے، پھر بخشی گیری دوم کا عہدہ اور دانشمند خان کا خطاب عطا ہوا، ترقی کر کے میر بخشی گری اور سہ ہزاری ہشت صد سوار کے منصب پر فائز ہوئے۔

---

[۱] مآثر عالمگیری واقعات ۱۰۹۵ھ [۲] مآثر الامراء جلد ۳، ص ۹۴۶ [۳] ایضاً

Marfat.com

عالمگیر نے انھیں اپنے عہد میں پنج ہزاری کا منصب عطا کیا اور قلعۂ شاہجہاں آباد کے صوبہ دار مقرر ہوئے۔ ۱۰۸۱ھ میں فوت ہوئے۔

مآثر الامراء کا مصنف ان کی سوانح کے سلسلہ میں لکھتا ہے:

''آن امیر ستودہ شیم از کبار فضلاے زمانہ بود بہ نیک نفسی و نیک اندیشی مشہور، پس ازو تا حال از نوئسینانِ بلند مقدار کسے کہ فضیلت را با مارت جمع کردہ باشد در عرصۂ روزگار نیامدہ''۔[1]

سیّد سعد اللہ شیخ پیر محمد سلونی کے نواسے تھے۔ پینتیس سال تک اپنے نانا سے درس لیتے رہے، علوم عقلی و نقلی، ریاضی و سلوک حاصل کر کے بیت اللہ کی زیارت کو گئے۔ جہاں بارہ سال تک تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھا۔ شریف مکہ اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آتا تھا، بعض ناخوشگوار واقعات کی بنا پر ہندوستان آئے اور بندر سورت میں قیام پذیر ہوئے۔ عالمگیر کو جب ان کے فضل و کمال کا حال معلوم ہوا، تو ان کی مدد معاش کے لیے دو گاؤں اور ایک مکان خانقاہ کے لیے دیئے، اورنگ زیب کو ان کی ذات سے بہت عقیدت تھی، دستِ خاص سے ان کو خط لکھا کرتا تھا۔[2]

خافی خان نے منتخب اللباب جلد دوم میں عالمگیر کے عہد کے بعض اولیاء و بزرگانِ دین کے حالات لکھے ہیں، جو صوری و معنوی حیثیت سے مجمع فضل و کمال تھے اور جن سے عالمگیر روحانی حیثیت سے بہت زیادہ وابستہ تھا، اکثر ان کی زیارت کے لیے بہ نفس نفیس حاضر ہوتا تھا، ان کا ذکر یہاں پر مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

ہندو فضلا و شعراء:

عالمگیر کی سرپرستی نہ صرف مسلمان فضلاء و شعراء تک محدود رہی، بلکہ اوس نے ہندو اہلِ علم و کمال کو بھی اپنی فیاضیوں کا رہین بنایا۔ ہندی کا مشہور رزمیہ شاعر یعنی بیروس کا بادشاہ بھوشن کوئی کا

---

[1] مآثر الامراء جلد ۲ ص ۳۲ [2] خافی خان جلد ۲ ص ۵۶

Marfat.com

بھائی چنتامنی کوئی اورنگ زیب ہی کے سایہ عاطفت میں بڑھا، اس کے توسل سے بھوشن کوئی مغل دربار میں دہلی پہونچا اور وہاں عرصہ تک رہا، کئی اپنی ہسٹری آف ہندی لٹریچر میں لکھتا ہے کہ ''سخت گیر اورنگ زیب ہندوؤں کے فن اور علوم کا دل دادہ نہ تھا، لیکن (ہندی کے ہندو) شعراء دربار کی اعانت اور سرپرستی سے قطعاً محروم نہیں رہے اور بہت سے شاعر اورنگ زیب اور اس کے بیٹے بہادر شاہ کے دربار سے وابستہ رہے۔'' اسی حقیقت کو مولانا شبلی اس طرح واضح کرتے ہیں کہ'' عام خیال یہ ہے کہ ہندوؤں کے علوم اور زبان سے نہایت نفرت رکھتا تھا، لیکن مسلمانوں نے بھاشا زبان پر جس قدر اس کے زمانہ میں توجہ کی، پہلے نہیں کی۔[۱]

عالمگیر کے مسلمان درباریوں میں علاوہ روشن ضمیر کے دانا[۲] اور عبدالجلیل بلگرامی بھاشا بہت ہی ممتاز شعراء تھے، اسی طرح ہندو درباریوں میں فارسی کے بہت ہی قابل قدر ادبا، شعرا اور مورخین تھے، جو شاہی ابر لطف و کرم سے برابر سیراب ہوتے رہے، ان میں سے چند کے احوال ملاحظہ ہوں۔[۳]

واملق کھتری، امرائے عالمگیری میں سے ایک کا وکیل تھا، اس کے نظم ونثر اور ادب فارسی کی یہ دھوم تھی کہ ان کو سن کر شہنشاہ عالمگیر جو خود ایک بلند پایہ ادیب تھا۔ احسنت و آفرین کہتا تھا۔

رائے بندرابن، رائے بہارامل کا بیٹا تھا۔ بھارامل نے ۳۰ جلوس شاہجہانی میں حسن خدمات کے صلہ میں رائے کا خطاب پایا تھا۔ داراشکوہ نے اس کو اپنا دیوان مقرر کیا، اس کے بیٹے بندرابن کو عالمگیر نے تربیت دی اور رائے کا خطاب بخشا۔ لب التواریخ کے نام سے اپنی ایک بہترین یادگار چھوڑی ہے۔

ایسر داس، قوم کا ناگر اور پٹن کا باشندہ تھا۔ ۳۰ سال کی عمر تک قاضی شیخ الاسلام ابن

---

۱ مقالاتِ شبلی حصہ دوم ص ۸۵

۲ اس کی نسبت غلام علی آزاد بلگرامی ید بیضا میں لکھتے ہیں کہ نظم ہندی بسیار خوب گفتہ

۳ یہ تمام حالات علامہ سید سلیمان ندوی کے محققانہ مضمون ''مسلمانوں کے عہد میں ہندؤں کی علمی و تعلیمی ترقی'' سے ماخوذ ہیں۔

Marfat.com

عبدالوہاب کی خدمت میں تحصیلِ علم کرتا رہا، شاہی ملازمین میں منسلک ہوکر جودھپور کا امین مقرر ہوا، اس نے میدانِ جنگ میں کارنمایاں انجام دیا، تو دوبست و پنج صدی افسر مقرر ہوا، فتوحاتِ عالمگیری اوس کی ایک علمی یادگار ہے۔

بھیم سین کالیستھ ، شاہی ملازمت میں بندیلہ کے حاکم کے ساتھ منسلک تھا۔ دکن کی لڑائیوں میں بہت ہی کارآمد ثابت ہوا، تو عالمگیر نے راؤ کے خطاب کے ساتھ تین ہزار فوج کا افسر بنایا، پھر قلعہ نالڈرک کا قلعہ دار رہا۔ دلکشا نام سے عہد عالمگیری کی ایک تاریخ لکھی۔

سوجان رائے کھتری ، پٹیالہ کا رہنے والا تھا۔ خلاصۃ التواریخ کے نام سے ایک نہایت صحیح اور مفصل تاریخ ابتدائے عالم سے لے کر شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد تک لکھی اور عالمگیر کے نام سے معنون کی۔

خوشحال چند ، عالمگیر کے شاہی دربار کا دیوان تھا ، تاریخ نادر الزمانی خوش حال کی بہترین تصنیف ہے۔

اس عہد میں ہندوؤں کے علوم وفنون کو فارسی زبان میں منتقل کرنے کی جو کوشش کی گئی۔ وہ عالمگیر کو بدنام کرنے والے اصحاب و مورخین کے لیے بصیرت افروز ہے۔ میرزا خان بن فخر الدین محمد نے شاہزادہ اعظم شاہ کے مطالعہ کے لیے تحفۃ الہند تصنیف کی ، جس کا موضوع ہندوؤں کا فنِ بلاغت اور عروض و قافیہ وغیرہ ہے[۱]، ابوسعید الحسینی الرضوی الشیرازی نے ۴۷ھ جلوس عالمگیری مطابق ۱۱۱۴ھ میں ہندو علوم ہیئت ونجوم پر ''نظام النجم'' کے نام سے ایک کتاب لکھی[۲]، شیخ فقیراللہ نے ہندی موسیقی پر ۱۰۷۳ھ میں ''راگ درپن'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ شیخ فقیر اللہ عالمگیری علماء وامراء میں تھا۔ سیف خاں لقب تھا، موسیقی کا بڑا ماہر تھا۔ رسالہ ہذا فن موسیقی کی ایک مستند کتاب مانک سوہل کا ترجمہ ہے ، جس میں بہت سے فوائد اضافہ کیے ہوئے ہیں [۳]، اس عہد کی دو اور

۱۔ اس کتاب پر مولینا شبلیؒ کا مضمون مقالاتِ شبلی ادبی جلد دوم میں ملاحظہ ہو

۲۔ اس کا ایک قلمی نسخہ دارالمصنفین اعظم گڑھ میں موجود ہے۔

۳۔ مآثر الامراء جلد دوم ص ۴۸۴

Marfat.com

''عجیب کتابیں'' ہیں۔مت اچھرا اور ردالکفر، دونوں ہندوؤں کے رسوم وعقائد پر ہیں، پہلی کتاب ایک ہندو کی لکھی ہے، جس کا مقصد سنسکرت نہ جاننے والے ہندوؤں کو ان کے مذہب سے آگاہ کرنا ہے، اس کا لکھنے والا لعل بہاری ولد کا ہید سنگھ ہے، جو بھوجپور ضلع شاہ آباد قنوج کا رہنے والا تھا اور اورنگ زیب کے درباری امیر اللہ وردی کا متوسل تھا۔لعل بہاری نے اس کتاب کے دیباچہ میں عالمگیر کو جن الفاظ اور خلوص وعقیدت سے یاد کیا ہے، وہ ہندوؤں کے پڑھنے کے لائق ہے[1]، دوسری کتاب ردالکفر ایک نومسلم کی لکھی ہوئی ہے، جس میں ہندوؤں کے عقائد پر تبصرہ کیا ہے[2]۔

مورخین:

اورنگ زیب کے درباری مورخین کی تعداد زیادہ نہیں، وقائع واخبار نویسوں کے علاوہ صرف ایک درباری مورخ منشی محمد کاظم تھا، جس نے عالمگیر کی حکومت کے دہ سالہ واقعات عالمگیر نامہ میں لکھے۔منشی محمد کاظم، مرزا محمد امین منشی[3] مصنف پادشاہ نامہ کا لڑکا تھا، اس کے ادب وانشاء کے چند نمونوں کو دیکھ کر عالمگیر نے اسے اپنے عہد کے حالات لکھنے کے لیے مامور کیا، لیکن دس سال کے واقعات وہ لکھنے پایا تھا کہ عالمگیر نے دربار کے محکمۂ تاریخ نویسی کو تخفیف کردیا، اس کی خاکسار طبیعت پسند نہیں کرتی تھی کہ اس کے مفاخر ومکارم کی داستان گوئی کے لیے ایک سرکاری بزم قائم کرے۔عالمگیر نامہ کے مقدمہ میں ہے۔

> وچوں بندگان حضرت اعلیٰ خاقانی بمقتضائے دانش خدا داد و فطرت بلند و علو ہمت و وسعت حوصلہ ابقاد آثار ظاہر را در حنبب محوان وقعتے نہ نہادہ بتاسیس مآثر باطن بیشتر توجہ داشتند بعد از تدوین واقعات دہ سالہ حکم حقیقت شیم صادر شد کہ

۱۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ جامعہ ملیہ لائبریری دہلی میں موجود ہے اس پر علامہ سید سلیمان ندوی کا ایک مضمون معارف نمبر ۶ جلد ۲۳ میں ملاحظہ ہو۔

۲۔ ایضاً ۳۔ مرزا محمد امین کا ذکر گذشتہ مضمون میں آچکا ہے۔

گذارندۂ داستان مفاخر و مکارم محمد کاظم مصنف کتاب مستطاب عالمگیر نامہ من بعد وقائع رابقید کتاب درنیا ورد و لہذا وہم بد ان قدر اکتفا نمودہ۔''[۱]

مآثر عالمگیری کا مصنف بھی اپنے دیباچہ میں اسی بات کو ظاہر کرتا ہے۔

''واضح باد کتاب بلاغت نصاب والا خطاب عالمگیر نامہ متضمن و قائع دہ سالہ دولت ابدطراز ...... ابو المظفر محی الدین محمد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی نگاشتہ خامہ بدائع نگار مرزا محمد کاظم سرآمد سخن سنجان نادر کار است و چوں خدیو عالم صورت و معنی و واقف اسرار بلندی و پستی راتاسیس بنائے باطن مقدم بر اظہار آثار ظاہر بود راقم از تسوید ممنوع شد۔''

مگر آزاد اہلِ قلم جن میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل ہیں، اس عہد کی تاریخ برابر لکھتے رہے، ان میں سے بعض ہندو مورخوں نے اپنی تاریخیں عالمگیر کے نام سے معنون کیں اور ان کو بہ تقریب ہدیہ دربار میں لے کر حاضر ہوئے۔[۲]

مدارس:

برنیر نے شہزادوں کی ابتدائی تعلیم کے متعلق اورنگ زیب کی زبانی ایک دل چسپ اور پُر مغز تقریر نقل کی ہے[۳] جس سے اورنگ زیب کا تعلیمی نقطہ نظر معلوم ہوتا ہے، لیکن برنیر کا بیان عموماً سنجیدہ اور دقیع نہیں ہوتا، اس لیے ہم اس کو نظر انداز کرتے ہیں، خصوصاً جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ

۱۔ مقدمہ عالمگیر نامہ ص ۵

۲۔ ''عہد عالمگیر میں تاریخ نویسی'' کے عنوان سے جناب سید ریاست علی صاحب ندوی رفیق دار المصنفین کا ایک مدلل مضمون معارف نمبر ۵ جلد ۳۹ میں ملاحظہ ہو۔

۳۔ دیکھو وقائع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر مترجمہ سید محمد حسین، ص ۲۷۹

Marfat.com

اورنگ زیب نے یہ تقریر اپنے ایک استاد ملا محمد صالح سے کی تھی، جس کا نام ہم عصر موقر تاریخوں میں کہیں نہیں آتا۔

عالمگیر کو جو علم و ہنر سے شغف تھا، اس کا اقتضاء یہ تھا کہ وہ اپنی سلطنت میں اس کی ترویج ہر ممکن صورت سے کرے، چناں چہ اس نے تمام شہروں اور قصبوں میں مدارس و مکاتب قائم کیے۔ لائق اساتذہ مقرر کیے اور طلبہ کو وظائف دیے۔ عالمگیر نامہ کے مصنف کا بیان ہے۔

"واز آنجا کہ توجہ خاطر دانش مآثر بترویج مراتب فضل و تاسیس معالم علم درجۂ قصوی دار دو در جمیع بلاد و قصبات این کشور وسیع فضلا و مدرسان را بوظائف لائقہ از روز یانہ و املاک موظف ساختہ بشغل تدریس و تعلیم محصلان علوم گماشتہ اند وبرائے طلبۂ علم در ہر معمولی و ناحیہ وجوہ معیشت درخور رتبہ و حالات و استعداد مقرر داشتہ و ہر سالہ بدیں وجہ نیز از خزائن، احسان پادشاہانہ مبلغہاے معتدبہ صرف می شود وازفیض مکرمت و افضال شہنشاہ ابر کف دریا نوال طالبان علم و کمال سمت افزونی پذیرفتہ منشرح البال و مرفہ الحال بکسب و تحصیل علوم اشتغال می ورزند و برکات و دعائے اجابت اثر آن گردہ سرمایۂ بقاے این دولت آسمانی شکوہ می گردد۔"[1]

گجرات میں جو مدارس قائم ہوئے اور وہاں کے طلبہ کو جو سہولتیں پہنچائی گئیں، اس کا حال

---

[1] عالمگیر نامہ ص ۱۰۸۵-۸۶، انگریز مورخوں نے بھی اس کی شہادت دی ہے کہ اورنگ زیب نے زراعت کو ترقی دی۔ باضابطہ سڑکیں بنوائیں اور بے شمار مکاتیب و مدارس قائم کیے (کین۔ موغل امپائر)

Marfat.com

مراۃ احمدی میں اس طرح درج ہے۔

"بنام مکرمت خان دیوان صوبه صادر شد، چون حکم مقدس معلی درجمیع صوبجات ممالك محروسه شرف نفاذ یافت که در ہر صوبه مدرس تعیین نمایند و طالب علم از میزان تا کشاف خوان باستصواب صدر صوبه موافق تصدیق بمہرمدرسان وجه علوقه از تحویلِ خزانچی خزانه آن صوبه می داده باشند، دریں والاسه نفرمدرس در احمد آباد وپٹن و سورت و چہل و پنج نفرطلبه علم اضافه در صوبه احمد آباد مقرر شد۔"[۱]

اسی عہد میں شیخ محمد اکرام الدین نے ایک لاکھ چوبیس ہزار روپے کے خرچ سے ایک مدرسہ کی عمارت بنوائی۔ عالمگیر نے اس مدرسہ کے اخراجات کے لیے موضع سوندرہ پرگنہ سانولی و موضع سہیلہ عملہ پرگنہ کڑی وقف کیا اور ساتھ ہی ساتھ دو روپیہ یومیہ محتاج طلبہ کے لیے بھی مقرر کیا۔[۲]

مئی ۱۹۳۷ء

۱۔ مراۃ احمدی ص ۳۰۹ تاریخ فرح بخش مصنفہ محمد فیض بخش و مترجمہ دبلیو ہوئی سے زیندر ناتھ لاء نے نقل کیا ہے کہ اورنگ زیب میزان کے پڑھنے والے طلبہ کو ۱/ انشعب پڑھنے والے کو ۲/ اشرح وقایہ اور فقہ پڑھنے والوں کو ۸/ روزینہ دیا کرتا تھا۔

۲۔ مراۃ احمدی جلد اول ص ۲۷۲، اورنگ زیب کے گجرات کے بوہروں کی تعلیم کے لیے بھی اساتذہ مقرر کیے، تا کہ اون کی صحیح تعلیم ہو، اون کے ماہانہ امتحان کے نتائج براہِ راست اس کے پاس بھیجے جاتے تھے۔ (مراۃ احمدی جلد ۱ ص ۷۸۔۲۷۷) برنیر کے بیان کے مطابق اورنگ زیب نے فرنگی محل لکھنؤ میں بھی ایک مدرسہ قایم کیا۔

Marfat.com

عالم گیر اور اس کے معاصر مشائخ

شاہ جہاں نے اپنے عہد میں دین اور مذہب کی ترویج کر کے اپنی سلطنت میں اسلامی فضا قائم کرنے کی کوشش کی، جس میں بین شہادتیں دہلی کی جامع مسجد، آگرہ کی موتی مسجد اور اس کی بنائی ہوئی دوسری مسجدیں بھی ہیں، اس نے اپنے شہزادوں کو بھی پوری مذہبی تعلیم دلائی، دارا شکوہ، شجاع، اورنگ زیب اور مراد، سب ہی اپنے زمانے کے جید علماء و فضلاء سے تعلیم پاتے رہے، ان میں اورنگ زیب نے معقولات و منقولات کی تعلیم میر محمد ہاشم سے پائی ۱، کلام پاک کا درس ملا موہن (ساکن بہار شریف) سے لیا ۲، امام غزالی کی اکثر کتابیں خصوصاً احیاء العلوم مولانا سید محمد قنوجی سے پڑھیں ۳ تفسیر کا درس ملا جیون سے لیتا رہا ۴، فقہی جزئیات کو شیخ عبد القوی برہان پوری سے سمجھا ۵، ملا شفیعائی دانش مند خاں سے، بادشاہت کا زمانہ میں بھی خاص خاص کتابیں پڑھا کرتا تھا، اس کو دینی علوم سے فطری رغبت تھی، لائق اور فاضل اساتذہ کی نگرانی میں ان علوم سے اس کا شغف اور بھی زیادہ بڑھ گیا، امام غزالی کی تصانیف شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے مکتوبات اور شیخ محی الدین شیرازی کے رسائل اس کے مطالعہ میں برابر رہے ۶۔ اس نے کلام پاک حفظ کیا تو قرآنی علوم سے بھی اس کی دلچسپی بڑھی، بادشاہت کے زمانے میں جب فتاویٰ عالم گیری کی تدوین کا کام شروع کرایا تو اس کو شیخ نظام برہان پوری، ملا محمد جمیل جونپوری، قاضی محمد حسین جونپوری، ملا حامد جونپوری، شیخ وجیہ الدین گوپامئو، شیخ ریاض الدین بھاگل پوری، قاضی

---

۱ اپریل ۱۹۶۵ء میں یوم عالمگیر کراچی میں منایا گیا۔ یہ مقالہ اسی موقع کے لئے جناب ڈاکٹر معین الحق جنرل سیکریٹری پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کی فرمائش پر لکھا گیا۔ بادشاہ نامہ از عبد الحمید لاہوری جلد اول ص ۲۶

۲ مآثر الکرام ص ۴۳ ۳ تذکرہ علمائے ہند ص ۳

۴ مآثر الکرام ص ۱۷-۳۱۶ ۵ مآثر الامراء جلد اول ص ۳۶-۲۳۵

۶ مآثر عالمگیری ص ۳۸۸

Marfat.com

سید عنایت اللہ مونگیری، سید نظام الدین ٹھٹھوی اور ملا غلام محمد لاہوری وغیرہ جیسے علماء اور فقہا کی صحبت رہی، جس کی وجہ سے وہ اور بھی حامی دین اور پابند شریعت ہوتا گیا، اسی لئے وہ شروع ہی سے ایسے مشائخ کا بھی قدردان رہا جو ہر حال میں شریعت اور اسلامی شعار کے پابند تھے۔

جب وہ دکن کا صوبیدار تھا تو اس زمانے میں حضرت عبدللطیف برہان پوری ایک مشہور بزرگ تھے، شریعت کے بڑے پابند ہونے کی وجہ سے نغمہ وسرود، غنا اور آلہ غنا کو ناپسند کرتے تھے، شادی بیاہ کے موقع پر کوئی جلوس ان کی خانقاہ کے پاس سے گاتا بجاتا گزر نہیں سکتا تھا، دوسرے بزرگ ان کے متعلق کہتے کہ ہم کو شکرگزار ہونا چاہئے کہ ایسے متشرع اور حق پرست بزرگ ہم میں موجود ہیں، اورنگ زیب ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، ایک بار اس نے ان کی خدمت میں خانقاہ کے مصارف کے لئے کچھ گاؤں پیش کرنا چاہا، تو انھوں نے یہ شعر پڑھ کر لینے سے انکار کیا۔

شاہ مارا دہ دہد منت نہد رازق ما رزق بے منت دہد

اورنگ زیب اس شعر کو سن کر متاثر ہوا لیکن اس نے عرض کیا کہ ہم فقراء اور اولیاء اللہ کی خدمت خیر دنیوی اور برکت اخروی کے لئے کرتے ہیں، گاؤں پیش کر کے احسان کرنا مقصود نہیں، حضرت عبداللطیف نے فرمایا کہ اگر خیر و برکت حاصل کرنا ہے تو رعایا سے نصف غلہ لو، بلکہ محنت کشوں اور مظلوموں کے پاس اور بھی زیادہ چھوڑ دو، گوشہ نشینوں اور متوکلوں کے لئے وظائف مقرر کرو، مظلوموں کی دادرسی اس طرح کرو کہ ان کی حق تلفی نہ ہو اور ظالموں کے ہاتھ مظلوموں کے لئے کوتاہ ہو جائیں وغیرہ، اورنگ زیب نے ان باتوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا اور اس نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کی، جیسا کہ اس نے اپنے ایک رقعہ میں اس کا ذکر کیا ہے،- [1]

''اورنگ زیب کو ان کے آخر وقت تک ان سے عقیدت رہی، منتخب اللباب میں ہے:

''خلد مکاں رادر خدمت ایشاں ارادت و حسن عقیدت

[1] رقعات عالمگیری شائع کردہ دارالمصنفین اعظم گڑھ نمبر ۲۲، مقدمہ رقعات عالمگیر ص ۱۳۲، منتخب اللباب از خافی خان حصہ دوم ص ۵۶-۵۵۵، بزمِ تیموریہ ص ۲۵۳

Marfat.com

تمام بودوہیچ ماہ و ہفتہ نہ نبود کہ فرمان لطف امیز بہ دستخط خاص بنام ایشان صادر نشود۔" (ج ۲ ص ۵۶۶)

شیخ عبداللطیف برہانپوری کے ایک خاص مرید ملا قطب بانس ملتان کے رہنے والے تھے، وہ اورنگ زیب کی شہزادگی کے زمانہ میں برہانپور میں اس سے ملے تھے، تو اورنگ زیب اسی وقت سے ان کا قدردان ہوگیا اور جب وہ بادشاہ بنا تو اس نے ملا صاحب کی خدمت میں چار لاکھ درہم پیش کیے اور ایک گاؤں بھی ان کے نام سے موسوم کیا، جس کا نام قطب آباد رکھا گیا۔ [۱]

برہان پور میں ایک دوسرے بزرگ شیخ برہان تھے جو مریدوں کی تربیت کرنے میں بہت سختی کرتے تھے، ان کی خانقاہ میں کچھ ایسے مرید بھی جمع ہو جاتے جو ان کے عقیدت ومحبت میں عالم سکر میں ان کو خدا کہہ دیتے، شیخ برہان اس کو پسند نہ کرتے اور جب وہ باز نہ آتے تو ان کو سزا کے طور پر قید کر دیتے اگر ان کے مریدین شریعت کی خلاف ورزی کرتے اور ان کی نصیحت قبول نہ کرتے تو ان کو شہر کے قاضی کے حوالے کر دیتے جو ان کو قید کر دیتا پھر بھی وہ باز نہ آتے تو قاضی ان کو قتل کر دیتا۔ اورنگ زیب جنگ انشینی کے لیے دکن سے روانہ ہوا تو وہ حضرت شیخ برہان کی خدمت میں برہانپور حاضر ہوا، شیخ برہان ہندو مسلمان سے بے تکلف ملا کرتے تھے، ان کے لیے ان کی خانقاہ کا درواز کھلا رہتا لیکن وہ بادشاہ اور امراء سے ملنا اپنے مسلک کے خلاف سمجھتے تھے، اس لیے اورنگ زیب بھیس بدل کر ان کی مجلس میں شریک ہوا، ایک نووارد کو دیکھ شیخ برہان نے نام پوچھا، اورنگ زیب نے جب اپنا نام بتایا تو وہ اس کی طرف مخاطب نہیں ہوئے اور جب عام لوگوں کو تبرک دینے لگے تو اورنگ زیب کو کچھ نہ دیا لیکن اورنگ زیب اس سے بددل نہ ہوا، دوسرے دن پھر ان کی خانقاہ میں پہنچا، شیخ برہان نے اپنی آزردگی کا اظہار کرتے ہوئے اس سے کہا کہ یہ مکان تم کو پسند ہے تو لے لو ہم کہیں اور جگہ چلے جائیں گے، اورنگ زیب اس سے بھی دل گیر نہ ہوا، تیسرے دن پھر وہ ان کے پاس گیا، شیخ برہان نماز کے لیے خانقاہ سے باہر نکل رہے تھے کہ اورنگ زیب مودبانہ ان کے سامنے کھڑا ہوگیا اور عرض کی کہ دارا نے شریعت کو نظر انداز کر رکھا

---

۱ معراۃ العالم قلمی نسخہ دارالمصنفین ورق ۳۰۱، بزم تیموریہ ص ۲۴۵

Marfat.com

ہے، اگر مجھ کو حکومت ملی تو دین نبوی کے احکام کے ساتھ رعیت پروری بھی کروں گا، آپ باطنی توجہ فرمائیں، یہ سن کر شیخ برہان نے فوراً کہا کہ ہمارے جیسے کم اعتبار فقیروں کی دعا سے کیا ہوتا ہے، تم بادشاہ ہو، نیکی، عدل پروری اور رعیت نوازی کی نیت کے ساتھ دعا کرو ہم بھی دعا کے لے ہاتھ اٹھاتے ہیں، اسی وقت اورنگ زیب کے ساتھی شیخ نظام نے اس سے کہا بادشاہی مبارک ہو۔[1]

اور جب عالمگیر تخت نشین ہوا تو اس کو اپنی شریعت نوازی کے سبب قدم قدم پر ابتلاء وآزمایش کا سامنا کرنا پڑا، ان ہی میں دارا شکوہ اور حضرت سرمد کے قتل وشہادت کے بھی واقعات ہیں، یہاں پر حضرت سرمد کے ساتھ دارا شکوہ کا نام اس لئے لیا گیا ہے کہ وہ بھی شیخ وقت ہو گیا تھا، کیوں کہ اس کے مرشد ملا جیوا اپنے مریدوں کو اسی کی صورت کا مراقبہ کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ اور وہ ان سے کہتے تھے کہ اگر تم اس کی طرف متوجہ نہ ہو گے تو خدا سے پھر جاؤ گے (حسنات العارفین از دارا شکوہ ص ۴۲) وروہ خود بھی اپنی تصنیف سکینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے، جہاں اور کوئی طالب سالہا سال کے مجاہدوں اور ریاضتوں سے پہنچتا ہے، میں بغیر ریاضت کے یک بارگی پہنچ گیا اور جو میں چاہتا تھا وہ مجھے مل گیا (ص ۵) پھر اس کی زبان سے کچھ ایسے کلمات نکلنے لگے جن کو سن کر علماء آزردہ خاطر ہوئے، لیکن وہ خود اپنی مدافعت میں حسنات العارفین کی تمہید میں لکھتا ہے کہ توحید ومعرفت کے منازل ومدارج میں ایک ایسا مقام بھی آتا ہے، جب ایک سالک شریعت و طریقت کفر وایمان، خیر وشر اور عبد ومعبود سے بالکل بے نیاز ہو جاتا ہے او بے خودی میں اس کی زبان سے ایسے کلمات نکلتے ہیں جو بظاہر مذہب وایمان کے منفی ہوتے ہیں، لیکن وہ قابل مواخذہ نہیں (دیکھو تمہید حسنات العارفین از دارا شکوہ) لیکن دارا شکوہ کی اس تاویل سے علمائے ظواہر مطمئن نہیں تھے، پھر اس نے مجمع البحرین لکھ کر اسلام اور ہندو مذہب کو ایک ہی سمندر کے دو دھارے بتائے اور ان دونوں کو ملانے کی کوشش کی اور یہ بھی بتایا کہ اسلامی تصوف اور ویدانت میں لفظی اختلاف کے سوا کوئی اور فرق نہیں، توحید کے شیدائی ان دونوں میں سے جس کی بھی تقلید کریں حقانیت کی منزل تک پہنچ سکتے ہیں، علمائے ظواہر نے دارا شکوہ کے ان خیالات کو مطلق پسند

---

[1] منتخب اللباب جلد دوم ص ۵۵۴، بزم تیموریہ ص ۲۵۴

Marfat.com

نہیں کیا اور جب اس نے اپنشد کا مطالعہ شروع کیا تو اس کی تمہید میں اس کا بیان ہے کہ اس کو علم توحید توریت، انجیل اور زبور کے مطالعہ سے حاصل نہ ہوسکا کیونکہ ان میں توحید کا بیان مجمل ہے، وہ بھی لکھتا ہے کہ اس کی تسلی قرآن پاک سے بھی نہ ہوسکی کیوں کہ اس کی اکثر باتیں رمزی ہیں آخر اس کو توحید کی تمام باتیں اپنشد میں مل گئیں، جس کے پچاس ابواب کا ترجمہ اس نے سنسکرت سے فارسی میں کر کے عام کیا، وہ رفتہ رفتہ توحید وجودی کا قائل ہو کر بھگوت گیتا، بشسٹ اور رام چندر جی کا بھی معترف ہوگا اور دیر وحرم کی تفریق مٹانی چاہی جو ظاہر ہے کہ اسلام کے راسخ العقدہ علماء و فقہا اور صوفیہ کو پسند نہ آیا، عالمگیر نے جب دھرماوت اور سموگڑھ کے محاذ پر دارا کو شکست دے دی تو پھر اس کو شرکت کے محاذ پر لا کر اس کی قسمت کا فیصلہ کرنے میں کیا رکاوٹ پیدا ہوسکتی تھی، جبکہ راسخ العقیدہ علماء اور فقہاء اس کو مرتد اور ملحد سمجھتے تھے، آج کل کے مورخین کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اس کی رواداری اور وسیع المشربی سے متاثر ہے اور یہ کہتا ہے کہ اگر دارا شکوہ تخت نشین ہوتا تو مسلمانوں کی حکومت برابر قائم رہتی، لیکن اورنگ زیب کے حامی یہ کہتے ہیں کہ دارا شکوہ کے تخت نشین ہونے سے مسلمانوں کی حکومت تو باقی رہتی، لیکن اسلام باقی نہ رہتا۔ اورنگ زیب کی تخت نشینی سے اس کے بعد گو مسلمانوں کی حکومت کچھ دنوں کے بعد باقی نہیں رہی لیکن ہندوستان میں اسلام باقی رہا۔

حضرت سرمد کا معاملہ دارا شکوہ سے کچھ مختلف تھا، وہ بھی دارا شکوہ کی طرح ایسی ہی توحید وجودی کے قائل تھے جس کو علماء اور شریعت نواز صوفیہ پسند نہ کرتے تھے، وہ دارا شکوہ کے حامی رہے، انھوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ شاہجہاں کے بعد وہی بادشاہ ہوگا، لیکن جب وہ پسپا ہو کر قتل کر دیا گیا تو عالمگیر نے حضرت سرمد سے دریافت کیا کہ انھوں نے دارا شکوہ کو بادشاہت کی جو خوش خبری دی تھی وہ کیسے پوری نہ ہوسکی، حضرت سرمد نے جواب دیا کہ وہ مژدہ صحیح نکلا کیوں کہ دارا دارا شکوہ کو ابدی سلطنت کی تاج پوشی نصیب ہوئی، ظاہر ہے کہ یہ تاویل اورنگ زیب کو ناگوار گزری ہوگی، لیکن ان پر اور بھی الزامات تھے کہ وہ معراج جسمانی کے منکر ہیں اور برہنہ رہا کرتے ہیں، حکومت کے قاضی عبدالقوی نے ان سے باز پرس کی تو انھوں نے جواب دیا کہ

Marfat.com

شیطان قوی است ۔ اس کو قاضی عبدالقوی اپنے اوپر طنز سمجھے ، انھوں نے ان پر عریانی کا جرم قائم کر کے عالمگیر کو ان کے قتل کا مشورہ دیا ، لیکن عالمگیر نے اس کو یہ کہہ کر رد کیا کہ صرف عریانی وجہ قتل نہیں ہوسکتی ، ان کے متعلق یہ بھی مشہور تھا کہ وہ کلمہ کا صرف ایک جز یعنی لا الٰہ پڑھتے ہیں ، اس امتحان کے لیے شاہی دربار میں علماء کا اجتماع ہوا جس میں حضرت سرمد بھی طلب کیے گئے ، ان سے کلمہ پڑھنے کے لیے کہا گیا تو انھوں نے جب عادت صرف ایک جز یعنی لا الٰہ پڑھا ، علما نے اس پر اعتراض کیا تو انھوں نے کیا کہا میں ابھی نفی میں مستغرق ہوں ، مرتبہ اثبات پر نہیں پہنچا ہوں تو پھر جھوٹ کیسے کہوں ، علماء نے کہا ، ایسا کہنا کفر ہے اگر کہنے والا توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے اور ان کے قتل کا فتویٰ صادر کر دیا گیا ۔ حضرت سرمد کی قبر اب بھی مرجع خواص وعوام ہے ، انھوں نے محبت الٰہی ، دیدار الٰہی اور دیدار نبوی پر جو رباعیاں کہی ہیں وہ آج بھی ذوق وشوق سے پڑھی جاتی ہیں لیکن وہ ترک شریعت کی وجہ سے قانون شریعت کی زد میں آ گئے ۔

دارا شکوہ اور حضرت سرمد کے قتل وشہادت میں مورخین سیاسی مصالح بھی شامل کرتے ہیں ، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسی زمانے میں توحید وجودی کی جو موشگافیاں ہوئیں ، ان سے طرح طرح کے فتنے اٹھتے گئے جس کی آڑ میں شرعی احکام سے مداہنت اور اغماض کیا جانے لگا ، شریعت کو حقیقت کا چھلکا بتایا گیا ، انا الحق کا نعرہ بلند ہونے لگا حسینوں کی صحبت میں رسائی کی راہ تلاش کی جانے لگی ، سادہ رخوں میں اللہ ہی کا رنگ دیکھا جانے لگا ، حسینوں کے غمزوں عشووں کو .... مجازی عشق سے حقیقی عشق تک پہنچنے کا ذریعہ قرار دیا جانے لگا ، راسخ العقیدہ صوفیہ ان تمام باتوں کو بدعت ، گمراہی اور ضلالت قرار دیتے ، وہ صرف لا الہ الا اللہ کہنے والے کو مسلمان سمجھنے کے لیے تیار نہ تھے ، جب تک کہ وہ محمد رسول اللہ بھی کہنے کے قائل نہ ہوتے ، وہ توحید اور رسالت دونوں پر یقین کامل رکھنے ہی میں عقیدہ اور ایمان کی سلامتی سمجھتے اور کہتے کہ صوری اور معنوی اخلاق کی درستگی اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل متابعت نہ ہو ، اس متابعت کے ذریعہ سے اللہ تبارک تعالیٰ کی قربت حاصل ہونا ممکن ہے ، وہ انا الحق کے کہنے والوں کو مرتد اور بے دین سمجھتے ، اسی لیے ان کے خلاف ہنگامہ کرتے اور سلاطین وقت سے مل کر ان کو قتل کرا دیتے ۔

Marfat.com

توحید کے اس قسم کے پرستاروں کے خلاف حضرت مجدد الف ثانی نے جو آواز اٹھائی تھی، وہ برابر گونجتی رہی، خود ان کے صاحبزادے حضرت خواجہ معصوم سرہندی جو ان کے علوم ومعارف کے بہت بڑے شارح تھے، بلکہ ان کے نقش قدم پر چل کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تلقین کر کے مسلمانوں کی مذہبی زندگی کی تجدید اور اصلاح میں لگے تھے، ان کی تعلیم تھی کہ سنت کا اتباع اور بدعت سے اجتناب کرنا ہر حال میں دامن متابعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تھامنا اور آثار صحابہ پر چلنا ضروری ہے اور اپنے تمام مریدوں اور متوسلوں کے خطوط میں اسی کی تربیت دیتے رہے، مثلاً اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''اے بھائی! ناجنس اور مخالف طریق کی صحبت سے بچتے رہنا اور بدعتی کی مجلس سے گریزاں رہنا، یحییٰ معاذ رازی قدس سرہ' کا مقولہ ہے کہ ان تین اصناف سے اجتناب کرو (۱) علمائے غافلین (۲) قرائے مداہنین (۳) متصوفہ جاہلین، جو شخص شیخوخت کی مسند پر بیٹھا ہوا ہے اور اس کی عمل موافق سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے اور نہ وہ خود زیور شریعت سے آراستہ ہے خبردار، خبردار اس سے دور رہنا، بلکہ احتیاطاً اس شہر میں بھی نہ رہنا..... سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ فرماتے ہیں، کامیابی کے تمام راستے بند ہیں، سوائے اس شخص کے راستے کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نشان قدم کی پیروی کرے..... آداب نبوی کا خیال نہ رکھنے والے اور سنن مصطفوی کو چھوڑ دینے والے کو ہرگز ہرگز عارف خیال نہ کرنا، اس کے ظاہری تبتل وانقطاع، خوارق عادات زہد وتوکل اور زبانی معارف توحیدی پر فریفتہ وشیفتہ نہ ہو جانا۔..... مدار کار اتباع شریعت پر ہے اور وہ معاملہ نجات پیروی نقش قدم رسول سے مربوط ہے، محق ومبطل میں امتیاز پیدا کرنے والی چیز اتباع پیغمبر ہی ہے، زہد وتوکل اور تبتل بغیر اتباع رسول کے نامعتبر ہیں، اذکار وافکار اور اشواق واذواق بے توسل سرکار دو عالم غیر مفید ہیں..... حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا جس

Marfat.com

نے آداب سے سستی برتی، وہ سنن سے محروم ہو گیا جس نے سنن سے غفلت اختیار کی وہ فرائض سے محروم ہوا اور جس نے فرائض سے تہاون کیا وہ معرفت سے محروم ہو گیا، شیخ ابو سعید ابو الخیر سے لوگوں نے کہا کہ فلاں شخص پانی پر چلتا ہے، انھوں نے فرمایا ہاں گھانس کا تنکا بھی پانی پر چلتا ہے پھر کہا گیا کہ فلاں آدمی ہوا میں اڑتا ہے، فرمایا چیل کوا بھی ہوا میں اڑتے ہیں، پھر کہا گیا آدمی ایک لحظ میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں چلا جاتا ہے۔ فرمایا شیطان تو ایک دم میں مشرق سے مغرب تک چلا جاتا ہے، ان باتوں کی کوئی قیمت نہیں، مردِ حق دراصل وہ ہے جو مخلوق کے درمیان نشست و برخاست رکھے، بیوی بچے رکھتا ہو اور پھر ایک لحظ خدائے عز و جل سے غافل نہ رہے، شیخ علی ابن ابی بکر قدس سرہٗ نے معارج الہدایہ میں فرمایا ہے کہ ہر انسان کا حسن و کمال تمام امور میں ظاہراً و باطناً و اصولاً و فروعاً، عقلاً و فعلاً، عادۃً عبادۃً، کامل اتباعِ رسول میں مضمر ہے۔"

(مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی مرتبہ مولانا نسیم احمد امروہی ص ۶۳۔ ۶۲)

اورنگ زیب کا فطری اور ذہنی رجحان ان ہی تعلیمات کی طرف تھا، اس لیے وہ حضرت خواجہ معصوم سرہندی کے حلقہ بیعت میں داخل ہو گیا، تیموری خاندان جہانگیر ہی کے زمانے سے حضرت مجدد الف ثانی کی تعلیمات سے متاثر تھا، جہانگیر پہلے تو حضرت مجدد الف ثانی کا مخالف رہا، لیکن پھر ان سے اس کی عقیدت اتنی بڑھی کہ اپنے کو زیادہ تر ان ہی کی صحبت میں دیکھنا چاہتا تھا[1] اور شہزادہ خرم کو ان کے حلقہ ارادت میں داخل کر دیا تھا[2]، عالمگیر نے خواجہ معصومؒ سے بیعت کر کے نہ صرف اپنی خاندانی روایت کو برقرار رکھا، بلکہ ان سے تعلیم پا کر اپنی ایمانی و روحانی بصیرت میں جلا بھی پائی اور حضرت خواجہ معصوم کو بھی تخت و تاج کے ایک مالک کی ذات میں وہ تمام باتیں ملتی گئیں جن سے ان کو دین و مذہب کے احکام کی اصلاحی تبلیغ میں ہر طرح کی مدد ملتی رہی، اسی لیے وہ عالمگیر کی مذہبی اور روحانی تلقین و تربیت میں برابر مشغول رہے۔

---

[1] مکتوبات امام ربانی دفتر سوم نمبر ۴۳ [2] خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۶۱۳

Marfat.com

ایک بار ایک مکتوب میں حضرت خواجہ معصوم نے عالمگیر کو یہ حدیث لکھ کر بھیجی کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) قیامت کب آئے گی، فرمایا تجھ پر افسوس تو نے قیامت کی تیاری کیا کی ہے (جو قیامت کو دریافت کر رہا ہے) اس نے کہا میں نے تیاری کچھ نہیں کی ہے، مگر اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہوں، ارشاد ہوا تو تو اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتا ہے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے صحابہ کرام کو اتنی مسرت ہوئی کہ میں نے اسلام کے علاوہ کسی چیز سے اتنی مسرت نہیں دیکھی، یہ حدیث لکھ کر حضرت خواجہ معصومؒ عالمگیر کو جب رسول کی تعلیم دے رہے تھے، جو عالمگیر میں پہلے سے موجود تھی اس میں اور جلا پیدا ہوتی گئی، حضرت خواجہ معصوم کا یہ مکتوب عالمگیر کے کسی خط کے جواب میں تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر نے ان سے اپنے قلب کی بعض روحانی کیفیات کا بھی اظہار کیا تھا اور اس کا مداوا چاہتا تھا، شاید عالمگیر پر گریہ دل طاری رہتا تھا، اس کے جواب میں حضرت خواجہ معصومؒ لکھتے ہیں کہ

> ''اس مکتوب سے راہ طریقت کا شوق ظاہر ہوتا ہے، اسی لیے مقصد کے حاصل ہونے کی امید ہے، ایک درویش نے لکھا ہے کہ اگر نخواستے داد، نداوے خواست'' یعنی اگر اللہ تعالیٰ کچھ دینا نہ چاہتا تو طلب کا مادہ ہی پیدا نہ کرتا، صوفیہ کا یہ مقولہ ہے کہ جب قلب گمشدگی سے روتا ہے تو روح بافت پر خوش ہوتی ہے، اس مقولہ کی رو سے گریہ دل کو جو کہ از راہ طلب وشوق پیدا ہوا ہے، عافت روح پر دلیل قرار دیا گیا ہے، یعنی گریۂ دل ہی سے روحانی کیفیت پیدا ہوتی ہے''

اور پھر اس کی وضاحت صوفیانہ اور عارفانہ انداز میں اس طرح کی ہے:

"لطائف خمسۂ عالم آپس میں پڑوسیوں کا حکم رکھتے ہیں، ان میں بعض لطائف ایک دوسرے سے زیادہ لطیف ہیں اور جو بھی لطیف تر ہے، عالم غیب سے نزدیک تر ہے اور حضرت وہاب سے فیوض حاصل کرنے میں آگے بڑھا ہوا ہے، جب کبھی ان لطائف میں سے کسی لطیفہ پر

Marfat.com

کوئی عطیہ وارد ہوتا ہے تو دوسرا لطیفہ جو اس سے قریب ہے، خبردار ہو جاتا ہے اور اس دولت پر رشک کرتا ہے، اس کی طلب میں کوشش کرتا ہے اوروں کو گریہ شوق دامن گیر ہو جاتا ہے اور اگر کسی لطیفہ پر وارِد غیبی نمودار نہیں ہوتا ہے تو تمام لطائف غافل رہتے ہیں اور راہ طلب بند ہو جاتی ہے، پس گریۂ قلب دلیل ہے اس امر کی کہ روح کو کچھ مل گیا، اس لیے کہ قلب وروح کو آپس میں نسبت ہمسائیگی اور اتصال حاصل ہے، ایک کی یافت سے دوسرا واقف ہے اور اس دولت کے نہ پانے سے نالاں اور اس کی طلب میں دواں ہے''۔

اسی خط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ معصومؒ نے اپنے ایک صاحبزادے شیخ سیف الدین عالمگیر کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تلقین کے لیے اس کے پاس بھیج دیا تھا، شیخ سیف الدین اپنے والد بزرگوار ہی کی طرح کمالات صوری ومعنوی کے حامل ہو گئے تھے، عالمگیر ان کو بہت محبوب اور مقرب رکھنے لگا تھا اور جب اس نے ان کی اعلیٰ صلاحیتوں کا حال حضرت خواجہ معصوم کو لکھ بھیجا تو وہ مذکورہ بالا مکتوب ہی میں تحریر فرماتے ہیں:

الحمد اللہ والمنتہ کہ فقیر زادہ (شیخ سیف الدین) منظور نظر قبول ہو گیا ہے اور اس کی صحبت موثر ثابت ہوئی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو کہ فقیر زادے کا شیوہ ہے، اس پر آپ نے اظہار شکر ورضا مندی کیا ہے، اس اظہار شکر پر شکر خداوندی بجالایا اور اس سے میری دعا گوئی اور بھی بڑھ گئی ہے، کیا عجب نعمت ہے کہ اس طمطراق بادشاہت اور دبدبہ سلطنت کے ہوتے کلمہ حق سمع قبول میں آئے اور ایک نامراد کا قول موثر ثابت ہو''۔

اور آخر میں کلام پاک کی ایک آیت لکھ کر اپنے مکتوب کو ختم کرتے ہیں، جس کے یہ معنی ہیں کہ مژدہ دے دیجئے، میرے ان بندوں کو جو بات کو سنتے ہیں اور نیکوترین بات کی پیروی کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے اور یہ لوگ صاحبان عقل وخرد ہیں۔ (مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی مرتبہ مولانا نسیم احمد امروہی ص ۸۳-۲۸۱)۔

ایک دوسرے مکتوب میں عالمگیر کو پہلے محبت الٰہی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ ہر چیز باطل یعنی بے حقیقت اور فانی ہے، پھر لکھتے ہیں کہ ایک باطل ہے جو حق

Marfat.com

نما ہے اور ایک عدم ہے جو وجود آسا ہے ہر چیز کی ذات عدم ہے اور عدم ہر شر و نقص کا ماویٰ و ملجا ہے، کسی چیز میں صفات کمال کا پایا جانا مرتبۂ وجوب سے مستعار ہے، پس خیر و کمال کا مرجع خداوند تعالیٰ کی ذات اقدس ہے، جو واجب ہے اور شر و نقص تمامتر ممکن کی طرف راجع ہیں اسی لیے کلام پاک میں کہا گیا ہے کہ جو بھی بھلائی کسی کو پہنچتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ طرف سے ہے اور جو برائی کسی کو پہنچتی ہے وہ خود اس کی ذات سے ہوتی ہے اور جو کوئی اپنی نادانی سے اپنی ذات کو فراموش کر دیتا ہے اور اپنے عارضی کمالات کو کامل خیال کر کے اپنے کو مبداء حسنات سمجھتا ہے، وہ گویا مولائے حقیقی سے ہمسری کا دعویٰ کرتا ہے اور اس میں رعونت اور انانیت پیدا ہو جاتی ہے لیکن جو کوئی اپنے صفات کمال کو حق تعالیٰ کے کمالات کا پرتو سمجھتا ہے اور ان عارضی کمالات کو بالکلیہ اصل کے حوالہ کرتا ہے اور اپنے آپ کو جو کہ آئینہ کمالات ربانی ہے، محض خالی سمجھتا ہے اور معدوم محض دیکھتا ہے تب وہ فنائے حقیقی سے مشرف ہوتا ہے اور انانیت امارہ سے چھٹکارا پاتا ہے، پھر نفس امارہ تدریجا نفس مطمئنہ بنتا ہے، اسی وقت نعمت حق اس کے حق میں کامل ہوتی ہے۔

یہ گویا عالمگیر کو نصیحت تھی کہ کسی حال میں بھی وہ اپنے میں انانیت نہ پیدا ہونے دے، عالمگیر نے حضرت خواجہ معصوم سے بار گرانبار جہانداری اور اپنے حسن خاتمہ کے لیے دعا کرنے کی درخواست کی تھی جس پر وہ تحریر فرماتے ہیں کہ وہ اس کے لیے پوری ہمت کے ساتھ برابر دعائیں کرتے رہتے ہیں اور پھر اس کو یہ لکھ کر اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں کہ

> ''چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے آپ کو اس بارہ میں خوف عنایت فرمایا ہے، اس لیے بہت کچھ امیدیں ہیں، یہ خوف کارہائے مشکل کو آسان کر دیتا ہے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ خوفِ دنیا اور خوفِ آخرت کسی شخص واحد کے اندر جمع نہیں ہوتے، یعنی اگر کسی کے اندر خوف آخرت ہوگا تو خوف دنیا سے محفوظ رہے گا''۔

عالمگیر نے حضرت خواجہ معصومؒ کے صاحبزادے شیخ سیف الدین کی پھر تعریف لکھی تھی اس پر حضرت خواجہ معصوم بھی پھر تحریر فرماتے ہیں:

Marfat.com

''فقیر زادے کی ادائیگی خدمت اور لوازم خیر خواہی آپ کی نظر میں پسندیدہ ہیں یہ بات اس کے لیے موجب سعادت و باعث امتیاز ہوئی، فقیر زادہ جو کہ صاحب کمالات صوری و معنوی ہے، عزلت اور عدم اختلاط کی عادت رکھتا تھا، چند آدمیوں میں بیٹھنے کی بھی اس کو عادت نہ تھی، لیکن محض خیر خواہی نے اس کو اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ آپ کے پاس گیا ہے''۔

پھر اپنے صاجزادے کے توسل کو محض عنایاتِ ربانی کا ایک سبب بتاتے ہیں، اس لیے اورنگ زیب کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

''مربی حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، وہ خود درد طلب دیتا ہے اور اپنی طلب میں دوڑاتا ہے اور خود راہ وصل کھولتا ہے'' ع

از ما و شما بہانہ پر ساختہ اند

اسی مکتوب میں عالمگیر کے خط کی تحریر کی فصاحت و بلاغت کی تعریف کرتے ہوئے ایک عربی شعر بھی لکھتے ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے ہر ہر لفظ میں آرزوؤں کا ایک باغ مضمر ہے اور ہر ہر سطر میں موتیوں کا ایک ہار پنہاں ہے۔''

آپ کے مکتوب کے فصاحت رنگین اور بلاغت معانی و ادب کا کیا بیاں کروں

ففی کل لفظ منہ روض من المنیٰ و فی کل سطر منہ عقد من اللہ

ایک اور مکتوب میں عالمگیر کے خط کے قلم کو عنبریں رقم کہہ کر نوازا ہے،

(مکتوبات حضرت محمد معصوم سرہندی، ص ۸۶۔۸۳۔۲۸۲)۔

حضرت خواجہ معصوم کے صاجزادے شیخ سیف الدین بھی عالمگیر کی باطنی کیفیات سے اپنے والد ماجد کو برابر مطلع کرتے رہتے، ایک بار عالمگیر کے ''اثرات ذکر و لطائف'' قلت خطرات ''قبول کلمہ حق'' رفع بعض منکرات اور ''ظہور لوازم طلب'' کے متعلق لکھ کر بھیجا تو حضرت خواجہ نے شکر خدا ادا کیا، کیوں کہ اس قسم کی باتیں سلاطین میں نہیں پائی جاتی ہیں اور پھر یہ حدیث لکھی کہ جو سنت کو مردہ ہونے کی صورت میں زندہ کرتا ہے، اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے، یہ گویا اپنی طرف سے عالمگیر کو سو شہیدوں کے ثواب کی بشارت دے رہے تھے اور آخر میں دعا کرتے ہوئے

Marfat.com

لکھتے ہیں (مکتوبات حضرت محمد معصوم سرہندی ص ۸۱ ۔ ۲۸۰) ۔

بادشاہ کی ظاہری و باطنی صلاحیت کا خواستگار ہوں، ان کے باطن کو نسبت اکابر سے معمور پاتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ وہ جلد ہی فنائے قلب کی دولت سے مشرف ہو جائیں گے، یہ فنائے قلب درجات ولایت میں درجہ اولی ہے ۔ ع

با کریماں کارہا دشوار نیست

شیخ سیف الدین نے ایک دوسرے مکتوب میں اپنے والد ماجد کو عالمگیر کی نجی مجلسوں کی خبر دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مجالس سلطانی میں عجیب اسرار جلوہ گر ہوتے ہیں جونہی ان کی محفلوں میں داخلہ ہوتا ہے، عروج و نزول کی کیفیات کے ساتھ ممتاز کر دیا جاتا ہے، اس کو پڑھ کر حضرت خواجہ معصومؒ نے تحریر فرمایا:

ٹھیک ہے، اہل کمال ہر قطعہ زمین سے وہ فیوض و اسرار جو اس کے مناسب حال ہیں، مشاہدہ کرتے ہیں اور ہر زمین سے اس زمین کے مناسب کمال کو حاصل کرتے ہیں، کسی زمین کو معاملاتِ فنا کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے اور کسی کو کمالات لقا کے ساتھ موافقت ہوتی ہے، کسی قطعہ کو عروج سے مناسبت ہے اور کسی کو نزول سے، حرم مکہ کے کمالات معاملات جدا ہیں، حرم مدینہ کے فیوض و کاروبار جدا ۔ ع

ہر خوش پسرے را حرکات دگر ست

اسی مکتوب میں حضرت خواجہ لکھتے ہیں:

”تم نے بادشاہ کے حالت بیان کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ان کے اندر وسعت لطیفہ اخفی اور اس سے مناسبت تامہ کا پتہ چلتا ہے، اس بات کے مطالعہ سے خوشی ہوئی، لطیفہ اخفی سب سے بڑا لطیفہ ہے اور اس کی ولایت سب ولایات سے اونچی ہے، اس لطیفہ کو خاص سرور کائنات کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے فقیر بھی بادشاہ کے اندر لطیفہ اخفی کی مناسبت پاتا ہے، والغیب عنداللہ ۔“

Marfat.com

مکتوبات حضرت محمد معصوم سرہندی ص ۸۹ ـ ۲۸۸)

ظاہر ہے کہ یہ خطوط بہت ہی نجی تھے، جن کو لکھتے وقت کبھی کاتب کا خیال نہ آیا ہوگا کہ یہ طبع ہوکر عام لوگوں کے ہاتھوں میں بھی پہنچیں گے اس لیے ان میں کسی مصلحت یا ذاتی منفعت کی جھلک نہیں پائی جاتی ہے بلکہ امر واقعہ کا اظہار ہے، اس لیے ان خطوط کو پڑھ کر یہ کہنے میں تامل نہیں کہ عالمگیر نے شریعت کی پابندی کر کے راہ سلوک کی بہت سی اعلیٰ منزلیں بھی طے کرنے میں لگا ہوا تھا، اسی لیے وہ اپنی بادشاہت کے زمانے میں کسی ایسے صوفی کی طرف مائل نہ ہوا جو ''احوال و مواجبد'' اور " کشوف والہامات " کے قائل تھے اور بدعتوں میں مبتلا ہوکر ترک امر معروف کرتے اور سنت کے متبع نہ ہوتے، بلکہ جو صوفیہ کرام شریعت کے پابندی ہوتے وہ ان کی ہر طرح مدد کرنے کو تیار رہتا، ان کے پاس بے تکلف جاتا، ان کی نصیحتیں سنتا، بلکہ ان کی جھڑکیاں بھی برداشت کرتا۔

برہان پور کے ایک بزرگ شیخ بصیر الدین ہروی تھے، وہ اپنی جوانی میں دونوں پاؤں اور بائیں ہاتھ سے مجبور ہوگئے تھے، لیکن ایک ہاتھ سے کلام اللہ اور تفسیر کی کتابت کر کے روزی پیدا کرلیا کرتے تھے، کوئی نذر نیاز پیش کرتا تو قبولؑ نہ کرتے، دولت مندوں اور شاہی عہدیداروں سے ملنا پسند نہ کرتے، برابر تلاوت کلام پاک میں لگے رہتے، تلاوت کرتے وقت ان کی آنکھوں سے آنسو جاری رہتا، عالمگیر کو ان کے توکل، استغنا، صلاح، تقویٰ اور فضیلت کی خبر ملی تو برہان پور کے صدر کے ذریعہ سے کوئی جاگیر دے کر ان کی مدد کرنی چاہی، لیکن انھوں نے جاگیر لینے سے یہ کہہ کر انکار کیا کہ میری طرح لاکھوں اور کڑوروں محتاجوں کو جو رزق دیتا ہے وہی مجھ کو بھی دے گا۔
(منتخب اللباب جلد دوم ص ۵۵۸)

سورت کے ایک بزرگ سید سعد اللہ تھے، جو شیخ پیر محمد سلونی کے نواسے تھے عقلی ونقلی علوم اور سلوک کی تعلیم پاکر مکہ معظمہ چلے گئے، جہاں شریف مکہ نے ان کو بڑے اعزاز واکرام سے رکھا، وہ شریف مکہ سے لوگوں کی سفارش برابر کرتے رہتے، شریف مکہ نے ان کی ایک دو سفارش کو نظرانداز کر دیا، تو وہاں سے بددل ہوکر سورت چلے آئے، عالمگیر کو ان کے فضل وکمال کا حال معلوم ہوا تو اس نے ان کی خانقاہ کے لیے ایک مکان اور ان کے اخراجات کے لیے دو گاؤں وقف کر

Marfat.com

دیے، ہندو مسلمان دونوں ان کے یہاں آتے اور مستفیض ہو کر جاتے اور دونوں ان کو پیشوا سمجھتے۔ وہ خلق اللہ کی نفع رسانی کی خاطر ہر خاص و عام کی سفارش عالمگیر سے کیا کرتے تھے، عالمگیر بھی ان کو دست خاص سے خط لکھا کرتا تھا، ایک بار اس نے ان کو لکھا کہ وہ صرف درویشوں، عالموں اور دینداروں کے لیے سفارش کیا کریں مگر انھوں نے بادشاہ کی بات نہ مانی، دو بار انھوں نے عالمگیر کو لکھ بھیجا کہ وہ ائمہ اثنا عشری سے محبت کرنا اپنا فرض سمجھے، عالمگیر نے بعض فضلا سے اس کے متعلق استفسار کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ جو کچھ انھوں نے لکھا ہے، صحیح ہے، ایک بار سید سعد اللہ نے ایک ہندو کو خط لکھا تو القاب کے بجائے یہ شعر تحریر کیا:

بنـان آنکـه او نـامـے نـدارد ہر نـامـش کـه خـوانی سربر آرد

اس پر بعض علماء نے اعتراض کیا، لیکن سید سعد اللہ نے یہ جواب دے کر ان کو خاموش کیا کہ ہم ذات پاک واجب الوجود کے بغیر تمام ممکن الوجود کو معدوم الوجود جانتے ہیں۔

ما بدوں ذات پاک واجب الـوجـود ہمه ممکن الوجود را معدوم الوجود
سید انیم (منتخب اللباب ج ۲ ص ۵۶۱)

ایک دوسرے بزرگ میر مرتضیٰ واعظ ملتانی بھی تھے، شریعت کی پابندی کا بہت لحاظ رکھتے، جہاں مجلس سماع ہوتی وہاں نہ جاتے اور لوگوں کو اس میں شریک ہونے سے منع کرتے، جس محلہ میں رہتے وہاں سرود و نغمہ کی آواز بلند کرنے کی کسی کی ہمت نہ ہوتی، شاہی حاکموں کے یہاں کھانا نہ کھاتے، اگر کوئی ان کے پاس آتا اور کہتا کہ مرید ہونے آیا ہوں تو وہ فرماتے یہ نہ کہو بلکہ یہ کہو کہ توبہ و استغفار کرنے آیا ہوں، اور آئندہ کوئی بات یا کام شرع کے خلاف نہ کروں گا، پھر طرح طرح کے سوال کرتے اور وہ جواب دیتا کہ ہر حال میں خدا کا حکم بجالاؤں گا، تو پھر اپنے حلقۂ ارادت میں لیتے، اس طرح ملتان اور لاہور سے دکن تک ہزاروں مرید اُن کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ کسی سے نذرانہ نہ لیتے جب تک کہ ان کو یقین نہ ہو جاتا کہ نذرانہ دینے والے کی کمائی حرام کی نہیں ہے اور وہ اپنی بیوی کا نفقہ اور فرزندوں کے حقوق کو ادا کرتا ہے، نذرانہ لے کر اس کے ایک خمس سے تجارت کرتے، روزے برابر رکھتے، شب بیداری کرتے تلاوت کلام پاک میں مشغول رہتے اور جب

Marfat.com

وعظ کہتے تو ظالم حکام، ریاکار علماء اور حکام کے مصاحب فقراء کی بڑی مذمت کرتے اور ایسے حکام کو برا کہتے جو خدا اور رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرتے، سرود ونغمہ سنتے اور بزرگوں کے مزار پر رقص وسماع کی محفل کراتے، ایسے بدعتی عوام کے خلاف بھی وعظ کہتے جو شب برات، عاشورہ اور عیدین میں خلاف شرع باتیں کرتے رہتے، میت کے نام پر کھانے پکوا کر تقسیم کرتے اور ان کے نام سے فاتحہ دیتے، تمبا کو کو حرام بتا کر اس کے پینے کی سخت مخالفت کرتے، ان کی اس شدت پسندی سے حکام، علماء، اور مشائخ کو بھی ان سے عداوت ہوگئی تھی، اورنگ آباد کے قاضی القضاۃ قاضی اکرم ان کے بڑے مخالف ہو گئے تھے اور ایک بار انھوں نے ان سے مناظرہ کیا تو بڑی نازک صورت حال پیدا ہوگئی تھی، عالمگیر پونا کے قلعہ کی تسخیر کے لیے وہاں پہنچا، تو میر مرتضیٰ اس سے ملنے گئے اور اپنی ایک کتاب اس کو دی، جس کا نام حق گو تھا، عالمگیر نے اس کے دو تین ورق پڑھ کر کتاب کو زانو پر رکھ دیا اور دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر کہا الحمد الہ تم الحمد اللہ ہمارے زمانہ میں ایسے حق گو بھی ہیں اور پھر شہزادہ کام بخش کو کہا کہ سید صاحب کو اپنے گھر میں ٹھہراؤ اور وہ جو کچھ فرمائیں ان کو سن کر ان کو عمل میں لاؤ، عالمگیر نے ان کے لیے کچھ ذریعہ معاش بھی مقرر کرنا چاہا، لیکن انھوں نے قبول کرنے سے انکار کیا، کچھ دنوں کے بعد عالمگیر نے ان سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کو ایک ایسا شہر دے دوں جو آپ کے احتساب کے مطابق ہو جائے، انھوں نے جواب دیا کہ اگر خواص کے احتساب کے لیے مجھ کو مقرر کریں تو میں راضی ہوں، عوام تو میرے گرویدہ پہلے ہی سے ہیں، عالمگیر نے کہا کہ خواص وعوام کے معنی نہ سمجھ سکا، اس وقت قاضی اکرم بھی موجود تھے، وہ بول اٹھے کہ سید صاحب کا مطلب بزرگوں کے مقبروں سے ہے، اپنے مواعظ میں کہتے ہیں کہ جن بزرگوں کی قبروں پر طنبور، دہل اور دوسرے ساز بجائے جاتے ہیں، ان کی ہڈیوں کو اکھاڑ کر جلا دینا چاہیے، عالمگیر نے یہ سن کر کہا کہ میں اس حد تک جانے کے لیے تیار نہیں ہوں، میر مرتضیٰ نے انکار کیا کہ وہ ایسا نہیں کہتے، لیکن ان کی بات اس وقت نہ بنی اور گو عالمگیر ان کی عزت کرتا رہا، لیکن انھوں نے بادشاہ کے یہاں آنا جانا کم کر دیا اور جب عالمگیر ان کو بلاتا تو وہ جاتے، پھر وہ علماء اور مشائخ کی مخالفت کے خیال سے برہانپور منتقل ہو گئے، (منتخب اللباب ج ۲ ص ۵۶۵۔۵۶۱)۔

Marfat.com

دہلی کے ایک بزرگ شیخ بایزید تھے، جن کے ہندو مسلمان دونوں معتقد تھے، وہ محتاجوں کی خبر گیری کرتے اور حکام سے ان کی سفارش کرنے میں مطلق دریغ نہ کرتے، ایک بار دہلی کی جامع مسجد میں وعظ میں کہنا شروع کیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لڑکیوں کی شادی ضرور کی پھر عالمگیر کو مخاطب کر کے کہا کہ اس کی لڑکیوں میں بعض ناکتخدا کیوں ہیں، عالمگیر نے ان کے واعظ کو بہت خاموشی سے سنا۔ (منتخب اللباب ج ۲ ص ۵۵۰)۔

عالمگیری عہد میں ملا قطب الدین شہید سہالوی بھی بڑے برگزیدہ بزرگ تھے، عالمگیر نے ان سے کئی بار ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ مگر ہر بار ملا صاحب نے اس سے ملنے سے انکار کیا، ان کی اس بے رخی سے وہ کبھی دل گیر نہ ہوا، (فرحۃ الناظرین ص ۸۰)

شاہ ولی اللہ کے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم اپنے علم، فضل، عبادت، ریاضت، زہد تقویٰ و تورع کے لحاظ سے مایہ ناز علماء میں سے گذرے ہیں، ان ہی کے خاندان سے علمی و روحانی فیوض و برکات کا وہ سرچشمہ پھوٹا ہے جس سے آج تک ہندو پاک کے ارباب علم اور اصحاب دل سیراب ہوئے ہیں، عالمگیر نے فتاویٰ عالمگیری کی تدوین شروع کرائی تو ان سے بھی معاونت چاہی، وہ شاہی دربار سے کسی قسم کی وابستگی پسند نہیں کرتے تھے، مگر اپنی والدہ کے اصرار پر فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب میں شریک ہو گئے، لیکن شاہ صاحب کے مرشد حضرت خلیفہ ابوالقاسم نے دربار سے یہ تعلق پسند نہ کیا اس لیے وہ جلد ہی اس کام سے علحدہ ہو گئے، عالمگیر نے کچھ جاگیر دینی چاہی، لیکن اس کو قبول کرنے سے انکار کیا، عالمگیر ان سے ملنے کا بڑا مشتاق رہتا، مگر وہ بادشاہوں اور امیروں کے گھر جانا اپنے روحانی بزرگوں کے مسلک کے خلاف سمجھتے تھے، ایک بار عالمگیر نے شاہ صاحب کے مخلص کے ذریعہ شوق ملاقات کا پیام بھیجا، مگر وہ دربار میں جانے پر مطلق راضی نہ ہوئے، بلکہ ایک معمولی کاغذ پر جس میں ان کے جوتے لپٹے رکھے ہوئے تھے، یہ عبارت لکھ کر اس وقت کی دنیا کی سب سے بڑی حکومت کے شہنشاہ کے پاس بھیج دی۔

اہل اللہ کا اس پر اجماع ہے کہ وہ فقیر بہت برا ہے جو امیروں کے آستانہ پر ہو، حق سبحانہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ وَمَا مَتَاعُ الحیوۃ الدُّنیَا اِلَّا قَلِیْلٌ یعنی دنیاوی زندگی کا سرمایہ بہت ہی قلیل ہے تم کو

Marfat.com

قلیل ترین جز ملا ہے، اگر بالفرض مجھے دو گے تو وہ جزء لایتجزی ہوگا، اس ٹکڑے کے لیے جو پھر ٹکڑا نہ ہو سکے گا، میں اپنے نام کو خدا تعالیٰ کے دفتر سے کیوں نکلواؤں، چشت کے بعض ملفوظات میں مذکور ہے کہ جس کا نام بادشاہ کے دفتر میں لکھ لیا جاتا ہے، حق تعالیٰ کے دفتر سے اس کا نام کٹ جاتا ہے۔ (انفاس العارفین از شاہ ولی اللہ ص ۶۹)۔

اوپر کی تفصیلات سے اندازہ ہوگا کہ عالمگیر ایک راسخ العقیدہ مسلمان بننے کی کوشش کرتا رہا اور راہ طریقت پر چلنے کے باوجود وہ شریعت کا بڑا پابند تھا، آج کل کے غیر مسلم مورخین اس کا ایک حکمراں کی حیثیت سے مطالعہ کرتے ہیں، تو اس کی شریعت نوازی پر تنقید و تنقیص دونوں کرتے ہیں، کیوں؟ اس کا جواب اس مقالہ کے موضوع کے دائرہ سے باہر ہے، لیکن کوئی مسلمان اس کے خلاف برے الفاظ سننا پسند نہیں کرتا محض اس لیے کہ اس نے اپنے زمانہ کے مسلمانوں میں مذہب کی ایک نئی روح پیدا کرنی چاہی، لیکن کیا یہ مستقل طور پر بیدار ہو سکی؟ اگر نہ ہو سکی تو اس کا ذمہ دار کون ہے،؟ سلاطین یا علماء یا مشائخ؟ جس طرح عالمگیر کے جانشینوں پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ وہ عالمگیر کی اُس سلطنت کو سنبھال نہ سکے، جس کو اس نے غزنی سے چاٹگام اور کشمیر سے کرناٹک تک پھیلا دیا تھا، اسی طرح علماء اور مشائخ پر بھی یہ الزام آتا ہے کہ عالمگیری عہد میں مسلمانوں میں جو نئی مذہبی روح بیدار کی گئی تھی، اس سے وہ نبی کے وارث بن کر پوری بیدار مغزی سے فائدہ اٹھاتے اور مسلمانوں کی مذہبی، روحانی، اخلاقی اور معاشرتی زندگی کو ہر طرح سنوارتے رہتے تو اس وقت مسلمانوں کی سیاسی زندگی بھی کچھ اور ہوتی، انھوں نے درس و تدریس کی مسند اور محراب و منبر اور خانقاہ کی زینت ہی بننے پر اکتفا کیا اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں وہ کام انجام نہ دے سکے جن کی ان سے توقع تھی، یا جو بگڑی ہوئی معاشرت اور سیاست یا بدلتی ہوئی صورت حال میں ان کو اپنے مذہبی فکر و عمل، ایمانی جوش و طاقت اور روحانی بصیرت و تدبر سے کرنا چاہیے تھا۔

(دسمبر ۱۹۶۵)

Marfat.com

تیموری شہزادوں کا علمی ذوق

ہندوستان میں تیموری سلطنت کے بانی یعنی بابر کی اولاد نرینہ میں ہمایوں کے علاوہ آٹھ اورلڑکے پیدا ہوئے، کامران، عسکری، ہندال، الور، باربل، فاروق، شاہ رخ اور احمد، جن میں موخر الذکر پانچوں کا انتقال اسی کی زندگی ہی میں ہوگیا تھا ۔ ہمایوں، کامران، عسکری اور ہندال اس کے سامنے پروان چڑھے اور اس کی علم پرور صحبت میں تعلیم و تادیب سے فیض یاب ہوئے ، اوس کی موت کے بعد اس کے لڑکوں کو وراثت میں تنہا اس کی شجاعت، اولوالعزمی اور پامردی نہیں ، بلکہ علم و ہنر کا شوق اور شعر و شاعری کا ذوق بھی ملا۔

مرزا کامران:

بابر نے اپنی ہنگامہ پرور زندگی کے باوجود کامران کی مذہبی اور اخلاقی تعلیم کے لیے اپنی مشہور مثنوی مبین لکھی اور اس کے ادبی مذاق کے لیے اپنی تزک اس کے مطالعہ میں دی ، اوس کے ذوقِ شعری کو فروغ دینے کے لیے اپنا منظوم رسالہ والدیہ اور اپنے اشعار تحفے میں بھیجے اور پھر علم و ہنر کی چاشنی کے لیے جہاں گیا ، وہاں کے کتب خانوں سے اوس کے پاس کتابیں بھیجیں ، چناں چہ بابر کی کوششیں رائیگاں نہیں گئیں، مرزا کامران سخن گوئی و سخن وری کا مالک بنا۔

اس کا ایک دیوان زمانہ کی دست برد سے معلوم نہیں کیسے کتب خانہ خدابخش خان پٹنہ میں محفوظ رہ گیا ہے، اس میں مرزا کے ترکی و فارسی کلام ہیں، ترکی میں ۳۸ غزلیں ، تین قطعات چھبیس رباعیات ، چودہ مثنویات اور کچھ مفردات ہیں ۔ اسی طرح فارسی میں ۲۳ غزلیں ، تین قطعات ، چار رباعیات ، چار چھوٹی چھوٹی مثنویات اور ایک ساقی نامہ ہے ۔ فارسی کلام کو پروفیسر محفوظ الحق صاحب مدظلہ (پریذیڈنسی کالج کلکتہ) نے اڈٹ کر کے ایک پرمغز مقدمہ کے ساتھ معارف پریس میں چھپوا کر شائع بھی کردیا ہے، جو اس وقت میرے پیش نظر ہے۔

Marfat.com

مرزا کے کلام میں گو مضامین کی جدت اور خیالات کی بلندی نہیں، لیکن تغزل کا پورا رنگ موجود ہے: مثلاً۔

بارقیبان ہمدم و ہمراز دیدم یار را
یارب آسان کن بمن این حالتِ دشور را

وه چه باشد بے قراران رادہد صبر و قرار
آنکه می بخشد خرام آن سرو خوش رفتار را

در تکلم لعل او زینسان که می ریزد گہر
چون نگه دارم زگریه چشم گوہر بار را

غیر جانان در جہانِ چیزی نپندارد دگر
ہر که بردارد زپیش این پردۂ پندار را

کامران نامد سرا جزد وست چیزی در نظر
تابکام خویش دیدم دولتِ دیدار را

اےؑ قدِ رعنائے تو سرو گلستان حسن
روی دلآرای تولالۂ بستانِ حسن

روی خوش مہوشت تازه گلِ باغِ لطف
سروقدِ دلکشت نخلِ گلستانِ حسن

شمس و قمر را نماند، ماه رخا رونقی
تا توبر آوردۂ سرز گریبانِ حسن

مرزا جب عشق مجازی کے بجائے عشق حقیقی کی کیفیات منظوم کرتا ہے، تو نسبتہ زیادہ مؤثر ہو جاتا ہے مثلاً:

زینسان که جمالِ خود آراسته می آئی | در زہد شکست آری در عشق بیفزائی
چون چہره بیارای رخساره بر افروزی | خود گوئی کجا ماند آئین شکیبائی
گر سربگریبانم در ناظرِ خوبانم | در سینه تو پنہائی در دیده تو پیدائی
از صفحه رخسارت صد نکته بیاد آید | اے وای ازان روزی کنان رابخط آرائی

Marfat.com

گفتی کہ منت دانم گر خوانم و گر رانم | من بندہ فرمانم ہر نوع کہ فرمائی
گر دیر نشین سازد در ہر ودین سازد | ما رانبود یارا اوراست توانائی
سودای کسی دارد باز این سر بے سامان | جاے ہوسے دارد دبا ز این دلِ ہرجائی

مرزا کے کلام میں اس قسم کے صوفیانہ جذبات کی کمی نہیں، دیوان کا آغاز تو ایک ایسی غزل سے ہوا ہے، جس میں شروع سے آخر تک صوفیانہ احساسات اور معتقدات ہیں۔

چون بمقصود نشد ہیچ کسے رہبر ما | بعد ازین خاکِ درِ پیر مغان و سرِ ما
کارِ ما چون زدرِ بستہ زاہد نہ کشود | بو کزین پس ز خرابات کشاید درِ ما
بار گی سست و شبِ تیرہ و رہزن زکمین | وائی گرہادی لطفت نشود رہبرِ ما
خو گرفتیم بدرد و غم عشقت بفرست | دم بدم درد و غمی بردلِ غم پرورِ ما
وہ کہ از شوق دلم می طپد و مضطربم | می رسد مژدہ وصلی مگر از دلبرِ ما
کامران سوختم از آتش ہجرانِ کسے | کہ بکویش نرسد ذرۂ خاکسترِ ما

ایک رباعی میں بھی یہی خیالات موجزن ہیں۔

یا رب زکرم دری بردیم بکشای | زنگِ غیر از دلِ حزینم بزدای
پیوند من از جملہ علائق بگسل | از ہر دو جہان سوی خودم راہ نمای

ایک قطعہ میں کچھ پند و موعظت بھی ہے۔

اے برادر زمن شنو سخنے | کہ ازان بہرہ ورشوی شاید
دل بکارِ جہان منہ کہ ازان | بارِ غم بردلِ نو افزاید
کارِ عقبیٰ بسازور نہ ترا | کاروبار جہان چہ کار آید

کامران کی ہنگامہ خیز زندگی اور اس کا دردناک انجام نظر کے سامنے ہو، تو یہ قطعہ کتنا مؤثر اور عبرت انگیز ہوجاتا ہے۔ ایک مثنوی کی تمہید میں تو اس نے شاید اپنی زندگی کا مرقع ہی کھینچ دیا ہے۔

تاچہ سازد جہان بے سرو بن | غافل از مکرِ آسمان کہن
رفت کارم زدست و دست از کار | نیست کارم بغیرِ نالۂ زار
نے زنخلِ امیدِ من ثمرے | نے زتخمِ نشاط و عیش برے

Marfat.com

نکشاید دلم زباغ و بہار　　نیست مقصودِ من زجملہ نگار

اس کی تمنا تھی کہ:

بیا ساقی آن مے کہ خامی رہد　　ز دنیا و عقبی خلاصی دہدا

اور یہ پوری ہوئی، وہ دنیا کے ہنگاموں اور آلودگیوں سے کنارہ کش ہوکر ساقی حقیقی کے اصلی مے خانہ میں مخمور اور سرشار ہوکر جان بحق ہوا، یعنی اوس کی وفات ایام حج میں ہوئی۔

مرزا کی شعر گوئی محض اس کی ذہانت وذکاوت کا نتیجہ تھی، وہ حالات سے متاثر ہوکر اشعار موزوں کرتا اور کبھی کبھی فی البدیہہ اور برجستہ کہتا تھا، چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

باپ کے مرنے کے بعد زمانہ کی عام روش کے مطابق وہ بھی تخت وتاج کا خواہاں ہوا۔ بابر نے اپنی زندگی میں اوس کو قندھار کی مملکت عطا کی تھی، لیکن اوس کے مرنے کے ساتھ ہی سلطنت کی ہوس میں اوس نے لاہور پر بھی قبضہ کرلیا۔ ہمایوں نے اپنے باپ کی وصیت اور کچھ اپنے مصالح کے خاطر کامران کے خلاف کوئی جارحانہ تدبیر نہ کی، بلکہ ایک فرمان لکھ کر اس کو کابل اور قندھار کے علاوہ پنجاب کا بھی مالک بنا دیا۔ کامران نے متاثر ہوکر شکریہ میں ہمایوں کی خدمت میں مندرجہ ذیل غزل پیش کی۔

حسنِ تو دمبدم افزون بادا　　طالعت فرخ و میمون بادا

ہر غباری کہ زراہت خیزد　　کحلِ چشم منِ محزون بادا

خاک کو ازرہِ لیلی خیزد　　جاے اودیدۂ مجنون بادا

بندۂ حلقہ بگوشِ تو چومن　　صد چو دارا و فریدون بادا

ہر کہ گردِ تو چوپر کار نگشت　　او ازین دائرہ بیرون بادا

کامران تا کہ جہان راست بقا　　خسروِ دہر ہمایون بادا

ہمایوں نے اس غزل کے صلہ میں کامران کو حصار فیروزہ انعام دیا۔ل

ل　اکبر نامہ جلد اول ص ۱۲۵، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی پروفیسر محفوظ الحق صاحب نے تذکرہ ہفتِ اقلیم کے استناد سے لکھا ہے، کہ مذکورہ بالا غزل کے علاوہ یہ غزل بھی اس موقع پر بھیجی تھی۔

(بقیہ حواشی اگلے صفحے پر)

Marfat.com

مگر دونوں بھائیوں کی یہ شفقت و محبت بہت دنوں تک قائم نہ رہی، اپنی اپنی مصالح کی بناء پر دونوں ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہے اور آپس کے نفاق سے دونوں کو بُرے دن دیکھنے نصیب ہوئے، ہمایوں کو اپنے باپ کی سلطنت سنبھالنی تھی، وہ چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغہ میں گھرا ہوا تھا، اسے دشمنوں کو پسپا کرنا، ان کی مملکتوں کو تسخیر کرنا اور تیموری سلطنت کی بنیاد رکھنی تھی، اوس کو امید تھی کہ اس کے بھائی اوس کی غمگساری اور رفاقت کریں گے، لیکن کامران نے باپ کی ہمت مردانہ اور جوشِ عمل وراثت میں پایا تھا۔ وہ کیوں کر باپ کے تخت و تاج کے حصول میں اپنی قسمت آزمائی نہ کرتا، چناں چہ وہ ہمایوں سے الگ ہو کر اس کا حریف بنا، ہمایوں نے شیر شاہ سے پے در پے شکستیں کھائیں، کامران نے ان شکستوں سے فائدہ اٹھانا چاہا، لیکن وہ اپنی قسمت کے لکھے ہوئے کو کیوں کر مٹا سکتا تھا۔ ہمایوں جب تیرہ سال کی آوارہ گردی کے بعد اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کی بازیابی کے لیے لوٹا، تو پہلے اوس نے اپنے بھائیوں کے خلاف جنگ کی۔ کامران اس وقت کابل میں تھا، دونوں بھائیوں میں سخت جنگ ہوئی، کامران قلعہ میں محصور ہو گیا، مگر ہولناک لڑائیاں جاری رہیں۔ جب لڑائی طول کھنچی، تو ہمایوں نے بھائی کو ایک رقعہ لکھا، جس کو ابوالفضل نے اس طرح درج کیا ہے:

''اے برادر بد خواہے عزیز جنگ جو از تدبیرِ این کار (که باعث کارزار و موجب قتل و آزار مردم بیشمار است) باز آئی وبر مردم شہرے و لشکرے رحم نمایے، امروز این ہمه مردم که کشته می شود فردائے قیامت''۔

(بقیہ حواشی صفحہ نمبر ۲۴۳)

چشم برراه تو داریم شدایا سے چند — وقت آن شد که نہی جانبِ ما گامے چند
آنکه ہرگز نفرست سوے ما پیغامے چند — چه نشود گر کندم شاد بدشنامے چند
تا کسے میل دلم رابرخت پے نبرد — دولتِ وصلِ تو خواہم دلآرامے چند
بہر صید دلِ ماوانه خالِ تو بس است — ہر دم از زلف منه برسرماوامے چند
ماخراباتے در ندیم تو با مانشیں — حیف باشد که نشینی تو ببدنامے چند
کامران این غزلِ نو بہمایوں بفرست — باشد ارسال کند سوے و انعامے چند

بود خونِ آن قوم در گردنت   بود دستِ آن جمع در دامنت
ہمان بہ کہ بر صلح رائے آوری   طریق مروت بجائے آوری

مگر کامران نے اپنی اولوالعزمی اور بلند حوصلگی میں سرشار ہو کر یہ شعر لکھ بھیجا۔

عروس ملک کسی در کنار گیرد چست   کہ بوسہ برلب شمشیر آبدار دہد [۱]

اس جنگ میں کامران کو شکست ہوئی، لیکن وہ اپنی شکست ماننے کو تیار نہ تھا، موقع موقع سے وہ ہمایوں کے خلاف جنگ کرتا رہا لیکن قسمت نے اس کا کبھی ساتھ نہ دیا۔ ایک بار شکست کھا کر سلیم شاہ سوری کے دربار میں پہونچا، وہاں اوس کو امید تھی کہ ہمایوں کے خلاف اوس کو امداد ملے گی، لیکن یہاں اس کی امید کیا بر آتی کہ اس کو ہر قسم کی ذلتیں اٹھانی پڑیں۔ سلیم شاہ نے پہلے اس کی علمیت کو نیچا دکھانے کی کوشش کی۔ تاریخ داؤدی میں ہے۔

"مرزا کامرن از ملازمت ہمایون بادشاہ فرار نمودہ بہ سلیم شاہ التجا آورد، در مجلسِ اول سلیم شاہ برائے آزمائش طبع کامران مرزا سہ بیت یکے از اشعار اہلِ عراق دوم از فضلائے ہندوستان راسوم از شعر افغان آوردہ گفت چگونہ شعر است، کامران مرزا گفت از خوبہیائے شعرسی پرسیدیا این می فرمایند کہ اشعارِ کیست، سلیم شاہ گفت می خواہم کہ بدانم کہ این اشعار ہرسہ بیت اشعار کیست، کامران گفت بیت اول کہ خواندید شعر مغل عراق است، بیت دوم از شعر اہل ہند است دبیت سوم شعر افغان است، سلیم شاہ و جمیع حاضران از کمال فہم و فراست مرزا کامران آفرینہا نمودند"۔

پھر بھی سلیم شاہ کے درباری اوس سے تمسخر کرنا چاہتے تھے، لیکن وہ اپنی ذہانت اور گویائی سے ان کو خاموش رکھتا تھا۔ ملا بدایونی لکھتے ہیں۔

"سلیم شاہ گاہے مرزا را طلبید مشاعرہ می کردد صحبت

---

۱ اکبر نامہ جلد اول ص ۲۲۸

بنا خوشی می گذشت و مرزاازان تکلفات و تواضعات بسیاربجان آمده از عمرو زندگی بیزار گشت و فرصت بجهت فرارمی جست و افغانان بادمی زبان ہندی ہزلے می کردند و چون بدربارمی آمدمی گفتند ، مورو (مرغ) می آید ، مرزاازیکے مقربان بحضور سلیم شاہ پر سید که مورو کرامی گویندا وگفت مردے عظیم الشان رامی گویند، میرزا گفت برین تقدیرسلیم شاہ خوش مورو باشدوشیر شاہ ازان ہم خوشتربود''۔[1]

ایک موقع پر سلیم شاہ نے کامران کو اپنا شعر سنانے کو کہا، کامران نے جل کر برجستہ یہ شعر پڑھا:

گردش گردون گردان گردنان را گرد کرد
برسر اہل تمیزان ناقصان رامرد کرد

سلیم شاہ بہت خفیف ہوا، ملا بدایونی لکھتے ہیں کہ:

''سلیم شاہ فحوائے کلام را دانسته و این ادا را فرو برده بموکلان پنہانی حکم فرمودتا مرزاچشم بندنگاہ دارند''[2]

کامران یہاں سے نکلا تو ادھر اودھر بھٹکتا رہا، کابل جا رہا تھا کہ ہمایوں کے آدمیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا، کامران نے بے بس ہوکر ایک عرض داشت لکھ بھیجی[3] لیکن کامران کے دن پورے ہو چکے تھے، اس کا وہی حشر ہوا جو تیموری سلطنت کے ہزیمت خوردہ دعویداروں کا ہوا کیا ہے، اس کی آنکھوں کی روشنی زائل کر دی گئی، جب اس نعمت سے وہ محروم ہوگیا تو اس کا محبوب غلام بیگ ملوک

---

۱ منتخب التواریخ جلد اول، ص ۳۹۰ ۲ ایضاً

۳ اکبر نامہ جلد اول ص ۳۲۴، پروفیسر محفوظ الحق صاحب نے مسٹر بیورج کے ایک مضمون (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن بابتہ ۱۹۰۳ء ص ۱۲۲۔۱۱۵) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس عرض داشت کے ساتھ کامران نے معذرت میں ایک غزل بھی بھیجی تھی، مسٹر بیورج کو یہ غزل اکبر نامہ کے ایک قلمی نسخہ بلگرام میں ملی تھی لیکن افسوس ہے کہ مسٹر بیورج نے اس غزل کو اپنے مضمون میں نقل نہیں کیا اور نہ یہ غزل اکبر نامہ کے مطبوعہ نسخہ میں موجود ہے۔

Marfat.com

اس کے پاس آیا، وہ اوس کے ہاتھوں کو اپنی آنکھوں سے لگاتا اور یہ شعر پڑھتا تھا۔

ہر چند کہ چشمم برخت پردہ کشید است
بینا است بچشمی کہ بسے روی تو دید است[۱]

کتنا حسرت ناک شعر ہے۔فرشتہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمایوں بھی اس کا عبرت ناک انجام دیکھنے آیا، ہمایوں جب اوس کے پاس پہنچا، تو کامران نے استقبال میں یہ اشعار پڑھے۔

زقدر و شوکتِ سلطان نگشت چیزی کم
زالتفات بہ مہمان سرای دہقانی
کلاہِ گوشۂ دہقان بآفتاب رسید
کہ سایہ برسرش افگند چون تو سلطانی

ان کو سن کر ہمایوں پر گریہ طاری ہو گیا۔[۲]

کامران کے لیے دنیا اور دنیا کی نیرنگیوں میں کوئی دل چسپی باقی نہیں رہی تھی ۔ہمایوں جب کابل جارہا تھا، تو اوس نے سندھ کے پاس حج بیت اللہ کی اجازت مانگی، جو ملی، بھائی کو رخصت کرنے کے لیے ہمایوں جب اوس کے خیمہ میں آیا، تو کامران کی زبان پر پھر دو چبھتے ہوئے شعر تھے۔

کلاہِ گوشۂ درویش بر فلک ساید
کہ سایہ ہمچو تو شاہے فگند برسرِاو
برجانم از تو ہر چہ رسد جای منت است
گر ناوکِ جفا است و گرِ خنجر ستم

ان اشعار کی خلش ابوالفضل نے بھی محسوس کی ہے، وہ لکھتا ہے۔

''اگرچہ بیت ثانی جانب شکر دارد، اما سخن شناس دریا بد کہ از شکایت لبریز است، آنحضرت (کہ جہان مردمی و مہربانی بودند) اینہامنظور نداشتہ رقتہا فرمودند''۔[۳]

کامران اپنے بچوں کو ہمایوں کے حوالہ کر کے اپنی بیوی جوجک بیگم کے ساتھ حج کو چلا گیا اور وہیں زندگی کے بقیہ دن گذارے۔تین بار حج کی سعادت سے مشرف ہوا، آخری بار جب حج کا فریضہ ادا کر رہا تھا کہ منا کے میدان میں ۱۱؍ ذی الحجہ ۹۶۴ھ میں اپنے مالک حقیقی سے جاملا۔کامران کی موت کا قطعۂ تاریخ کئی شعراء نے لکھا ہے[۴] ،مگر ملا بدایونی کو کامران کی ذات سے شاید بڑی

---

۱ اکبرنامہ جلد اول ص ۳۲۹ ۲ فرشتہ ص ۲۴۳ نولکشور پریس ۳ اکبرنامہ جلد اول ص ۳۰
۴ مولانا قاسم کاہی نے مندرجۂ ذیل قطعہ لکھا:

(بقیہ حواشی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

دل چسپی تھی، انھوں نے خاقانی کے اشعار میں اس کا ماتم کیا ہے۔

ہر گز بباغ عہد گیا ہے وفا نہ کرد — ہر گز زشست چرخ خدنگے خطا نہ کرد
خیاط روزگار ببالاے ہیچ کس — پیراہنے نہ دوخت کہ آنرا قبا نہ کرد
نقدے نہ داد دور کہ آنرا بدل نشد — نردے نباخت دہر کہ آن رادغانہ کرد
گردون در آفتاب سلامت کر انشاند — کورا چوصبح روشن اندک بقا نہ کرد
خاقانیا بچشم جہان خاک ورفگن — کو دروچشم دید تراو روا نہ کرد ۰ [1]

مرزا کی شعر گوئی کی تعریف ہر زمانہ کے مورخوں اور تذکرہ نویسوں نے کی ہے، بدایونی نے لکھا ہے۔

"ہمیشہ با علماء و فضلا صحبت می داشت و اشعارِ او مشہور است۔" [2]

داؤدی میں ہے:

"مرزا کامران در شعر آرائی و شعر فہمی طبیعت درست داشت۔" [3]

---

[1] بدایونی جلد اول ص ۴۵۳ [2] ایضاً [3] تاریخ داؤدی قلمی نسخہ خدا بخش خان لائبریری پٹنہ

(بقیہ حواشی صفحہ نمبر ۲۴۷)

کامران آنکہ بادشاہی را — کس نہ بودست ہمچو او درخرد
شہ زکابل بکعبہ و آنجا — جان بحق داد و تن بہ خاک سپرد
گفت تاریخ اوچنیں کاہی — پادشہ کامران بکعبہ مرد

ویسی نے لکھا

شہِ کامران خسرو نامدار — کہ در سلطنت سربکیوان رساند
مجادر شد اندر حرم چار سال — بکلی دل از قیدِ عالم رہاند
زبعد وقوفِ حج چارمین — باحرام حج جان بجانان فشاند
چودر خواب ویسی درآمدیشی — عنایت نمود دسوی خویش خواند
بگفت ار بہر سندت از فوتِ ما — بگوشاہ مرحوم در مکہ ماند

Marfat.com

صاحبِ ہفت اقلیم کہتا ہے:

''مرزا کامران در مضمار شاعری برد و مرکب سواری نموده''۔

نواب حسین قلی خان عشق مؤلف تذکرۂ نشترِ عشق نے لکھا ہے:

''طبع لطیف و معنی یاب داشت''

اس کے بعد مرزا کی موت پر جو قطعۂ تاریخ درج کیا ہے، اس میں بھی اس کی شعر گوئی کے سلیقہ کی داد ہے۔

اختر برجِ سخن آن نکته دان ‏ ‏ وه چه شام از این جهانِ شد رهگراے

از سر جاهش بگفتم سالِ فوت ‏ ‏ کامران آسود در فردوس هاے

مجمع النفائس کے مؤلف نے مرزا کامران کے حسب ذیل اشعار کو خاص طور سے پسند کیا ہے۔

بازد امانِ خود آن سر دبالا زده است ‏ ‏ کس بدامانش مگر دستِ تمنا زده است

عیب ماچند کنی قصه صنعان بشنو ‏ ‏ که بیك جلوه رهش دختر تر ساز ده است

سوے مقصد نشداز هیچ کسے رهبر ما ‏ ‏ بعد ازین خاك در پیر مغان و سر ما

صاحب مخزن الغرائب لکھتے ہیں۔

''وے طبعِ موزون داشته و شعری چون دُرِ مکنون''

صبح گلشن میں ہے:

''طبع مستیقمش لطائفِ سخن را پشت و پناه''

دیوان کامران کے مرتب پروفیسر محفوظ الحق صاحب رقمطراز ہیں:

''مرزا واقعی غزل گو ہے اور جو کچھ اوس نے کہا تیمناً، اس کے کلام میں صفائی اور سلاست کافی حد تک ہے، گو خیالات میں کوئی ندرت نہیں اور نہ کلام میں چندان پختگی معلوم ہوتی ہے لیکن طرزِ ادا قابلِ ستایش و داد ہے، کلام برجستہ و بے تکلف اور تمکین ہے اور بعض اشعار میں تصوف کی بھی چاشنی ہے''[1]

---

[1] دیوان مرزا کامران مرتبہ پروفیسر الحق صاحب (مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ)

Marfat.com

مرزا ابوالقاسم شوکتی:

مرزا کامران کی اولادِ نرینہ میں مرزا ابوالقاسم بھی باپ کی طرح شاعر ہوا، شوکتی تخلص رکھتا تھا، ہفتِ اقلیم کا مؤلف اوس کو فطین و ذکی بتاتا ہے، اوس کے اصلی الفاظ یہ ہیں۔

"مرزا ابو القاسم در غایت فطنت و ذکاء در نہایت ملاحت و صفاء ...... بشعر گفتن میلی تمام داشتہ و بسخن نیک می رسیدہ و شوکتی تخلص می کردہ این دو بیت مرا در است"۔

یار ہر شانہ کہ در زلف سمن ساز دہ است   نشتر غم بدل غم زدہ ساز دہ است
قضا بکشتنِ من این قدر شتاب مکن   بخواہم از ستمت مرد اضطراب مکن[۱]

ریاض الشعراء کا مصنف لکھتا ہے کہ

"رخسارۂ حالش بزیورِ دانش و کمال آراستہ و پیراستہ بود"[۲]

صبحِ گلشن میں ہے:

"در بزم ورزم بہ ہیبت و شوکت قدم می گذاشت"[۳]

مرزا ابوالقاسم اکبر کے حکم سے قلعہ گوالیار میں مقید رہا اور آخر میں اوس کے حکم سے قتل کر دیا گیا، فرشتہ کی روایت ہے کہ قتل کے وقت اس کی زبان پر یہ شعر تھا۔

فلک بکشتنِ من این قدر شتاب مکن   بخواہم از ستمت مرد اضطراب مکن[۴]

اس کے بعد مرزا کامران کی کوئی اولادِ نرینہ نہ رہی، اس لیے کسی نے اس کی وفات کا قطعہ تاریخ کہا:

نماند از کامران نام و نشانی[۵]

عسکری و ہندال:

معاصر مورخوں نے عسکری و ہندال کا ذکر شعراء کی حیثیت سے نہیں کیا ہے، لیکن بعض

---

۱ ہفت اقلیم قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی   ۲ ریاض الشعراء قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی
۳ صبح گلشن ص ۳۳۹   ۴ فرشتہ ص ۲۴۱ نولکشور پریس   ۵ ریاض الشعراء

Marfat.com

تذکروں میں ان دونوں کے نام شاعروں کی فہرست میں داخل ہیں۔

مخزن الغرائب میں ہندال کی ایک رباعی ہے، جو ندرت کے لحاظ سے خوب ہے۔

زان قطرۂ شبنم کہ نسیم سحری ||| از ابر جدا کرد بصد حیلہ گری
تابر رخ گل چکاند اے رشک پری ||| حقا کہ ہزار بار پاکیزہ تری

اسی میں عسکری کے مندرجہ ذیل اشعار منقول ہیں:

چناں بے خود شدم از دوری آن گلعذار امشب
کہ ہر دم گریہ‌ھار و مید ہدبے اختیار امشب

چنین کہ خوی گرفتم بآشنائی تو
ہلاک می کندم آن قدر جدائی تو

گوشۂ میخانہ جاے دلکشائی بودہ است
بے تکلف گوشہ میخانہ جاے بودہ است

اے عسکری ارمست مدامی خوش باش
درمعتقد بادہ وجامی خوش باش

گفتی بخرابات نباشم بے او
بایارا گر درین مقامے خوش باش

شاہ ابو المعالی:

ہمایوں کی اولاد نرینہ میں اکبر کے علاوہ حکیم مرزا بھی تھا، اس شہزادہ کے ذوقِ علم کا ذکر معاصر مورخوں نے نہیں کیا ہے، لیکن ہمایوں کا ایک داماد یعنی جوجک بیگم کی لڑکی اور مرزا حکیم کی بہن فخر النساء کا شوہر میر شاہ ابو المعالی ایک خوش مذاق شاعر تھا اور شہیدی تخلص کرتا تھا، مآثر الامراء میں ہے:

''شاہ ابو المعالی خوش طبع و سلیقہ بشعر موافق داشت''[1]

[1] مآثر الامراء جلد سوم ص ۱۹۱ و ص ۸۶ نیز حالات کے لیے دیکھو اکبر نامہ جلد دوم ص ۱۹۸ و ۲۰۷ طبقاتِ اکبری جلد دوم ص ۶۹ ـ ۱۶۵، منتخب التواریخ جلد دوم ص ۶۳ ـ ۵۷

Marfat.com

مرزا دانیال:

اکبر کے تین لڑکے تھے، سلیم دانیال اور مراد، جن میں دانیال فارسی اور ہندی کا شاعر تھا، اس کے ذوقِ شعری کا ذکر کر کے جہانگیر نے اپنی تزک میں لکھا ہے کہ:

''بہ تفنگ و شکارے کہ بہ تفنگ کنند، میل تمام داشت ، یکے از تفنگہاے خودرا یکہ و جنازہ نام نہادہ بود، این بیت راخود گرفتہ فرمود کہ برآن نقش کنند۔''

از شوق شکاری تو شود جان تر و تازہ بر ہر کہ خورد تیر تو یکہ و جنازہ

اس کی ہندی شاعری کے بارے میں وہ رقمطراز ہے:

''بہ نغمۂ ہندی مائل بود، گاہے بزبان اہل ہندو با صطلاح ایشان شعرے می گفت بد نبودے۔''[1]

دانیال کے دربار میں شاعروں کا ایک مجمع رہتا تھا، انھی میں ملا محمد رضا نوعی (المتوفی ۱۰۱۹ھ) اور میر حسین کفری تھے، ملا رضا خبوشان (خراسان) کے رہنے والے تھے، صغرسنی میں باپ کے ساتھ ہندوستان آئے، مگر تھوڑے دنوں کے بعد وطن واپس چلے گئے، باپ کی وفات کے بعد پھر ہندوستان آئے اور مرزا یوسف خان کے دربار میں ملازم ہوئے۔ اس کے ساتھ کشمیر گئے تو وہاں کی بہشت زار میں ان کی طبیعت میں بھی رنگ و بو پیدا ہوا اور طبع آزمائی کرنے لگے، نوعی تخلص رکھا، اشعار خواص وعوام میں مقبول ہونے لگے۔

''رفتہ رفتہ بہ تقریبے بہ سمع مبارک شاہزادہ عالی جاہ شاہزادہ دان (یعنی دانیال) شاہ رسید آن قدر دان نکتہ سنجان از روے خواہش نوعی را از مرزا یوسف خان گرفتہ داخل بساط بوسان محفل حشمت و شوکت خود گردانیدہ ...... چون داخل مداحان آن شہزادہ عالی مقدار

---

[1] تزک جہانگیری ص ۱۷، نولکشور پریس

Marfat.com

گردید، قصائد غرا در مدح آن جوان بخت عالی تبار گفت"۔[۱]

ماآثر رحیمی کا مصنف لکھتا ہے:

"شاہزادہ موسی الیہ (یعنی دانیال) را صحبت مولائی مذکور پسند افتادہ در ترقی و تربیت اور اکوشید ندر سربے نیازی اور افرق فرقد سای گردانیدند"۔[۲]

دانیال کی فرمائش پر ملا نوعی نے ایک مثنوی "سوز وگداز" لکھی، جس میں ایک ہندو عروس کے عشق کا قصہ مرقوم ہے، عورت کا شوہر بیاہ کے دن ایک چھت کے گر جانے سے دب کر مر گیا، وہ ستی ہونے چلی، تو اکبر نے اوس کو روکنا چاہا، لیکن شوہر کے عشق میں وہ آگ میں کود پڑی ۔اسی واقعہ کو نوعی نے دانیال کی فرمائش پر منظوم کیا ہے۔[۳]

نوعی کا قابل فخر کارنامہ "ساقی نامہ" ہے، جس کے صلہ میں مرزا عبدالرحیم خانخانان نے اس کو دس ہزار روپے اور ہاتھی گھوڑے عنایت کئے تھے۔[۴]

میر حسین کفری بھی خراسان کا رہنے والا تھا، تیموریوں کی علم نوازی کا شہرہ سن کر ہندوستان آیا اور شاہزادہ دانیال کے سایۂ عاطفت میں پناہ لی ماآثر رحیمی میں ہے:

"مدتے ملازم شاہزادہ خورشیدلوا شاہزادہ دانیال شد ودر ملازمت آن شاہزادہ بختیار کمال تقرب و نزد یکی بہم رسانید وقصائد غرابمدح آن شاہزادہ گفتہ"۔

شاہزادہ کی وفات کے بعد عبدالرحیم خانخانان کی زرپاشیوں سے سیراب ہوا[۵]

۱۔ میخانہ مؤلفہ ملاعبدالنبی مرتبہ پروفیسر محمد شفیع ۲۔ ماآثر رحیمی جلد سوم ص ۶۳۶

۳۔ ماآثر الکرام جلد دوم ص ۲۳

۴۔ ماآثر رحیمی جلد سوم ص ۶۳۷ ساقی نامہ میخانہ مرتبہ پروفیسر محمد شفیع میں ملاحظہ ہو۔نوعی کا ایک دیوان بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں موجود ہے۔

۵۔ ماآثر رحیمی ص ۸۰۷ جلد سوم اس کے کلام کے نمونے بھی اس کتاب میں ملیں گے ۔

Marfat.com

پرویز:

جہانگیر کے لڑکوں میں پرویز نے بھی علم وفن کی محفل سجائی، مگر اس محفل کو رونق دینے والے فضلاء اور شعراء میں صرف دو نام ہم کو تذکروں میں ملے ہیں، مرزا عبداللہ اور حکیم فغفور لاہجی، عبداللہ نیشاپور سے ہندوستان آکر پرویز کے دامنِ دولت سے وابستہ ہوا تھا۔

حکیم فغفور لاہجی طب، حساب، موسیقی اور شاعری کے فن میں یکتائے روزگار تھا۔ ایران سے ہندوستان آیا اور دانیال کے دربار کو اپنے فضل وکمال سے پر رونق بنایا۔ پہلے رسمی پھر فغفور تخلص رکھا، حساب میں رسالہ اصابع اس کی ایک تالیف ہے۔ [۱]

داراشکوہ:

علمی حیثیت سے تیموری شہزادوں کا گل سرسبد داراشکوہ تھا۔ وہ ایک باکمال مصنف شاعر اور خطاط تھا، اس کو شروع میں تصوف اور بعد میں ہندو مذہب سے گہرا شغف پیدا ہوگیا تھا، نثر میں اس کی تصانیف ان ہی دو موضوعوں پر ہیں، ان تصانیف سے داراشکوہ کے جن مذہبی اعتقادات اور صوفیانہ خیالات کا اظہار ہوتا ہے۔ ان پر بحث کر کے ہم ناظرین کو اس کی جانب سے بدظن کرنا نہیں چاہتے، بلکہ صرف اوس کے علمی کمالات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ [۲] مگر اس کی تصانیف کی تاریخ وار ترتیب سے ناظرین کو خود اندازہ ہوجائے گا کہ وہ کس طرح رفتہ رفتہ صحیح وخالص اسلام سے ہٹ کر عامیانہ تصوف کی طرف مائل ہوگیا۔

۱۔ سفینۃ الاولیاء:

دارا کی یہ پہلی تصنیف ہے کہ جو اوس نے اپنی عمر کے پچیسویں سال ۱۰۴۹ھ میں لکھی۔ اس کتاب کے شروع میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہے اور پھر خلفائے راشدین،

---

۱ ریاض الشعراء

۲ داراشکوہ کی ایک تصنیف مجمع البحرین کو پروفیسر محفوظ الحق (پریذیڈنسی کالج کلکتہ) نے اڈٹ کیا ہے اور اوس کے دیباچہ میں دارا کی تصنیفات اور تراجم پر بڑی محنت وکاوش سے ایک انگریزی مقالہ لکھا ہے، جناب سید نجیب اشرف صاحب ندوی سابق رفیق دارالمصنفین نے بھی مقدمۂ عالمگیری میں دارا کی تصانیف پر بحث کی ہے۔

Marfat.com

حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے ائمہ کے مناقب ہیں۔ اس کے بعد اولیاء اللہ کے احوال ہیں، جن میں قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ، کبردیہ اور سہروردیہ کے سلاسل کا ذکر خاص طور پر ہے، ایک باب میں متفرق سلسلوں کے صوفیائے کرام کے بھی کچھ حالات ہیں۔ آخر میں ازواجِ مطہرات اور بنات طاہرات آنحضرت ﷺ کے بعد ان خواتین کا ذکر ہے۔ جنھوں نے راہِ سلوک میں کمال حاصل کیا، یہ کتاب مختلف مطبعون میں چھپ گئی ہے، ۱۸۵۳ء مطبع مدرسہ آگرہ سے ایک انگریز مسٹر بیل کے اہتمام میں جو نسخہ شائع ہوا تھا، اسکے صفحات ۲۷۴ ہیں۔[1]

داراشکوہ نفحات الانس، کشف المحجوب، تذکرۃ الاولیا اور طبقات سلطانی وغیرہ جیسے تذکروں سے مطمئن نہ تھا، کیوں کہ اس کے خیال میں ان کتابوں میں صوفیائے کرام کے حالات سلسلہ بہ سلسلہ علیحدہ علیحدہ منقول نہ تھے اور ان کی پیدائش اور وفات کے سال کی تفصیل بھی ان میں اطمینان بخش نہ تھی، اسی لیے ان خامیوں کو سفینۃ الاولیاء لکھ کر پورا کیا، تمام تذکرہ نویسوں نے اس کو ایک مستند تذکرہ قرار دیا ہے، حتیٰ کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب اخبار الاخیار میں اس کا حوالہ جابجا دیا ہے۔ سفینۃ الاولیاء کی تحریر کے وقت داراشکوہ حنفی المشرب تھا اور تصوف میں سلسلۂ قادریہ سے متوسل تھا، مگر آگے چل کے اس کے عقائد میں اسلامی تصوف کی شان بالکل مفقود ہوگئی۔

اس کتاب کے ادب و انشاء کے متعلق دارا خود لکھتا ہے۔

"واگرچہ عبارت این کتاب راست براست است و در عبارت آرائی مقید نشدہ و فارسی سادہ عام فہم نوشتہ لیکن بعضے جا اقتدار بعبارت نفحات الانس قطب الاولیاء قدوۃ الاتقیاء نیز آسمان عرفان خورشید فلک ایقان حضرت مولای نور امامت والدین عبدالرحمن جامی قدس سرہ انشاے کہ کمال فصاحت و متانت دارد و ایشا نرا استاد خود می دا مذکردہ و زبان روز مرہ خود رانیز ترک ساختہ"۔[2]

---

[1] سفینۃ الاولیاء مطبع مدرسہ آگرہ ۱۸۵۳ء دیباچہ [2] سفینۃ الاولیاء ص ۲۷۴

Marfat.com

۲۔ سکینۃ الاولیاء:

دارا نے یہ کتاب اپنی عمر کے اٹھائیسویں سال ۱۰۵۲ھ میں لکھی۔ اس میں اوس نے اپنے پیر لسان اللہ ملا شاہ محمد یا محمد شاہ بدخشانی اور پیر کے مرشد میاں میر (یا ملا جیو) کے حالات، ملفوظات، کرامات اور ان کے خاندان اور خلفاء کے احوال کی تفصیلات لکھی ہیں، اس کتاب کی وجہ تصنیف یہ بتائی ہے۔

> سکینۃ الاولیاء...... اور کتابوں کی طرح اولیاء حق کے معتقدوں اور مخلصوں کے لیے بطور یادگار رہے اور معلوم ہو جائے کہ کوئی زمانہ اس عالی گروہ سے خالی نہیں رہا اور نیز یہ کہ اس زمانے میں بھی جب کہ ۱۰۵۲ھ ہجری ہے، اس قسم کے لوگ ہیں اور تھے''۔[۱]

دارا نے راہِ سلوک کی منزلیں جس طرح طے کیں، اس کا حال اس طرح لکھتا ہے۔

> ''جمعرات کے روز چوبیس سال کی عمر میں خواب میں فرشتہ نے مجھے آواز دی اور چار مرتبہ کہا'' تجھے اللہ تعالیٰ ایسی چیز عنایت کرے گا، جو روئے زمین کے کسی بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی''۔ نیند سے بیدار ہو کر میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اس قسم کی سعادت البتہ عرفان ہو گی اور۔ بے شک اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے مجھے یہ دولت بخش دے گا، اِنَّ اللہ غفور رحیم۔ میں ہمیشہ اس دولتِ عظمیٰ کا طالب رہا، یہاں تک کہ ۲۹ ماہ ذی الحج ۱۰۴۹ھ کو ایک دوستِ خدا کی صحبت میں پہنچا۔ وہ مجھ پر نہایت مہربان ہوا جو بات دوسرے لوگوں کو ایک مہینہ میں حاصل ہوتی تھی، وہ مجھے پہلی رات میں مل گئی اور جو کچھ دوسرے ایک سال میں حاصل کرتے تھے، مجھے

---

[۱] مجھ کو سکینۃ الاولیاء کا فارسی نسخہ نہیں مل سکا، اس کا اردو ترجمہ جو فضل الدین ملک چنن الدین تاج الدین ککے زئی تاجران کتب قومی منزل نقشبند یہ کشمیری بازار لاہور نے شائع کیا ہے، میرے پیش نظر ہے۔

Marfat.com

ایک مہینہ میں حاصل ہوگئی، جہاں اور کوئی طالب سالہا سال کے مجاہدوں اور ریاضتوں سے پہونچتا، میں محض اللہ تعالی کے فضل و کرم سے بغیر ریاضت یک بارگی پہنچ گیا، دونوں جہاں کی محبت میرے دل سے اٹھ گئی اور فضل و رحمت کے دروازے میرے دل پر کھل گئے اور جو میں چاہتا تھا، وہ مجھے مل گیا''۔ (ص ۵)

گو ہم دارا کے صوفیانہ عقائد سے بحث کرنا نہیں چاہتے، لیکن یہ کہنا نا مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ دارا نے جس عجلت اور تیزی سے راہِ سلوک کی منزلیں طے کیں، وہ ہندوستان کے صوفیائے کرام میں کسی اور نے نہیں کیں۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی ؒ نے بیس سال تک اپنے مرشد کے پاس رہ کر ریاضت کی اور برسوں سمرقند، بغداد، ہمدان، تبریز، استرآباد، سبزوار، حصار، بلخ اور ہندوستان وغیرہ کی بادیہ پیمائی کرنے کے بعد راہِ سلوک کی منزلیں طے کر سکے۔ حضرت بختیار کاکی ؒ بیس برس تک رات کو مطلق نہ سوئے۔ حضرت فرید الدین گنج شکر ؒ نے اتنے مجاہدے کئے کہ ایک بار حضرت معین الدین چشتی ؒ ان کے حجرے میں تشریف لائے، تو ضعف سے ان کی تعظیم کے لیے کھڑے نہ ہو سکے، حضرت شرف الدین یحییٰ منیری ؒ نے ۳۷ سال تک جنگلوں میں عبادت کی، اس لیے دارا کا یہ لکھنا کہ اوس نے یک بارگی ''سب کچھ'' حاصل کر لیا مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔

دارا کو اپنے مرشد کے مرشد ملا جیو سے والہانہ عقیدت تھی اور وہ ایک قصبہ ''باری'' میں عزلت نشین تھے، اس لیے دارا ان کو باری تعالی کہتا تھا، (حسنات العارفین ص ۳۰) ملا جیو نے خواب میں اوس کو مشاہدہ اور مراقبہ کرنا سکھایا اور خواب ہی میں اپنے سینہ کی امانت اس کے سینے میں منتقل کی، جس کے بعد دارا شکوہ کو سلوک میں فتح پر فتح حاصل ہوئی۔ (ص ۴۳)

ملا جیو کو بھی اپنے مرید کے مرید سے غیر معمولی شیفتگی تھی۔ وہ اپنے ''یاروں'' اور ''مریدوں'' سے کہا کرتے تھے کہ جس طرح میں دارا کے حال کی طرف متوجہ رہتا ہوں، تم بھی رہا کرو، اگر تم اس کی طرف متوجہ نہ ہوگے تو خدا سے پھر جاؤ گے''۔ (ص ۴۲) (العیاذ باللہ) وہ اپنے مریدوں کو دارا شکوہ ہی کی صورت کا مراقبہ کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ (ص ۴۲)

Marfat.com

لسان اللہ شاہ محمد یعنی دارا کے اصلی مرشد کو بھی دارا سے بڑی محبت تھی۔ انھوں نے اس کی شان میں ایک غزل بھی کہی تھی، لیکن یہ اس قدر غلط اور بے معنی یا اتنی مسخ چھپی ہے کہ بالکل مہمل ہوگئی ہے، ایک شعر جس کے کچھ معنی سمجھ میں آتے ہیں، یہ ہے۔

اے بے خبرز عالم رازِ نہانِ دل　　روزے شود کہ تو بشوی ہمزبانِ دل

ملّا شاہ محمد کو داراشکوہ سے یہ امید تھی کہ وہ ہندوستان میں طریقۂ قادری کو رواج دے گا، لیکن یہ امید بر نہ آئی۔ (ص ۱۳۸)

داراشکوہ نے اپنے مرشد کے خوارق و کرامات کی بہت سی تفصیلات لکھی ہیں اور انھی کے ذریعہ سے ان کی روحانی عظمت کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ آخر میں اس کے مرشد کی ہمشیرہ بی بی جمال خاتون کے احوال و کرامات بھی درج ہیں اور اس کے بعد ملا جیو کے خلفاء کا ذکر ہے۔ دارا نے ان خلفاء کے اشعار کے انتخاب بھی اس کتاب میں یہ دیئے ہیں۔ کتاب میں جا بجا کشف المحجوب، نفحات الانس، غنیۃ الطالبین، تفسیر عرائس، تفسیر قشیری، فصل الخطاب، بحر الحقائق، تفسیر حسینی صحیح مسلم، مشکوۃ، معجم البلدان وغیرہ کے حوالے ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتابیں دارا کے زیر مطالعہ ہیں۔

۳۔ رسالہ حق نما:

میری نظر سے نہیں گذرا۔

۴۔ حسنات العارفین یا شطحیات:

دارا اس کتاب کی تمہید لکھتا ہے کہ ''وجد و ذوق کی حالت میں اس کے منہ سے ایسے کلمات بلند حقائق'' نکل جاتے تھے، جن کو سن کر ''پست فطرت'' ''دون ہمت'' اور ''زاہد خشک'' لوگوں نے اپنی کوتاہ بینی سے اس پر تکفیر کے فتاوی صادر کیے۔ اس تکفیر سے بچنے کے لیے اس نے مذکورۂ بالا کتاب تالیف کی، جس میں نہ صرف صوفیائے کرام اور علمائے عظام بلکہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے ایسے کلمات اور اقوال نقل کئے ہیں، جو اس کے خیال میں شطحیات

Marfat.com

ہیں۔ان اقوال سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ توحید ومعرفت کے منازل ومدارج میں ایک ایسا مقام آتا ہے، جب ایک سالک شریعت وطریقت، کفر وایمان، خیر وشر اور عبد ومعبود سے بالکل بے نیاز ہو جاتا ہے اور بے خودی میں اس کی زبان سے ایسے کلمات نکلتے ہیں، جو بظاہر مذہب وایمان کے منافی ہوتے ہیں، لیکن وہ قابلِ مواخذہ نہیں ہوتے، چناں چہ دارا یہ بتانے کی کوشش کرتا ہے کہ راہ سلوک میں ایسے ہی مقام پر پہنچ کر اس کی زبان سے شطحیات صادر ہوئیں اور اسی مقام کے وجد و ذوق میں وہ صوم وصلوٰۃ سے مستغنی ہو گیا۔

دارا نے جتنے کلمات واقوال نقل کیے ہیں۔ان پر مفصل بحث کر کے یہ دکھایا جاسکتا ہے کہ ان کلمات کی نسبت غیر معتبر مشکوک اور مجہول الروایت ہے اور بعض اقوال کی تشریح وتوضیح صحت سے دور ہے، مگر اس مضمون میں ہم اس قسم کی بحث سے قصداً پرہیز کرنا چاہتے ہیں ۔اس میں شک نہیں کہ بعض شطحیات ایسی ضرور ہیں، جو بعض صوفیائے کرام کی زبانوں سے غیر اختیاری طور پر نکلیں، لیکن وہ خود کسی حال میں بھی دارا کی طرح ان کے جواز کے قائل نہ تھے، کیوں کہ اسلامی تصوف شریعت کے دائرہ سے الگ نہیں ہے اور شطحیات علماء وصوفیہ میں سے کسی نے بھی روا نہیں رکھا ہے، چناں چہ ہندوستان کے اکابر مشائخ اور صوفیہ کا عمل اسیؔ پر رہا ہے، ان کے افعال واقوال اس کے شاہد ہیں۔

۵۔مجمع البحرین:

یہ کتاب دارا نے اپنی عمر کے ۴۲ ویں سال میں لکھی ۔اس میں اسلام اور ہندو مذہب کو ایک ہی سمندر کے دو دھارے بتایا ہے اور ان دونوں کو ملانے کی کوشش کی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اسلامی تصوف اور فلسفۂ ویدانت میں لفظی اختلاف کے سوا کوئی اور فرق نہیں ۔توحید کے شیدائی ان دونوں میں سے جس کی بھی تقلید کریں حقانیت کی منزل تک پہونچ سکتے ہیں ۔اس کتاب کی اشاعت پر دارا کو مرتد اور ملحد قرار دیا گیا اور آگے چل کر اس کے یہی عقائد اوس کی زوال اور موت کا سبب بنے، یہ کتاب اپنی نوعیت کے لحاظ سے پہلی اور آخری تصنیف ہے۔[۱]

---

[۱] پروفیسر محفوظ الحق کلکتہ نے مجمع البحرین کو بہت ہی دقت نظر کے ساتھ اڈٹ کر کے اس کے انگریزی ترجمہ کے ساتھ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے شائع کیا ہے۔

Marfat.com

دارا کی تصانیف یہی پانچ ہیں، اس کے بعد اوس نے زیادہ تر ہندو مذہب کی کتابوں کے ترجمے کئے یا کرائے، ان ترجموں کی تمہید میں دارا نے اپنے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حنفی المشرب اور سلسلۂ قادریہ کا پیرو ہونے کے بجائے رفتہ رفتہ ہندو ہونے کی کوشش کر رہا تھا یا کم از کم وہ اپنے عقائد کو ایسے سانچے میں ڈھال رہا تھا کہ ہندو اس کی طرف مائل ہو کر تخت و تاج کے حصول میں اوس کے معاون اور مددگار رہوں۔

۶۔ سِرِّ اکبر:

یہ اوپنشد کے پچاس ابواب کا فارسی ترجمہ ہے، جو دارا شکوہ نے ۱۰۶۷ھ میں بنارس کے پنڈتوں کی مدد سے کیا۔ اس کتاب میں بسم اللہ کے بجائے گنیش جی کی تصویر دی ہے اور دیباچہ میں لکھا ہے کہ اصل قرآن مجید یہی کتاب ہے، (نعوذ باللہ) اس کی وجہ تصنیف کے متعلق وہ خود رقم طراز ہے، (نقل کفر کفر نہ باشد)

''جب یہ فقیر بے اندوہ محمد دارا شکوہ ۱۰۵۰ ہجری میں کشمیر جنتِ نظیر گیا تھا، تو میں نے عنایتِ الٰہی اور اوس کے فضل نا متناہی سے کاملوں کے کامل، عارفوں کے خلاصہ، استادوں کے استاد، پیشواؤں کے پیشوا اور حقائق آگاہ کے معتقد یعنی حضرت ملا شاہ سلمہٗ اللہ سے سیادت اور ارادت حاصل کی، مجھ کو ہر گروہ کے عارف کو دیکھنے اور توحید کے متعلق اعلیٰ باتیں سننے کا ذوق تھا اور تصوف کی بہت سی کتابیں نظر سے گذر چکی تھیں اور کچھ رسالے بھی تصنیف کئے تھے، لیکن طلب توحید میں جو ایک بحر بیکراں ہے اور بھی تشنگی ہر وقت بڑھتی گئی، دقیق مسائل ذہن میں آتے تھے، جن کا حل بجز کلام الٰہی اور استاذ ذات نا متناہی کے ممکن نہ تھا، چوں کہ قرآن مجید و عظیم اور فرقانِ کریم کی اکثر باتیں رمزی ہیں اور آج کل اُن کے جاننے والے کم ہیں، اس لیے میں نے چاہا کہ تمام آسمانی کتابوں کو پڑھوں، کیوں کہ کلامِ الٰہی اپنی تفسیر آپ ہے یعنی جو بات مجمل ہوگی۔ دوسری

Marfat.com

کتابوں میں مفصل پائی جائے گی۔ اس تفصیل سے اجمال معلوم ہو جائے گا۔ میں نے توریت، انجیل، زبور اور دوسری کتابیں پڑھیں، لیکن ان میں توحید کا بیان مجمل اور اشارات میں تھا اور ان آسان ترجموں سے جن کو اہلِ غرض نے کیا تھا، مطلب معلوم نہیں ہوتا تھا، اس بات کی فکر میں ہوا کہ ہندوستان وحدت عیاں میں توحید کی گفت گو کیوں بہت زیادہ ہے اور قدیم ہند کے ظاہری اور باطنی علماء کو وحدت سے انکار اور موحدوں پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ ان پر اعتبار ہے۔ برخلاف اس کے جہلائے وقت خداشناسوں اور موحدوں کے قتل، کفر اور انکار میں مشغول ہیں اور توحید کی تمام باتوں کو جو کلام پاک اور صحیح احادیث نبوی سے ظاہر ہیں، رد کرتے ہیں، وہ خدا کے راستے کے راہزن ہیں۔ ان باتوں کی تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اس قوم قدیم (یعنی ہندوؤں) کے درمیان تمام آسمانی کتابوں سے پہلے چار آسمانی کتابیں تھیں، رگ بید، سام بید، اتھربن بید...... اور اس وقت کے سب سے بڑے نبی برہما یعنی آدم صفی اللہ پر یہ تمام احکام نازل ہوئے اور یہ باتیں ان کتابوں سے ظاہر ہیں ...... اور بعض توحید کے اشغال اس میں درج ہیں، جس کا نام اپنکھت ہے، اس زمانہ کے انبیاء نے ان کو علحدہ کر کے ان پر شرح و بسط کے ساتھ تفسیریں لکھی ہیں اور ہمیشہ ان کو بہترین عبارت سمجھ کر پڑھتے ہیں۔ اس خاکسار کی نظر چوں کہ وحدت ذات کی اصل پر تھی اور نہ کہ عربی، سریانی، عراقی اور سنسکرت زبان پر تھی۔ اس لیے چاہا کہ ان اپنکھت کو جو کہ توحید کا خزانہ ہے اور جس کے جاننے والے اس قوم میں بھی کم رہ گئے ہیں، فارسی زبان میں بغیر کسی کمی اور بیشی اور نفسانی غرض کے لفظ بلفظ بالمقابل ترجمہ کر کے سمجھوں کہ یہ جماعت اوس کو اہل اسلام سے پوشیدہ اور پنہاں رکھتی ہے، اس کا کیا بھید ہے؟ شہر بنارس جو اس قوم کا دارالعلم ہے اور جہاں پنڈت اور سنیاسی جو

Marfat.com

کہ سرآمدِ وقت اور بیدار اپنکہت کے جاننے والے تھے،......اس خاکسار سے تعلق رکھتا تھا...... ۱۰۶۷ھ ہجری میں بے غرضی کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا اور ترجمہ کے متعلق ہر قسم کی مشکل اور اعلیٰ باتیں جن کا میں طلب گار تھا، لیکن حل نہیں پاتا تھا، اس قدیم کتاب کے ذریعہ سے معلوم ہوئیں جو بلا شک و شبہہ پہلی آسمانی کتاب ہے اور بحر توحید کا سرچشمہ ہے اور قدیم ہے اور قرآن مجید کی آیت بلکہ تفسیر ہے اور صراحۃً ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت بعینہ اس کتاب آسمانی سرچشمۂ بحر توحید اور قدیم کے حق میں ہے، **انہ لقران کریم فی کتب مکنون لا یمسہ الا المطھرون تنزیل من رب العالمین** یعنی قرآن کریم ایسی کتاب میں ہے، جو پوشیدہ ہے اور اس کو نہیں چھوتے ہیں مگر وہ جو کہ پاک ہیں وہ نازل ہوئی ہے۔ خداوند عالم کی طرف سے متعین طور سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت توریت اور انجیل کے حق میں نہیں، لفظ تنزیل سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوحِ محفوظ کے حق میں ہے، چوں کہ اپنکہت کہ وہ ایک مخفی راز ہے، اصل کتاب کی ہے اور قرآن مجید کی آیتیں بعینہ اس میں پائی جاتی ہیں، پس تحقیق کہ چھپی ہوئی کتاب یہی کتابِ قدیم ہے، اس فقیر کو جس نے بے جانی ہوئی چیز کو جان لیا اور بے سمجھی ہوئی چیز کو سمجھ لیا۔ اس ترجمہ کے کرنے میں اس کے سوائے کوئی مطلب اور مقصد نہ تھا کہ وہ اور اوس کی اولاد، اوس کے دوست اور حق کے طلب گار فائدہ اٹھائیں''۔

مولانا شبلی مرحوم نے سترِ اکبر کے نسخوں کو ۱۹۰۶ء میں ندوۃ العلماء کے سالانہ اجلاس منعقدہ بنارس کی علمی نمائش گاہ میں دیکھا تھا۔ اس کتاب کے دیباچہ کو پڑھ کر ان پر جو اثرات طاری ہوئے۔ ان کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ ''عالمگیر نے داراشکوہ کے مقابلہ کا جب قصد کیا، تو اس کا یہ سبب ظاہر کیا کہ داراشکوہ بدعقیدہ اور بددین ہے، اس لیے اگر وہ ہندوستان کا فرمانروا ہوا، تو ملک

Marfat.com

میں بد دینی پھیل جائے گی ۔عام مورخوں کا خیال ہے کہ یہ محض ایک فریب تھا۔ نہ داراشکوہ بے دین تھا اور نہ عالمگیر کی مخالفت کا یہ سبب تھا، دلوں کا حال خدا کو معلوم،لیکن اس کتاب کے دیباچہ سے صاف ظاہر ہے کہ داراشکوہ بالکل ہندو بن گیا تھا اور کچھ شبہ نہیں کہ اگر وہ تختِ شاہی پر متمکن ہوتا، تو اسلامی شعار اور خصوصیات بالکل مٹ جاتے"۔ (مقالات شبلی جلد ہفتم ص ۱۰۱)

علمی حیثیت سے اس ترجمہ سے یہ فائدہ ہوا کہ برہمنوں کا علمی بخل جاتا رہا اور اب تک ان کے جو علوم محض رازہائے سربستہ تھے، وہ بالکل فاش ہوگئے اور اس فارسی ترجمہ کے ترجمے یورپ کی مختلف زبانوں میں ہوئے اور کہا جاتا ہے کہ جرمنوں کو اپ نشد کے راز سرّ اکبر ہی کے ذریعہ سے معلوم ہوئے۔

سرّ اکبر کا ایک خوش خط قلمی نسخہ دار المصنفین کے کتب خانہ میں ہے، گمان یہ ہے کہ اس نسخہ کا خط داراشکوہ یا اوس کے کسی منشی کے ہاتھ کا ہے، آخری عبارت یہ ہے۔

"این ترجمه انپکتهاے ہو چہار وید که موسوم بسّرِاکبر است و تمام معرفت نور الا نوا راز فقیر بے اندوه محمد داراشکوه خود بعبارت راست براست درمدت ششماه آخر دو شنبه بست و ششم ماه رمضان سنه ہجری یکزار دشت و ہفت در شہر دہلی ، در منزل تکمبوده باتمام رسانید، ازین گنج معرفت بہره دراز ہستی موہوم خلاص گشته بہستی حق رسید رستگاه جاوید گردید، تمام شد کتاب ترجمۂ انپکتہار موافق چتربید"۔[1]

۷۔ بھگوت گیتا:

اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں ہے، جس کے شروع میں یہ عبارت ہے۔

---

[1] معارف نمبر ۶ جلد ۱۴ میں سرّ اکبر کے موضوع پر ایک بہت ہی مفصل تبصرہ شائع ہوا ہے۔جس کا مطالعہ ناظرین کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

Marfat.com

"گیتا بزبان فارسی تصنیف شیخ ابو الفضل علامی از کتاب مہا بھارت از فن ششم کہ آنرا بھکھم پرب گویند سری کرشن جیودار جن سنباد"۔

اس تحریر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بھگوت گیتا کا یہ فارسی ترجمہ شیخ ابوالفضل کا کیا ہوا ہے لیکن برٹش میوزیم کے فہرست نگار نے اس کی بقیہ عبارت میں ابوالفضل کے اس ترجمہ کی عبارت میں تطبیق نہیں پائی، جو اکبر کے عہد میں ترجمہ کیا گیا تھا[۱]، اس کا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں ہے، اس کے فہرست نگار نے اس نسخہ کے ترجمہ کو داراشکوہ کی طرف سے منسوب کیا ہے اور یہ بھی واضح طور سے بتایا ہے کہ برٹش میوزیم کے نسخہ کو ابوالفضل کی طرف منسوب کرنا درست نہیں۔[۲]

انڈیا آفس کے فہرست نگار نے ایک اور کتاب نادر النکات داراشکوہ کی طرف منسوب کی ہے۔ مگر اس کا نام صرف سفینۃ الاولیاء کے سلسلہ میں آ گیا ہے۔ فہرست نگار نے اس کی کوئی تفصیل نہیں لکھی ہے۔ پروفیسر محفوظ الحق کا خیال ہے کہ یہ کتاب شاید رسالہ حق نما یا مکالمہ بابا لال و داراشکوہ کا دوسرا نام ہو، کیوں کہ خدابخش خان لائبریری پٹنہ میں جو آخر الذکر نسخہ ہے، اس کا دوسرا نام مخزن نکات بھی ہے۔

خزینۃ الاصفیاء کے مصنف داراشکوہ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

"از تصانیف مشہورہ وے کتاب سفینۃ الاولیاء و سکینۃ الاولیاء و سرِ اکبر و دیوان اکسیر اعظم و رسالہ حق نما و رسالہ معارف وغیرہ است"۔

رسالہ معارف میری نظر سے نہیں گذرا، دیوانِ اکسیر اعظم کا ذکر آگے آئے گا۔

مخزن الغرائب کے مولف نے اپنے دیباچہ میں ان کتابوں کی فہرست دی ہے، جن سے انھوں نے استفادہ کیا ہے، اس فہرست میں داراشکوہ کی بیاض کا حوالہ ان الفاظ میں دیا ہے۔

"بیاض محمد داراشکوہ ولی عہد شاہجہان بادشاہ قادری تخلص صاحب مجمع البحرین کہ باصطلاحات صوفیہ ہند نوشتہ"۔

---

۱ برٹش میوزیم کیٹلاگ جلد اول، ص ۵۹ ۲ انڈیا آفس کیٹلاگ جلد اول کالم ۱۰۸۹

Marfat.com

مگر اس بیاض کا ذکر کسی کتب خانہ کے کیٹلاگ میں نہیں، ورنہ اس سے دارا کے شاعرانہ ذوق کا اندازہ ہوسکتا تھا، لیکن مخزن الغرائب کے جیسے دقیق النظر تذکرہ نگار کا اس بیاض سے استفادہ کرنا داراشکوہ کے کمال شاعری کی سند ہے۔

پروفیسر محفوظ الحق صاحب نے مجمع البحرین کے دیباچہ میں مختلف ماخذوں سے دارا کی تین اور تالیفات کا ذکر کیا ہے۔ پیرس کے قومی کتب خانہ میں ایک مخطوط نگارستان منیر ہے، جس کے آخر میں ایک مرقع کا دیباچہ ہے، کتب خانہ ہذا کے فہرست نگار کا بیان ہے کہ اس دیباچہ کی تحریر دارا شکوہ کی ہے۔ پروفیسر صاحب کا خیال ہے کہ شاید یہ دیباچہ اس مرقع کا ہو جو دارا نے اپنی محبوب بیوی نادرہ بیگم کو ۱۰۵۱ھ میں بطور تحفہ دیا تھا۔ مخزن ستمبر ۱۹۰۷ء میں دارا کی ایک فارسی مثنوی اور پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل (جلد دوم نمبر ۱) میں دارا کی ایک تزک کا ذکر ہوا ہے، مگر ان کتابوں کے نام کسی تذکرہ اور تاریخ میں نہیں پائے جاتے۔

ان تالیفات کے علاوہ حسب ذیل کتابیں دارا کے حکم سے لکھی گئیں۔

۱۔ مکالمۂ داراشکوہ و بابالال:

بابالال بیراگی ذات کا کھتری اور قصور کا باشندہ تھا، لیکن اس کا استھان دھیان پور (بٹالہ) میں تھا، میاں جیو کا دوست تھا، اس لیے داراشکوہ کو بھی اس سے عقیدت تھی۔ اپنی کتاب شطحیات میں بابالال کے متعلق لکھتا ہے۔

> ''بابا لال مندیہ کہ از کمال عرفاست ود رہنود بفرمان وستانت وے کسے دیدہ نشد، مرا گفت، در ہر قومے عارف و کامل می باشد کہ حق سبحانہ تعالی بہ برکت اوآن قوم را نجات می دہد و تو منکر ہیچ قومے مباش''۔
>
> (ص ۴۳ مطبع مجتبائی)

مجمع البحرین میں بابالال بیراگی کا نام مسلمان صوفیۂ کرام کے ساتھ آیا ہے، (ص ۲۶)

Marfat.com

داراشکوہ ۱۰۶۲ھ میں قندھار کی مہم سے واپس آیا، تو لاہور میں بابالال سے ملا اور دونوں کی گفتگو سات مجلسوں میں ختم ہوئی، ان مکالموں کو داراشکوہ کے حکم سے اس کے میر منشی چندر بھان برہمن نے قلم بند کرلیا تھا، مکالمے دل چسپ ہیں، جن میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ حق وصداقت کسی ایک مذہب کی ملکیت نہیں۔ اب سے بہت پہلے یہ رسالہ مع اردو ترجمہ کے مطبع مجیب ہند دریا گنج دہلی سے چھپ گیا ہے، اس کا اردو ترجمہ ایک ہندو لالہ چرنجی لال نے کیا ہے۔

۲۔ جُگ بشست:

یہ سنسکرت کی مشہور کتاب ''یوگ واسی شست'' کا فارسی ترجمہ ہے، جو داراشکوہ کے حکم سے اوس کے ایک درباری نے ۱۰۶۶ھ میں کیا، ترجمہ کی وجہ دارا نے یہ بتائی ہے۔

> ''اس کتاب کے انتخاب کا ترجمہ جو شیخ صوفی کے ساتھ منسوب ہے، ہم نے مطالعہ کیا، تو رات کو خواب میں دیکھا کہ دو بزرگ قبول صورت ایک اونچے پر اور دوسرے کسی قدر ان سے نیچے کھڑے معلوم ہوئے، جو اونچے پر کھڑے تھے، بشست تھے اور دوسرے رام چندر...... میں بے اختیار بشست کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بشست نے نہایت مہربانی سے ہاتھ میری پیٹھ پر رکھا اور فرمایا کہ اے رام چندر یہ سچا طالب ہے اور سچی طلب میں تیرا بھائی ہے، اس سے بغل گیر ہوا۔ رام چندر بکمال محبت کے ساتھ مجھ سے ملے، اس کے بعد بشست نے رام چندر کے ہاتھ میں مٹھائی دی، تاکہ مجھے ملا دے، میں نے وہ شیرینی کھائی۔ اس خواب کے دیکھنے پر ترجمہ کی خواہش از سرنو زیادہ ہوئی اور دربار عالی کے حاضرین میں سے ایک شخص مقرر اس خدمت پر ہوا اور ہندوستان کے پنڈتوں سے...... اس کتاب کے لکھنے میں اہتمام وانصرام کیا۔[1]

اس ترجمہ کا ایک نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے۔ اس کا اردو ترجمہ منہاج السالکین

---

[1] بحوالہ مقدمہ رقعات عالمگیر مرتبہ پروفیسر سید نجیب اشرف ندوی رفیق دارالمصنفین

Marfat.com

کے نام سے مولوی ابوالحسن صاحب نے کیا ہے، جو نولکشور پریس لکھنو میں طبع ہوا ہے، اوپر کی عبارت سے معلوم ہوگا کہ دارا ہندوؤں پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ بھی رام چندر کی طرح ایک اوتار ہے۔

۳۔ تاریخ شمشیر خانی

یہ شاہ نامہ کی گویا تلخیص ہے، جو دارا کے حکم سے کی گئی۔ دارا کے وسیلہ سے جو کتابیں لکھی گئیں، ان میں جناب پروفیسر سید نجیب اشرف صاحب ندوی نے قصص الانبیا کا نام بھی گنایا ہے۔

دارا کی علمی سرپرستی کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ بعض اہلِ قلم اپنی کتابیں لکھ کر اس کے نام سے منسوب اور معنون کرتے تھے، نورالدین محمد بن عبداللہ بن عین الملک نے ۱۰۵۶ھ میں طب پر ایک ضخیم کتاب لکھی اور اس کا نام طب دارا شکوہی رکھا۔ پیرس کے قومی کتب خانہ کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں اس کا نام علاجات دارا شکوہی ہے۔ ابراہیم مسکین نے اپنی کتاب ترجمہ اقوال واسطی میں ابوبکر بن محمد بن موسیٰ الواسطی کے اقوال کا فارسی ترجمہ کیا اور اس کو دارا شکوہ کے نام سے معنون کیا۔

دارا نثر نگار ہونے کے علاوہ ایک ممتاز شاعر بھی تھا، اس کی شاعری کی داد اس کے مرشد نے ''بے نظیر'' اور ''دل پذیر'' کہہ کر دی تھی [1]۔ کلمات الشعراء کے مصنف سرخوش نے لکھا ہے۔

> ''طبع بلند و ذہنے رساداشت، مطالبِ صوفیہ در رباعی و غزل منظوم می کرد وبحسب اعتقادی کہ بسلسلہ عالیہ قادریہ داشت، قادری تخلص می کرد...... دیوان مختصر از و جمع شدہ''۔

خزینۃ الاصفیاء کے مصنف کا بیان ہے کہ دارا شکوہ کے دیوان کا نام اکسیر اعظم تھا اور وہ اس کی شاعری کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

> ''سخنش دریاے توحید است کہ از زبانِ گوہر افشان اور وان گشتہ ویا خورشید وحدانیت است کہ از افق بسان مطلع

[1] سکینۃ الاولیاء ص ۱۴۴

Marfat.com

انوارش طلوع شده مغزی باید که سخنش رابفهمد و دمی باید که
معافی آن دروی امکان پزیرد "(خزینته الاصفیاء ۱۷۵ جلد اول)۔

دارا کا دیوان نایاب تھا، مگر ابھی حال ہی میں خان بہادر ظفر الحسن صاحب (محکمہ آثار قدیمہ) کو اوس کے ایک دیوان کا نسخہ ملا ہے۔ موصوف نے بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک ماہانہ جلسہ (جولائی ۳۹ء) کے مضمون میں یہ بتایا ہے کہ اس دیوان میں دارا کی ۱۴۳ غزلیں اور ۲۸ رباعیات ہیں اور یہ نسخہ دارا کی زندگی ہی میں لکھا گیا تھا، اب تک اس دیوان کی طباعت نہ ہوسکی ہے لیکن شاید علی گڑھ کی مجلسِ تاریخ کی طرف سے بہت جلد شائع ہونے والا ہے، مختلف تذکروں میں ہم کو دارا کے جو جستہ جستہ اشعار ملے ہیں۔ ان کو ناظرین کی دلچسپی کے لیے ذیل میں درج کرتے ہیں، اس سے دارا کے ذوقِ شعری کا اندازہ ہوگا۔

تذکرہ سرخوش:

ہر خم و پیچی کہ شد از تاب زلفِ یار شد
دام شد زنجیر شد تسبیح شد زنار شد۔

خاطر نقاش در تصویر حسنش جمع بود۔
چون بزلفِ او رسید آخر پریشانی کشید

بشکست دلِ ابلہ از گردش پایم
درکار من اینہم گرہی بود کہ واشد

بقدر مال باشد سر گرانی
زورن زر فزاید بار دستار

بخیہ برفرقۂ فنا کیشان
موج آب حیات را ماند

ہمہ چیز تو خوب لیک این بد
کہ تو بسیار دیر می آئی

تا دوست رسیدیم چواز خویش گزشتیم
از خویش گذشتن چه مبارک سفری بود

مخزن الغرائب: رباعی

معروف شدم تا که بعرفان گشتم
عارف شدم وز خویش عریان گشتم
پیدا کردی مرا و لیکن من ہم
پیدا کردم ترا و قربان گشتم

دیگر

عارف دل و جانِ تو مزین سازد
خاریکه بود پاش گلشن سازد
کامل ہمه را زنقص بیرون آرد
یك شمع ہزار شمع روشن سازد

حسنات العارفین میں داراشکوہ نے شطحیات کی تائید حمایت میں بہ کثرت اشعار نظمیں اور رباعیات لکھی ہیں، ان میں جو اشعار اور رباعیاں اوس نے اپنی طرف منسوب کی ہیں۔ ان کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں مثلاً وہ اس مضمون کو کہ ذاکر مذکور سے غافل ہوسکتا ہے، مگر اوس کا غافل ہونا عوام کے غافل ہونے سے مختلف ہے، یوں ادا کرتا ہے۔

خوش گرچه بیاد خود نشستن ہمه وقت
این قید چه لازم ست برسن ہمه وقت
غافل شدنِ خلق زحق از حق ست
خود راتعب است یاد کردن ہمه وقت

یا توحید کی حقیقت خود توحید کو فراموش کرنا ہے۔

توحید خموشی ست و فکر است مدام
بحثِ آمد و شد زدستِ توحید تمام
یك گفتن توبه بین قوی ثابت کرد
توحید رود ز نقط چون گیری نام

ابوعبداللہ خفیفؒ سے پوچھا گیا کہ تصوف کیا ہے تو فرمایا

"غفلت راهم وجود الله دانستن"

دارا نے اس نکتہ کو اس طرح ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔

ہر چند که خلق زا گرفته کوبی
غفلت شده است برهمه مستولی

Marfat.com

مشغول بحق ست بفہمد یا نہ ہر کس کہ بہر چیز کند مشغولی

جو شخص خدا کے ساتھ مشغول ہے، اوس کے لیے ایمان کا سوال باقی نہیں رہتا۔

کافر گفتی تو از پے آزارم این حرف ترا راست ہمی پندارم
پستی و بلندی ہمہ شد ہموارم من مذہب ہفتادہ و ملت دارم

منصور نے صرف اپنے میں خدا کو دیکھا لیکن عارف ہر چیز میں خدا دیکھتا ہے۔

عارف بخود اطلاق خدائی نکند از ذات لطیفِ خود جدائی نکند
گر بندہ کسے بود خدا او باشد چون جملہ خدا ست خود نمائی نکند

توحید علم سے حاصل نہیں ہوتی ہے، کہنا اور ہے اور ہوتا کچھ اور ہے۔

خواہی کہ شوی داخلِ اربابِ نظر از قال بحال بایدت کرد گذار
از گفتن توحید موحد نشوی شیرین نشود دہان زنامِ شکر

عارف کسی کی پیروی نہیں کرتے ہیں۔

ہر دم برسد بعارفان ذوقِ جدید خود مجتہدانند نے ز اہل تقلید
شیران نخورند جز شکارِ خودرا روباہ خورد فتادہ لحمِ قدید

دنیا کی تمام چیزوں کو معرفت حاصل ہے لیکن یہ راز صرف عارف کو معلوم ہوتا ہے۔

توحید شناخت ہر کرا حالی نیست در راہ طلب ہمت او عالی نیست
خوش آنکہ میانِ خویش حق را بشناخت اودرہمہ جاست ہیچ جا خالی نیست

عرفان اپنے کو پہچاننے نہ کہ اپنے کو فنا کردینے میں ہے۔

کے کار تو در شمار حق حق می آید قلبے تو در اعتبار حق می آید
باید کہ تو عین خویش دانی حق را فانی شدنت چہ کار حق می آید

بر عارف اطلاق مردن جایز نبود چہ جان بجانان پیوست
آب آب شد و خاک خاک و ہوا ہوا و آتش آتش۔

بیرون و درون کوزہ پر بود ہوا پیچید درون کوزہ آواز و صدا

Marfat.com

کوزہ بشکست و گشت آواز آواز | بشکست حباب و گشت عین دریا

خدا کا نام لے کر ذکر کرنا غفلت کا باعث ہے۔

ہستی وجود خویشتن کردم رد | گردید مساویم ہمہ نیک وبد
اکنون نتوان نام خود و نامش برد | گر نام بگیرم زمن اومی رنجد

فقیر اور عارف کا کوئی نام نہیں ہوتا۔

یک ذرہ ندیدیم ز خورشید سوا | ہر قطرہ آب ہست عین دریا
حق را بچہ نام کس نتواند خواندن | ہر نام کہ ہست ہست از اسماء خدا

دارا شاہ دلربا کو ایک رقعہ میں لکھتا ہے کہ اس کے دل سے اسلام مجازی محو ہو گیا اور اب کفر حقیقی کا جلوہ نظر آتا ہے اور اس کفر حقیقی کی قدر معلوم کرنے کے بعد وہ زنار پوش، بت پرست بلکہ خود پرست اور دیر نشین ہو گیا ہے اور اس کے لیے کسی چیز کے اقرار و انکار کا سوال باقی نہیں رہا ہے۔

مسلمان گر بدانستے کہ بت چیست | بدانستے کہ دین در بت پرستی است
اگر کافر ز اسلام مجازی گشت بیزار | کرا کفر حقیقی شد پدیدار
درون ہر بتے جا نیست پنہان | بزیر کفر ایمانیست پنہان
بترسا زادہ دادم دل بیک بار | مجرد گشتم از اقرار و انکار[1]

دارا شکوہ نہ صرف شاعر تھا، بلکہ شاعروں کا سرپرست اور مربی بھی تھا۔ میر رضی دانش مشہد سے ہندوستان آیا، تو دارا ہی کے دامنِ دولت سے وابستہ ہو کر درجہ عروج پر پہنچا۔ مراۃ الخیال کا مؤلف میر رضی دانش کے ذکر میں لکھتا ہے۔

"از تربیت کردہائے شاہ بلند اقبال سلطان دارا شکوہ است و بدست یاری استعداد و پایمردی طالع بمحفل ہمایونش راہ دانست"۔

---

[1] رقعات عالمگیر مرتبہ پروفیسر سید نجیب اشرف ندوی ص ۳۲۳

رضی دانش کے متعلق مخزن الغرائب میں ہے۔

''شاہزادہ دارا شکوہ ...... ویرا تربیت کلی فرمودہ از باعث قدر دانی شہزادہ نہایت عزت و شہرت ہند یافت''۔

مراۃ الخیال کے مؤلف کا بیان ہے کہ رضی دانش کی مندرجہ ذیل غزل پر دارا نے ایک لاکھ روپے بطور انعام دیئے [۱]

موسم آن شد که ابر تر چمن پرور شود ‌ ‌ نکہت گل مایہ شورِ جنون در سر شود

تاک را سیراب ساز اے ابرنیسان در بہار ‌ ‌ قطره تا مے میتوا ند شد چرا گوہر شود

نالہ بلبل نہان در پردہ برگ گل است ‌ ‌ بیدماغم کاش ازین یك پردہ نازك تر شود

مابذوق گریۂ ہستی درین بزم آمدیم ‌ ‌ می بده ساقی بقدر آنکہ چشمم تر شود

راز پوشیدن نیا ید دانش از بے تاب عشق ‌ ‌ درمیان انجمن پروانہ خاکستر شود

مراۃ الخیال میں ہے کہ دارا کو مطلع بہت پسند آیا، لیکن سرخوش رقم طراز ہے کہ اس کو دوسرا شعر مرغوب ہوا، چناں چہ اس شعر کو مصرعِ طرح بنا کر شعراء کو غزلیں لکھنے کی فرمایش کی، اوس نے بھی اس پر ایک غزل کہی، جس کا ایک شعر یہ ہے۔

سلطنت سہل است خود را آشنائی فقر کن
قطره تا دریا تواند شد چرا گوہر شود [۲]

داراشکوہ اپنے میر منشی چندر بھان برہمن کی نثر و نظم کی سادگی کا بھی دل دادہ تھا اور یہ مراۃ الخیال کے مؤلف کے لیے باعث تعجب ہے، چناں چہ وہ لکھتا ہے۔

''عجب کہ شاہزادہ بآن ہمہ مستعدان کہ در عرصہ روزگار برنگ آمیزی الفاظ آبدار صفحہ خاطر اربابِ دانش را چون شفقہاے موسمِ بہار بہزار رنگ متلون می ساختند خاطر مبارك بسخن سادہ اش فرود آورده بود، این معنی خالی از دو چیز نبوده باشد، یا مذاق شاہزادہ بہمان طرز

۱ مراۃ الخیال، کلکتہ ایڈیشن ص ۲۵۸ ۲ سرخوش مخفوظ بنگال ایشیاٹک

Marfat.com

آشنائی داشت ، یا اوبز ور طالع بدین پایہ رسید"۔

داراشکوہ کو برہمن کا یہ شعر بہت پسند تھا۔

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندین بار بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

داراشکوہ نے برہمن سے شاہجہاں کے سامنے بھی یہ شعر پڑھایا، شاہجہاں سن کر برافروختہ ہوا لیکن افضل خان نے اس کا غصہ سعدی کا یہ شعر پڑھ کر ٹھنڈا کیا۔

خرِ عیسیٰ گرش بمکہ برند چون بیاید ہنوز خرباشد [۱]

داراشکوہ فن خطاطی میں بھی یہ طولیٰ رکھتا تھا، یہ فن اسنے شاہجہانی عہد کے مشہور استاذ آقا عبدالرشید ویلمی سے سیکھا اور وہ اس کا بہت ہی محنتی اور لائق شاگرد تھا۔ تذکرہ خوشنویسان میں ہے۔

"دارا شکوہ پسر شاہجہاں بادشاہ ،شاگرد عبدالرشید آقاست باوجود اشغال امور شاہزادگی و دیگر علوم برویۂ آقا عبدالرشید شاید کسی مثل او نوشتہ باشد"۔[۲]

دارا کو نستعلیق اور نسخ دونوں میں کامل مہارت تھی ۔ پروفیسر محفوظ الحق نے اس کی خطاطی کے بہت سے نمونوں کا ذکر مجمع البحرین کے دیباچہ میں کیا ہے، مثلاً اوس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک کلام پاک عزیز باغ لائبریری حیدرآباد دکن میں ہے، اس کے حروف شروع سے آخر تک سنہرے ہیں، ایک مطلا پنجسورہ کا نسخہ بخط نسخ اور ایک "دہ پند ارسطو" کا نسخہ بخط نستعلیق وکٹوریہ میموریل ہال میں محفوظ ہے۔ آصفیہ لائبریری حیدرآباد میں دارا کے خط کی دو کتابیں ہیں، رسالۂ حکمت ارسطو اور شرح دیوان حافظ (فہرست کتب خانہ آصفیہ جلد اول ص ۷۳۹) ان کے علاوہ اس کی لکھی ہوئی وصلیان مختلف جگہوں میں پائی جاتی ہیں، بعض کتابوں پر اس کے دستخط اور مختصر تحریریں بھی ہیں، جو خطاطی کے نادر نمونے کہے جاسکتے ہیں۔

سپہر شکوہ:

خزینۃ الاصفیاء کے مصنف کا بیان ہے کہ داراشکوہ کے قتل کے بعد جب اس کا نو سالہ لڑکا

---

[۱] مراۃ الخیال، ص ۱۵اص ۲۱۴ سرخوش مخطوطہ [۲] تذکرہ خوشنویسان ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ص ۵۴

Marfat.com

اورنگ زیب عالمگیر کے سامنے پیش کیا گیا، تو عالمگیر نے اس بچہ کا حال پوچھا، بچے نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔

ہجر دارا بر دلِ من کمتر از یعقوب نیست

او پسر گم کردہ بودہ من پدر گم کردہ ام

عالمگیر یہ جواب پاکر رنجیدہ ہوا اور بولا بھیڑیئے کو مارنا اور اس کے بچہ کی پرورش کرنا عقل مندوں کا کام نہیں، چناں چہ اس بچہ کو مروا ڈالا[1]، خزینۃ الاصفیاء کے مصنف نے نو سالہ بچے کا نام نہیں لکھا ہے۔ مصنف موصوف کی مراد شاید سپہر شکوہ سے ہو، مگر یہ روایت صحیح نہیں، کیوں کہ عالمگیر نے اپنے سولہویں سال جلوس ۱۰۸۳ھ میں اپنی لڑکی نواب زیدۃ النساء بیگم کو شہزادہ سپہر شکوہ کے حبالہ عقد میں دیا[2]۔

شجاع و مراد:

شاہجہاں کے لڑکوں میں تخت و تاج کے لیے جو خونریز جنگ ہوئی، اس میں مورخین شجاع اور مراد کا عبرتناک انجام دکھانے میں اس قدر محو ہو گئے کہ ان دونوں کے علمی فضل و کمال کو بالکل نظرانداز کر دیا ہے، حالاں کہ شاہجہاں کے دولڑکے دارا اور اورنگ زیب جس تعلیم و تربیت کی بدولت آسمانِ علم پر مہر و ماہ بن کر چمکے۔ ظاہر ہے کہ اس سے شجاع اور مراد بھی ضرور فیضیاب ہوئے ہوں گے، مگر جس طرح وہ صفحہ ہستی سے مٹا دیئے گئے، اسی طرح ان کے علمی اوصاف بھی صفحہ تاریخ سے گم کر دیئے گئے، لیکن ان دونوں کی علمی قابلیت ان کے رقعات سے اور اون کی علمی نوازی کا حال ان کے درباری شعراء اور متوسلین سے معلوم ہو سکتا ہے۔ شجاع اور مراد کے رقعات مختلف کتابوں میں جستہ جستہ ملتے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اورنگ زب اور دارا کی طرح گو بلند پایہ ادیب اور انشاء پرداز تو نہ تھے، پھر بھی ان کی تحریروں میں اس زمانہ کے ذوق ادب کی پوری چاشنی ضرور ہے۔

شجاع اور مراد دونوں شعراء اور ارباب کمال کے قدردان اور سرپرست تھے، ملا محمود جونپوری شاہجہانی عہد کے بہت ہی ممتاز عالم تھے، فلسفہ میں ان کی تصنیف شمس بازغہ اور معانی و بیان

[1] خزینۃ الاصفیاء ص ۵، ا جلد اول [2] مآثر عالمگیری اردو ترجمہ ص ۸۳، دارالترجمہ حیدرآباد دکن

Marfat.com

میں فوائد فی شرح الفوائد اب تک بلند پایہ سمجھی جاتی ہے، ۱۰۶۲ھ میں جب ان کا انتقال ہوا، تو ان کے استاذ مولانا محمد افضل جونپوری پر اتنا اثر ہوا کہ شاگرد کی وفات کے بعد ان کے لبوں پر کسی نے مسکراہٹ نہیں دیکھی اور کل چالیس روز کے بعد وہ بھی شاگرد سے جا ملے[1] شجاع ملا محمود جونپوری کے فضل وکمال سے فیضیاب ہونا چاہتا تھا، اس لیے ان کو اپنے دربار آنے کی ان الفاظ میں دعوت دی، جس سے اس کے دل میں ان کی عزت واحترام کا اندازہ ہوتا ہے۔

"افادت و افاضت پناہ فضائل و کمالات دستگاہ ملا محمود بضایت بے غایت خسروانی ممتاز گشتہ بداند کہ چون بمیامن برکاتِ الٰہی خاطرِ فیض مآثر ماہمواره متوجہ آن ست کہ ارباب علم و حکمت و اصحابِ دین و ملت از ملتزمانِ محفل فیض منزل بوده، وقائق علمی و حکمیؒ را بموقفِ عرض می رسانیده باشندو آنچہ برضمیر الٰہام پذیر ما کہ آئینہ صورغیبی و گنجینۂ اسرار لاریبی است پر تو انداختہ باشد، بآن جماعت می فرموده باشیم تا کارہا بروفقِ احکام الٰہی و سنت نبوی بعمل می آمده باشد بنا بران ارزوے مہربانی یا دآن دانش آگاہ حقائق انتباہ نموده طلب فرموده ایم کہ بدرقۂ الطاف سلطانی طریقِ سعادت پیموده خود را بشرف حضور تمام فیض سراسر سعادت معزز گرداند بعد ازان کہ شرف اندوز ملازمت گردد و وچندے فیض ظاہر و باطن از حضورمعلّٰی برگیرواگر خواہد بوطن معاودت نماید، اورا مشمول عنایات و

[1] تذکرۃ العلماء ص ۲۲۱

مورد توجہات فرمودہ رخصت انصراف ارزانی خواہیم داد واگر خواہش بودن درین آستانِ سلطنت آشیان داشتہ باشد، بنوعے کہ باطمینان دل و ذوقِ خاطر گذراند، درباب او توجہ مبذول خواہم داشت، باید کہ بمجرد وصول این منشور کرامت و افضال بے توقف ودغدغہ روانہ عتبہ بوس گردو و در عہد شناسد"۔ ۱

فارسی سخن گویوں میں شیخ منعم لاہوری ۲ اور ہندی شعراء میں چنتامن ساکن کوڑہ جہاں آباد شجاع کے مقربین خاص میں تھے۔ چنتامن اپنے عہد کا بہت ہی مشہور سنسکرت کا عالم تھا، اس کی ہندی شاعری کا مجموعہ "کبت بچار" کے نام سے موسوم ہے، اس میں سلطان زین الدین محمد بن شاہ شجاع کی مدح میں بھی بہت سی کتابائین ہیں۔ ۳

شاہزادہ مراد کا سب سے محبوب شاعر سعید قریشی تھا، جو ملتان کا باشندہ تھا، جب مراد کو گجرات کی نظامت تفویض ہوئی، تو سعید قریشی بھی اس کے ساتھ گیا اور اپنی بذلہ سنجی، شیریں بیانی اور شعر گوئی کی بدولت مراد کی نگاہوں میں اتنا چڑھا کہ دربار کے تمام امراء اس پر فریفتہ ہوگئے۔ مراۃ الخیال کا مصنف اس کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہے۔

"بیان بزرگی صوری و شرح حالتِ معنوی و ذکر وسعت مشرب و اظہار محاسن شیم و ابراز مکارم اخلاق وادے کشادگی پیشانی و تقریر بے تعینی دقت و تحریر استعداد سخنش زبان قلم و قلم زبان برنتا بد"۔

اوائل ملازمت میں ایک روز سعید قریشی مراد کے دربار میں پہونچا، تو داروغہ غسلخانہ نے جو "یکے از چیلہ ہابود" اندر آنے کی اجازت نہ دی۔ سعید قریشی نے فوراً یہ رباعی لکھ کر مراد کے پاس بھیجی۔

---

۱ رقعاتِ عالمگیر مرتبہ سید نجیب اشرف ندوی ص ۳۴۲ ۲ ان کی شاعری کے نمونے کے لیے دیکھو مخزن الغرائب قلمی نسخہ ص ۸۰۴ دارالمصنفین اعظم گڑھ ۳ مآثر الکرام جلد دوم ص ۳۶۶

Marfat.com

ای شہ جنابت چو جناب اللہ است   ہر حکم تو چون حکم کتاب اللہ است

این چلیہ و یو فعل متاعِ درت   ابلیس صفت مانع باب اللہ است

مراد رباعی پڑھ کر بہت محظوظ ہوا اور سعید قریشی کو زنان خانے کے علاوہ ہر جگہ آنے جانے کی اجازت دے دی۔

ایک بار عید الضحیٰ کے موقع پر مراد اپنے ہاتھوں سے بکرا ذبح کر رہا تھا، بکرے کی آنکھوں پر پٹی بندھی تھی، مراد نے بکرے کی آنکھ دیکھی، پھر اس کی نظر سعید قریشی کی طرف اٹھی، سعید قریشی نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا۔

عید قرما نسبت دمی خواہم کہ قربانت شوم

ہمچو چشمِ گوسند کشتہ حیرانت شوم

ایک مرتبہ عید الفطر کے موقع پر مراد کی سواری عید گاہ جا رہی تھی۔ سعید قریشی مجراء کے لیے حاضر ہوا، مراد نے اس سے دریافت کیا کہ عید الفطر کی تہنیت میں اس نے کچھ کہا ہے یا نہیں، اتفاق سے سعید قریشی نے کچھ نہ کہا تھا ۔ یہ پوچھنے کے بعد مراد نماز پڑھ چکا، تو سعید نے غزل پیش کی، مراد شراب کا بڑا دلدادہ تھا۔ اس غزل میں اس کی خاص رعایت رکھی ہے۔

روز عید ست لبِ خشک بے آلود کنید   چارۂ کار خود ای تشنہ لبان زود کنید

دیر گاہیست کہ از دیر مغان دور تریم   زود باشید بکف جام زرا ندو و کنید

شربت حب نبات لبِ جان بخشِ ایاز   نوش داروی دل خستہ محمود کنید

حرف بے صرفہ واعظ نتوان کرد بگوش   گوش برزمرمہ چنگ ونے وعود کنید

ہست بہبود شما بندگی شاہ مراد   بہتر آنست، کہ اندیشہ بہبود کنید

شیوۂ صدق چو سرمایہ ہر سود بود   ہست امیہ کزین شیوہ بسے سود کنید

پدرش یافت رہ از طالع مسعود سعید

سعی دریا فتن جطالع مسعود کنید[1]

شاہزادہ مراد نہ صرف غزل سے محظوظ ہوا، بلکہ سعید قریشی کی اس بدیہہ گوئی پر بھی حیرت کا اظہار کیا۔

---

[1] مراۃ الخیال ص ۲۶۳

Marfat.com

مراد کی رندی اور اس کے دربار کی رنگینیوں کی خبر شاہجہاں کو پہونچی، تو اوس نے اپنے ایک ہوش مند اور زیرک امیر علی نقی کو مراد کی نگرانی کے لیے بھیجا۔ علی نقی سعید قریشی کو ناپسند کرتا تھا، اس لیے دونوں میں اتنا عناد بڑھا کر سعید قریشی کی جان کے لالے پڑ گئے، چناں چہ ایک رات مراد کو اطلاع کیے بغیر گجرات سے نکل بھاگا، مراد کو خبر ہوئی، تو اس کی جدائی گوارانہ کرسکا اور اس کو واپس بلانے کے لیے قاصد دوڑائے، لیکن سعید قریشی نے واپس آنے کے بجائے یہ غزل معذرت میں لکھ بھیجی۔[۱]

مشکل بود بکری تو دیگر نشست ما ۔۔۔ پیچیدہ است زلف تو بہر شکست ما
چون سبزہ دردہ تو بجز پا فتادگی ۔۔۔ اے سرد من بگولہ چہ آید ز دست ما
دردم کہ بارقیب تو خاطر نشان کند ۔۔۔ جز تیر بے خطا کہ برآمدز شست ما
دل بستہ در خیال میان جان بہ بند زلف ۔۔۔ سد سکندری شدہ این بندوبست ما

فارغ زوین و کفر شدہ بعد ازین سعید
ماو سر نیاز و بت خود پرست ما

سلطان محمد:

یہ اورنگ زیب عالمگیر کا سب سے بڑا لڑکا اور نواب بائی کے بطن سے تھا۔ اورنگ زیب ایک شفیق اور دور اندیش باپ کی طرح اپنے لڑکوں کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کے لیے ہمیشہ کوشاں رہا، تاکہ اس کے بعد اس کی وسیع اور عظیم الشان سلطنت کا جانشیں لائق اور ہوش مند شخص ہو، مگر اس کی یہ کوشش بارآور نہیں ہوئی۔ سلطان محمد کو مختلف رقعات میں سفر و حضر کی حالت میں سونے جاگنے، نہانے دھونے، کھانے اور پینے، نماز اور وظائف میں مشغول ہونے، لکھنے پڑھنے اور شکار کھیلنے، دربار منعقد کرنے یہاں تک کہ اٹھنے بیٹھنے، امراء سے ملنے جلنے اور فوجوں کے معائنہ کرنے وغیرہ کا لائحہ عمل لکھتا رہتا تھا، اس میں خاص اوقات میں کلام پاک کی تلاوت اور عربی زبان کے مطالعہ کی بھی تاکید ہے، مگر سلطان محمد کو تعلیم سے زیادہ شکار سے دل چسپی تھی، اس لیے اورنگ زیب کبیدہ خاطر ہو کر اس کو لکھتا ہے۔

"ما ازین کہ ایشان را پیش از وقت در خدمت، خود
بشکار بردہ وایم تاسف داریم، چہ آن بلند اقبال تالذت

---

۱ مراۃ الخیال ص ۲۶۳

Marfat.com

شکار یافته اند، از اکتسابِ کمالات از خواندن و نوشتن و سا نند آن دست باز داشته ، چندان رغبتے باین امور ندارند ایشان راچون خواہم گذاشت که بدین شغل از کسب کمال باز مانند"۔

سلطان محمد کو اورنگ زیب کی خاص ہدایت تھی کہ وہ ترکی زبان سیکھ کر اس میں بول چال کی مہارت پیدا کرے، کیوں کہ مغل فوج میں ترکی النسل سپاہی اور افسروں کی تعداد کافی ہوتی تھی ۔ اس لیے ان سے براہ راست تعلق رکھنے کے لیے ترکی زبان کا سیکھنا تیموری شاہزادوں کے لیے ضروری تھا، مگر سلطان محمد کو اس زبان سے رغبت نہ تھی، چناں چہ جب وہ شمالی ہند کی ایک مہم پر روانہ ہوا، تو ترکی کے استاد کو ساتھ نہ لے گیا۔ اورنگ زیب کو یہ ناگوار ہوا، اس نے غصہ کی حالت میں ایک خط لکھا کہ استاد کو اپنے پاس بلا کر ترکی میں گفتگو کرنے کی مشق جاری رکھے۔ سلطان محمد نے اپنے استاد کی پیری اور ناتوانی کا عذر پیش کر کے اغماض کرنے کی کوشش کی، مگر اورنگ زیب نے قبول نہ کیا اور دوبارہ ایک غضب آلود رقعہ لکھا۔

"پیری و ناتوانی اور عذرنمی شود داگر ہاشد ، عذر بے فراست ، آن جوان بخت در حضر نیز اور امعدوم انگاشته درین یکسال که او نو کراست و مبلغہا دروجه سوا جب از سرکار نامدار یافته اصلاالتفاتے بخواندن ترکی نداشتند وجه بجہت عالی از تعین معلمان کسب کمالات ایشان است والا این ہمه ممنونیتِ آن مردم چرابا لیستے کشید؟ ہر گاه آن وال گہر قدر این عواطف ندافته و فرصت رامتنم نداشته در تحصیل اموری که سببِ آراستگی و کمالِ نفس انسانیت وابنای سلاطین راپیرایه خوشتر ازان نیست رغبت نه

Marfat.com

نمایند ، مارا چه زیان ، الحال که به جوش آمده اندونیك
را از بدسی شناسند ، درآنچه بهبود ایشان باشد خود
کوتاہی نخواہند نمود"۔

اورنگ زیب سلطان محمد کو فارسی تحریر وتقریر کی مہارت اور پاکیزگی کی بھی برابر ہدایت کرتا رہتا تھا اور اس لیے خاص خاص کتابوں خصوصاً اکبر نامہ کے مطالعہ کی تاکید کرتا تھا ۔ایک رقعہ میں ہے۔

"اگر در نوشتنِ احتیاط نرود و عبارت مطابق آداب و
قاعدہ نباشدجاے انفعال است دراوقاتِ فرصت بمطالعۂ
کتب نیز علی الخصوص اکبر نامه پرواخته از مشق
انشاء غافل نه گروند وہمگی جہد مصرف آن سازند
که تقریر و تحریر پاکیزہ و پسندیدہ شود ، تامعانی الفاظ
و ربط مناسب آن بواقعی خاطر نشان نه گرود ، در گفتن
و نوشتن بکار نبر ندوہرچه بگویند ونیویند باید که
فہمیدہ و سنجیدہ باشد"۔

چناں چہ سلطان محمد نے اکبر نامہ کا مطالعہ شروع کیا اور جب اورنگ زیب کو خط لکھا ، تو اکبر نامہ کے مصنف کی تقلید میں بسم اللہ کے بجائے "اللہ اکبر" اور "جل جلالہ" تحریر کیا۔ اورنگ زیب کو یہ ناگوار ہوا، تو اس نے تنبیہ کی۔

"مقصود از خواندنِ اکبر نامۂ شیخ ابو الفضل تتبع
عبارتِ آن کتاب است نه اتباع مذہبِ مصنف که
ازروے بدعت اسلوب مسنون را تغیر دادہ......"

سلطان محمد نے اکبر نامہ کی تقلید میں اپنے عریضہ کو "نشان والا" اور مہر کو "مہر خاص" لکھا تھا۔ اورنگ زیب نے اس پر بھی فہمایش کی کہ یہ الفاظ شاہی رقعہ اور مہر کے لیے خاص ہونے چاہیں ۔ایک

Marfat.com

بار سلطان محمد نے اورنگ زیب کو لاپروائی میں خراب کاغذ پر برے مسطر میں رقعہ لکھدیا، اورنگ زیب نے اس کو ڈانٹ کر لکھا۔

''ہرچہ بنویسند دست نگاہ داشتہ بر کاغذے لائق می نوشتہ باشند بے پروائی حسنِ خط رابرہم نزنند''۔[1]

مگر افسوس ہے کہ اورنگ زیب کی یہ ساری تربیت رائگان گئی اور سلطان محمد عنفوان شباب ہی میں دنیا سے چل بسا۔

اکبر و کام بخش:

شاہزادہ اکبر ملکہ دلرس بانو کے بطن سے تھا۔ ۱۶۸۰ء میں راجپوتوں کے خلاف جنگ میں مشغول تھا کہ ان کے ورغلانے پر باپ سے منحرف ہو کر باغی ہو گیا اور جب اس کی بغاوت ناکام رہی، تو وہ ہندوستان سے بھاگ کر ایران چلا گیا اور وہاں ۴۸ء جلوس عالمگیری میں فوت ہوا۔ عالمگیر اس کی دو باتوں کا مداح تھا، ایک یہ کہ اس نے نماز باجماعت کبھی قضا نہیں کی، دوسرے مذہب کا اتنا دلدادہ تھا کہ مذہبی جوش میں مخالفین ملت سے کبھی خوفزدہ نہیں ہوا۔[2]

کام بخش اودے پوری کے بطن سے تھا۔ عالمگیر کے ۲۰ ویں سالِ جلوس میں حفظ کلام اللہ کی سعادت حاصل کی۔ عالمگیر نے اس خوشی میں اس کو خلعت دو اسپ باساز طلاء و سرپیچ مرصع و مالاے مروارید و سپر باگل مرصع و ترکش باکمان عطا کیے[3]۔ مآثر عالمگیری کے مصنف کا بیان ہے کہ تحصیلِ علوم میں اپنے تمام بھائیوں پر سبقت لے گیا تھا، اُس کو ترکی زبان میں خاص مہارت حاصل تھی اور مختلف اقسام کے خطوط کی کتابت میں استاذ زمانہ تھا۔[4]

اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت کی تاریخ جنگ و جدل اور انتشار و اختلال کی ایک داستان ہے۔ مورخین ان خون آشام واقعات کو قلم بند کرنے میں ایسے محو ہو گئے ہیں کہ ان کی ساری توجہ بادشاہ وقت اور امراء کی سیاست اور ریشہ دوانیوں میں الجھ کر رہ گئی ہے اس لیے

۱۔ رقعاتِ عالمگیر ص ۲۷۸ ۲۔ مآثر عالمگیری دارالترجمہ عثمانیہ ص ۳۹۳

۳۔ ایضاً ص ۱۰۸ ۴۔ ایضاً ص ۳۹۴

Marfat.com

شاہزادوں کے علمی حالات پر تاریکی کے پردے پڑ گئے ہیں، حالانکہ اورنگ زیب کے پوتے شہزادہ عظیم الشان کے بارے میں عام طور سے مشہور ہے کہ جب اوس نے اشوک کے دارالسلطنت پاٹلی پتر اور شہر پٹنہ کو عظیم آباد کے نام سے مستقر حکومت بنایا، تو اس عہد میں عظیم آباد شاہجہاں آباد ہی کی طرح سیاسی اور علمی حیثیت سے نمایاں ہو گیا تھا، مگر اس زمانہ کی علمی مجلسوں کے غلغلے مستند متداول تاریخوں میں بلند نہیں ہوئے، اس لیے شہزادہ عظیم الشان کے علمی کارناموں پر اعتبار و وثوق کے ساتھ روشنی نہیں ڈالی جا سکتی۔

آخری شاہان تیموریہ سے اکبری جاہ و جلال شاہجہانی سطوت و شہامت اور عالمگیری تدبر و ہوش مندی رخصت ہو چکی تھی، اسی کے ساتھ وہ اپنی زبان بھی کھو بیٹھے تھے۔ محمد شاہ کے زمانہ سے دربار میں عام چرچا اردو زبان ہی کا رہنے لگا اور زمانہ کے عام مذاق کے مطابق دربار کے شہزادے اسی زبان میں غزل گوئی کی مشق کرنے لگے، غزل گو شہزادوں کی تعداد بہت ہے، لیکن ہم مثال کے طور پر صرف دو چار ایسے شہزادوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، جن کی سخن گوئی علم نوازی کا حال بعض مستند تذکرہ نویسوں نے بھی لکھا ہے، لیکن ان شہزادوں کے علمی ذوق پر روشنی ڈالنے سے پہلے ایک ایسے باکمال شہزادہ کا ذکر ضروری ہے، جو اگرچہ تخت و تاج کے وارثوں میں تو نہ تھا، لیکن علمی حیثیت سے تیموری خاندان کا نہایت ممتاز شہزادہ تھا۔

مرزا علی بخت بہادر محمد ظہیر الدین اظفری گورگانی:

یہ مرزا علی بخت بہادر محمد ظہیر الدین اظفری گورگانی ہے۔ یہ شاہ عالم بادشاہ کا ہم جد اور اورنگ زیب عالمگیر کی پوتی نواب عفت آراء بیگم کا نواسہ تھا۔ ۱۱۷۲ھ میں قلعہ معلّٰی دہلی میں پیدا ہوا اور وہیں تعلیم و تربیت پائی۔ یہ وہ زمانہ تھا، جب مغلیہ سلطنت کا چراغ ٹمٹمارہا تھا، بادشاہ وقت اور شہزادے محض ایک غیر اسلامی حکومت کے وظیفہ خوار اور نظر بند تھے۔ اظفری بھی قلعہ معلّٰی دہلی میں ایک قیدی کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہا تھا، مگر کچھ عرصہ کے بعد خفیہ طور سے وہاں سے فرار ہو گیا اور جے پور، جودھپور وغیرہ ہوتے ہوئے لکھنو پہنچا، نواب آصف الدولہ نے اس کی بڑی پذیرائی کی۔ اظفری لکھنو میں سات سال تک رہا۔ وہاں سے مدراس پہونچا اور یہیں ۱۲۳۴ھ میں سپرد خاک ہوا۔

Marfat.com

اظفری کو عربی فارسی اردو اور ترکی چاروں زبانوں میں مہارت تھی، آخر عمر میں مدراس پہنچ کر انگریزی بھی سیکھ لی تھی، مختلف علوم و فنون مثلاً طب، رمل، عروض، قافیہ اور خصوصاً فن شاعری میں دسترس رکھتا تھا۔ فارسی اردو اور ترکی میں صاحب دیوان بھی تھا، مگر افسوس ہے کہ اس کا فارسی اور ترکی دیوان مفقود ہے، اس کا اردو دیوان مدراس یونیورسٹی کی طرف سے شائع ہونے والا ہے، یہ سطور لکھتے وقت اس کی ایک تالیف ''واقعاتِ اظفری'' پیشِ نظر ہے، جس کا اردو ترجمہ مدراس یونیورسٹی نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب میں اظفری نے اپنے سفر کے علاوہ قلعہ معلّٰی کے بہت سے حالات لکھے ہیں، اس لیے یہ کتاب تاریخی اور جغرافیائی حیثیت سے بھی اہم ہے، اس میں شاہ عالم کے زمانہ کے بہت سے ایسے حالات درج ہیں، جو عام سیاسی تاریخوں میں نہیں ملتے۔ نظر بند شہزادوں کے عادات و اطوار، رسم و رواج، جادو منتر اور عملیات کے متعلق بھی بہت سے معلومات ہیں، پھر قلعہ سے فرار ہونے کے بعد اظفری نے جن جن مقامات کی سیر کی، وہاں کی عجیب چیزوں رسم و رواج اور معتقدات کا بھی ذکر کیا ہے۔ آخر میں اپنی مختلف تالیفات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

> ''اپنے قیام لکھنؤ کے زمانہ میں میں نے کامل ایک سال کے اندر ایک ترکی چغتائی لغت کی کتاب تالیف کی، جس میں قدیم مؤلفین کے طرز کے خلاف تفصیل کے ساتھ بہت آسان طریقے پر نئے نئے فوائد لکھے ہیں۔
>
> ایک مہینہ میں نسخہ ''محبوب القلوب'' کا مقفّٰی نثر میں فارسی زبان میں ترجمہ اور کچھ اس پر اضافہ کیا ہے، اَصل کتاب میر نظام الدین علی شیر متخلص بہ نوائی کی تصنیف ترکی زبان میں ہے۔''

ایک ہفتہ میں ''نصاب ترکی'' صنعت مقلوبات میں مرتب کی، جس میں دو سو بیس شعر ہیں''
تین روز میں امیر خسرو کی ''خالق باری'' کے جواب میں اسی وزن پر ایک مختصر رسالہ ترکی اور ہندی زبان میں مرتب کیا، اس میں ساڑھے چھ سو شعر ہیں اور اس کا نام میں نے ''تنکری تاری'' رکھا ہے۔

حکیم حسین رضا خان کی استدعا پر جو ہماری سرکار کے ملازم ہیں۔ چند ہفتوں کے اندر بقراط کے ''رسالہ قبریہ'' کا فارسی میں ترجمہ کیا، پھر اسے نظم کا لباس پہنایا۔ یہ رسالہ عربی زبان میں

Marfat.com

مریضوں کی ردی علامتوں کے بیان میں ہے۔

اس کے بعد ''نسخہ سانحات'' کی تالیف میں مشغول ہوا، جس میں میری اکثر نصیحتیں اور تنبیہیں مذکور ہیں۔ اب تک اس میں ایک سونو سانحے درج ہو چکے ہیں۔

جس وقت میں عظیم آباد پہونچا، تو رائے ٹیکا رام کی خواہش پر سات دن کے اندر ایک اور کتاب ''نصاب ترکی چغتائی'' تصنیف کی، جس میں چار سو باون اشعار ہیں، رائے ٹیکا رام ہمارا موروثی خانہ زاد ہماری سرکار کا بخشی ...... ہے۔

جب میں مقصود آباد میں وارد ہوا تو ...... مرزا جان تپش کی خواہش پر اپنے واقعات کی تالیف شروع کی (واقعات اظفری مراد ہے)

مرزا جہاندار شاہ:

شاہ عالم کے جن لڑکوں نے باپ سے شعر و شاعری کا ذوق ورثہ میں پایا۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:

مرزا جہاندار شاہ، مرزا احسن بخت، مرزا سلیمان شکوہ، مرزا فرخندہ بخت جہاں شاہ، شاہ عالم نے مرزا جہاندار شاہ کو ولی عہد بنایا تھا مگر اس نے عالم شباب میں سفر آخرت کیا، واقعات اظفری، طبقات الشعراء، مجموعہ نغز، مذکرۂ ہندی اور گلزار ابراہیم اور گلشنِ بے خار میں اس شاہزادہ کا ذکر شاعروں کی فہرست میں اچھے الفاظ میں کیا گیا ہے۔ واقعاتِ اظفری کے مصنف کا بیان ہے کہ شاہزادہ جہاندار شاہ بہت بذلہ سنج، ظریف اور شوخ طبع تھا، اوس کے اردو اشعار میں بڑی شوخی ہوتی تھی، وہ موسیقی سے بھی ذوق رکھتا تھا، فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں جہاندار تخلص کرتا تھا۔

طبقات الشعراء مؤلفہ قدرت اللہ شوق سنبھلی میں ہے۔

''جوانی بود مجمع قابلیت و اہلیت ...... جدت ذہن وجودت طبع و فہم رسا و فکر بجا داشت و اشعار

فارسی و ہندی ہر دو را موزوں می ساخت"

قدرت اللہ قاسم نے اس کو "شیرین گفتار" لکھا ہے ۔گلزار ابراہیم کے مصنف نے اس کے جود وسخا کے بیان میں بڑی تر زبانی دکھائی ہے، یہ شاہزادہ ۱۱۹۸ھ میں دہلی سے لکھنو آیا اور یہاں آ کر اوس نے جو علمی بزم سجائی اس کا حال گلزار ابراہیم میں اس طرح ہے۔

"اس شاہزادہ عالی تبار کی طبیعت شعر کی طرف اس قدر آئی تھی کہ مہینے میں دو مرتبہ بنا مشاعرے کی اپنے دولت خانہ میں ٹھہرائی تھی ۔شعرائے باوقار کو اپنے چوب دار بھیج کر مشاعرے کے دن بلواتے اور ہر ایک شخص سے نہایت الطاف اور عنایت کے ساتھ گرم جوشی فرماتے، چناں چہ راقم حقیر کو جب یاد فرمایا تو اس ہیچمدان نے یہ عذر کہہ بھجوایا کہ کمترین نے مشاعر کا جانا مدت سے موقوف کیا ہے، از بس کہ ان صحبتوں میں مناظرہ ہی کو یارانِ عالی حوصلہ نے رواج دیا ہے، اگر ارشاد ہو تو سوائے مشاعرے کے ایک دن بندگی میں حاضر ہوں اور اس تخم ناکشتنی بے مغز کو موافق ارشاد کے زمین عرض میں بوؤں پزیرانہ ہوا اور پھر چوبدار آیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ تیرا حاضر ہونا مشاعرے میں نہایت ضرور ہے، مناظرہ کا مطلق ہمارے یہاں نہیں دستور ہے غرض ایما سے نواب آصف الدولہ مرحوم کے حاضر ہوا اور شرف سعادت ملامت کا حاصل کیا ۔مکرر غزلیں اس دن از راہ تفضلات کے پڑھوائیں اور ہر شعر پر کیا کہوں کہ کیا کیا عنایتیں فرمائیں پھر اپنی طبع زاد سے بہت کچھ ارشاد فرمایا اور سامعین کو مورد عنایت و امداد فرمایا"[1]

اس شہزادہ کا انتقال ۱۲۰۱ھ میں بمقام بنارس ہوا ۔مختلف تذکروں میں اس کے اشعار منقول ہیں ۔نمونہ کے طور پر ہم یہاں اس کے کچھ اشعار درج کرتے ہیں۔

---

[1] گلزار ابراہیم، انجمن ترقی اردو ص ۹۰ گلشن بے خار میں اس شہزادہ کے متعلق یہ الفاظ ہیں
" بفہم و فراست و عقل و کیاست ممتاز اقران و امثال خود بوده "

Marfat.com

واقعاتِ اظفری:

تیری جب سے الفت کے پالے پڑے
ہمیں اپنے جینے کے لالے پڑے
پھرے ڈھونڈتے پا برہنہ تجھے
یہاں تک کہ پاؤں میں چھالے پڑے

فارسی کلام:

فتاد مشکل دیگرز عشق جان مرا
کہ کس نمی شنود شرح داستان مرا
فزو دہ ایم غرورت زعرض بیتابی
باین گناہ بر آرد کسے زبان مرا
دلم زسینہ بر آرید و پیش اوبرید
زنام ما برسانید این بیان مرا

طبقات الشعراء:

زلف آمیختہ جو یہ رخ پہ صنم رکھتے ہیں
روز اور شب کو باغماز بہم رکھتے ہیں
میرا دل فگار بھی کچھ گل سے کم نہیں
منظور ہو جو گوشہ دستار کے لیے
جز جیب وآستین نہیں مونس جہاں میں کوئی
دیکھا تو اپنے دیدۂ خونبار کے لیے
اس زلف عقدہ گیر کا یکتار راے صنم
بس تھے جہاں کے سبحہ و زنار کے لیے

گلزار ابراہیم

نہ پوچھو دہر میں کیا کر چلے ہم
اسی ہی آرزو میں مرچلے ہم
رہے اک شب جو اس ماتم کدے میں
بسان شمع رو رو کر چلے ہم

تذکرہ ہندی:

کونسی بات تری ہم سے اٹھائی نہ گئی
پر جفا جو یہ تری نت کی لڑائی نہ گئی
قصد ہر چند کیا سیکھنے کا بلبل نے
وضع نالہ کی مرے اس سے اڑائی نہ گئی
بیمارِ عشق اب تک جانبر بھی کوئی ہوا ہے
تو اے طبیب ناحق میری دوا کرے ہے
پچھتائے گا تو اک دن سنتا ہے اے جہاندار
دیتا تو ہے دل اس کو لیکن برا کرے ہے
کون میکش اے جہاندار آج گزرا باغ میں
ہاتھ میں ہر شاخ گل کی مے کا پیالہ دیکھنا

Marfat.com

مرزا احسن بخت:

قدرت اللہ شوق سنبھلی نے اپنے تذکرہ طبقات الشعراء میں شہزادہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

"ازراہ قابلیتِ ذاتی برائے تفنن طبع گاہے متوجہ فن شعر می شود و بعد سال و ماہے غزل فارسی و ہندی بہم می رساند این چند ابیات آن احسن بخت کہ بزبانی بعضے مقربان و منصب دارانِ او بسمع رسیدہ تحریر می -آید، اگرچہ آنو مشق است فاتا ذہن صائب و فکر مناسب دارد۔"

اس کے بعض اشعار یہ ہیں۔

فرقت میں اس کی یارب کھینچیں ہم آہ کب تک　　آنکھیں تو تھک گئی ہیں دیکھیں گے راہ کب تک
یاد ہے گلغدار کی صورت　　گل ہے نظروں میں خار کی صورت
کیا قیامت ہے اس کی نوکِ مژہ　　خنجر آبدار کی صورت

مرزا سلیمان شکوہ:

مغلوں کے آخر زمانہ میں مرزا سلیمان شکوہ کا علمی حیثیت سے بہت نمایاں ہے، اس شہزادہ کے متعلق قدرت اللہ شوق کا بیان ہے۔

"مخزنِ قابلیت و علم و معدنِ انسانیت و حلم ...... از بسکہ جودت طبع وجدت ذہن بسیار دارد، ازراہِ قابلیت ذاتی گاہے متوجہ فنِ شعر می شود و غزل فارسی و ہندوی بہم می رساند و اکثر در خدمت او مشاعرہ شعرا می شود"۔

گلشن بے خار میں ہے۔

Marfat.com

"مرزا سلیمان شکوہ ...... مدتے جلوہ فرمائے لکھنو بودہ، اکثر شعرائے آنجا از خوان نعمتش بہرہ ور و کامیاب بودند، چند سال است کہ دہلی دارو شدہ بود، الحال تربیت شعرائے مستقر الخلافۃ اکبر آباد است"

(ص ۱۴۶، مطبع دہلی اردو اخبار پریس)

سلیمان شکوہ نے دہلی چھوڑنے کے بعد لکھنو میں جو علمی مجلس آراستہ کی تھی۔ آزاد نے اوس کی تصویر اس طرح دکھائی ہے۔

"مرزا سلیمان شکوہ شاہ عالم کے بیٹے تھے...... شاعر بھی تھے، چناں چہ عام اہلِ دہلی کے علاوہ شعراء کا مجمع دونوں وقت ان کے ہاں رہتا تھا۔ سودا، میر ضاحک، میر سوز، وغیرہ کا ورق زمانہ الٹ چکا تھا، مصحفی وغیرہ شاعروں اور شعرفنون کے جلسے رہتے تھے جو محفل ایسے گلشن فصاحت کے گلدستوں سے سجائی جائے وہاں کی رنگینیاں کیا کچھ ہوں گی جی چاہتا تھا کہ ان کی باتوں سے گلزار کھلا دوں مگر اکثر پھول ایسے فحش کانٹوں میں الجھے ہوئے ہیں کہ کاغذ کے پرزے ہوتے جاتے ہیں، اس لیے صفحہ پر پھیلاتے ہوئے ڈر لگتا ہے، پہلے مرزا سلیمان شکوہ مصحفی سے اصلاح لیا کرتے تھے، جب سید انشاء پہونچے، تو مصحفی کا مصحف طاق پر رکھا گیا، بزرگوں سے سنا اور طرز کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہزدہ موصوف کے سر دیوان کی غزل اور اکثر غزلیں بھی سید ممدوح کی اصلاح کی ہوئی یا کہی ہوئی ہیں"۔

فحش کانٹوں سے مراد شاید سلیمان شکوہ کے دربار کے اہلِ علم اور شعرا کے حسد اور رشک و رقابت ہو، مولوی عبدالحق صاحب (انجمن ترقی اردو) تذکرۂ ہندی مؤلفہ غلام ہمدانی مصحفی کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں۔

"دلی کے شاہزادے، شاہ عالم کے بیٹے مرزا سلیمان شکوہ اس زمانہ میں

Marfat.com

لکھنو میں تھے، صاحب عالم نے لکھنو کی سرزمین پر چھوٹی سی دلی بسا رکھی تھی اور سارا ٹھاٹ وہی قائم کر رکھا تھا، دلی سے جو جاتا پہلے ان کی سرکار میں اپنا ٹھکانا ڈھونڈتا، شعر وسخن سے ذوق رکھتے تھے اور شعراء اور اہل کمال کے قدر دان تھے، انشاء جرات، سوز، مصحفی، وغیرہ انہی کے دربار میں ملازم تھے یا انعام واکرام سے سرفراز ہوتے تھے، بارہ سوسات آٹھ ہجری میں مصحفی بھی میر انشاء اللہ کی وساطت سے اس دربار میں داخل ہوئے، ہمارے درباروں میں حسد ورشک، رقابت وغمازی اور سازو باز کی گرم بازاری ہمیشہ رہی ہے ...... انشاء، جرات اور مصحفی خواجہ تاش اور ہم پیشہ تھے، اول اول شاعرانہ چشمک رہی، بعد میں بڑھتے بڑھتے نوبت جنگ وجدل اور فحش اور پھکڑ تک پہنچ گئی، ....غرض ایک ہنگامہ برپا ہوگیا، جس کے مزے صاحب عالم ......بھی لینے لگے اور شہر والوں کو ایک دل لگی ہاتھ آ گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ انشاء اپنی طراری، تیزی اور رسوخ سے بازی لے گئے اور مصحفی کو خفت نصیب ہوئی، صاحب عالم کی نظریں ان کی طرف سے پھر گئیں''۔

طبقات الشعراء میں مرزا سلیمان کے اشعار کے جو نمونے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

کس سے سلیمان پوچھے اس کے مکان کا پتا   واقف حال کب کوئی اس کی ہے بودوباش سے

وفور اشک سے کیونکہ ہو اپنی چشم تر خالی   جو دریا جوش سے بہتا ہے سو ہوتا ہے کم خالی

بھر آتا ہے دل جب دیکھتے ہیں شکل سائل کی   نہیں ہوتا ہے ظرف ہمت اہل کرم خالی

تاج شہی کا وارث تو کیوں نہ ہو سلیمان   تیمور کا تو پوتا عباس کا نواسا

گلشن بے خزاں میں ہے۔

جنازہ تیرے دیوانے کا اس توقیر سے اٹھا   کہ شور نالہ ہر ایک خانہ زنجیر سے اٹھا

Marfat.com

گالیاں سیکڑوں ہر بات میں اب دینے لگے　　دیکھو جھڑتے ہیں کیا مونہہ سے میرے یار کے پھول

مرزا فرخندہ بخت جہاں شاہ:

یہ بھی شاہ عالم کا لڑکا تھا، شاعری میں قمر تخلص رکھتا تھا، قدرت اللہ شوق سنبھلی کا بیان ہے۔

''جوانے بود وجیہ مجمع قابلیت و نیز عالی حوصلہ و خوش سلیقہ قدر و دان انسان کامل بسیار قابل و خوش تلاش و خوش فکر بودہ ، فاما اجلش مہلت ندادہ''

واقعات اظفری میں ہے۔

''ہر علم وفن خاص کر خوشنویسی اور آداب وتمکنت میں سارے تیموری خاندان میں منتخب تھے، آہ کہ پچیس سال کی عمر میں بعارضہ سرسام دنیا سے چل بسے''۔(ص۱۹۴)

اس کے بعض اشعار یہ ہیں۔

نہ ہوتا آفتاب عشق کا جلوہ اگر پیدا　　تو کب ہوتا شب تاریک سے نور نظر پیدا

جلامت استخوان میری تجھے اے عشق کہتا ہوں　　ہوا ہے اس نیستان بیچ دل سا شیر نر پیدا

قمر اس بت نے جب سے صندلی پوشاک پہنی ہے　　ہوا ہے ایک عالم کو تب ہی سے درد سر پیدا

کوئی پلے پر نہ آیا مجرموں کے غیر صبر　　مفت میزان ستم میں ہم گئے قاتل کو تل

اے قمر دلگیر مت ہو کھول دیں گے آن میں　　حضرت مشکل کشا عقدے تری مشکل کے کل

بہادر شاہ ظفر کے زمانہ میں قلعہ معلیٰ شعر وشاعری کا ایک گہوارہ تھا، جیسا کہ ''آخری شاہان تیموریہ کے علمی ذوق'' کے سلسلہ میں بیان کیا جاچکا ہے، قلعہ معلیٰ کے شہزادوں میں شاید ہی کوئی

Marfat.com

ایسا شہزادہ ہوگا، جس کو شعروشاعری سے لگاؤ نہ رہا ہو اور وہ مشاعروں میں حصہ نہ لیتا رہا ہو لیکن اس کی تفصیلات طویل بھی ہیں اور اردو کی بعض مطبوعہ کتابوں میں ان کے جستہ جستہ حالات ملتے ہیں، اس لیے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔

تصحیح گذشتہ مہینہ کے معارف میں داراشکوہ کے علمی ذوق کے مضمون میں دومقام پر تسامح ہوگیا ہے، سفینۃ الاولیاء کے ذکر میں یہ سطر تھی کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب اخبار الاخیار میں اس کا حوالہ جابجا دیا ہے،'' سہواً ضبط تحریر میں آ گئی ہے، ناظرین براہ کرم اس کو قلمزد کردیں، دانش کی جو غزل نقل کی گئی ہے، اس کا پہلا مصرع اس طرح ہونا چاہیے۔

موسے آن شد کہ ابر تر چمن پر د ر شود

اکتوبر تا دسمبر ۱۹۴۱ء

Marfat.com

تیموری شہزادیوں کا علمی ذوق

ہندوستان کے شاہانِ تیموری کی علم دوستی اور حسنِ مذاق کا یہ نمایاں ثبوت ہے کہ جہاں انھوں نے حکومت کا نظم ونسق سنبھالنے اور ملک داری کے لیے اپنے شہزادوں کو اعلیٰ تعلیم وتربیت سے آراستہ کیا۔ وہاں انھوں نے شہزادیوں کو بھی اس سے محروم نہ رکھا اور نہ صرف ان کے درباروں میں علم وفن کی مجلسیں قائم تھیں، بلکہ ان کے خلوت کدوں میں بھی علم وادب کی بزم آراستہ تھی۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ فتوحات کی معرکہ آرائیوں اور جنگِ جانشینی کی خون آشامیوں کے باوجود تیموریوں نے جلوت اور خلوت دونوں کو علم وہنر کی شمع سے منور رکھا، چناں چہ علمی حیثیت سے تیموری شاہزادوں کے ساتھ ایسی تیموری شاہزادیاں بھی ملتی ہیں، جن کی ذات پر اربابِ علم وفضل کو بجا طور پر ناز ہوسکتا ہے۔

گلبدن بیگم:

تیموری شاہزادیوں کی علمی بزم میں سب سے پہلے گلبدن بیگم پر نظر پڑتی ہے، جو بابر کی بیٹی تھی۔ بابر کے لڑکوں میں ہمایوں کامران، ہندال اور عسکری نے میراث میں علم، ادب اور شعر و شاعری کا ذوق پایا۔ اسی دودمانِ فضل وکمال کے گہوارہ میں گلبدن بیگم نے بھی پرورش پائی اور اپنی اعلیٰ تعلیم وتربیت کی بدولت ترکی اور فارسی زبان کی قابلِ قدر انشاء پرداز اور شاعرہ ہوئی۔ فارسی زبان میں اوس کی مستقل تصنیف ہمایوں نامہ ہے، جو اپنے طرز انشاء کے لیے ایک بے مثل کتاب اور بابر وہمایوں کے عہد کے تمدنی، معاشرتی اور تاریخی واقعات کے لیے ایک قیمتی ماخذ ہے۔

یہ کتاب دراصل اکبر کے حکم سے اکبر نامہ کی ترتیب وتدوین کے وقت بابر اور ہمایوں کے متعلق معلومات فراہم کرنے کے لیے لکھی گئی تھی، لیکن اپنی مختلف خصوصیات کی بنا پر ایک اہم تالیف ہوئی۔ یہ کتاب عرصہ تک پردۂ گمنامی میں پڑی تھی، لیکن انگلستان کی ایک علم دوست خاتون

Marfat.com

نے اس کے متعدد نسخے بہم پہنچائے اور اس کو بڑی محنت و کاوش سے اڈٹ کر کے ۱۹۰۲ء میں لندن سے شائع کیا۔ اس کے دیباچہ میں خاتون مذکور نے گلبدن بیگم کی مفصل سوانح عمری لکھی اور کتاب میں بیگمات کے جتنے نام آئے ہیں۔ ان سب کے بھی حالات قلم بند کئے۔ اس کے علاوہ جابجا جو ترکی الفاظ استعمال کئے گئے ہے۔ ان کی تحقیق کی اور پھر فارسی متن کے ساتھ انگریزی ترجمہ بھی منسلک کیا۔ اس کتاب کی اشاعت پر مولانا شبلی مرحوم کو بڑی خوشی ہوئی تھی اور اس پر الندوہ جلد ۵ نمبر ۳ میں ایک مفصل ریویو لکھا تھا، جس سے بہتر ریویو آج بھی کوئی اہل قلم نہیں لکھ سکتا ہے۔ مولنا مرحوم نے اس کتاب کی جو خصوصیات اور خوبیاں بتائی ہیں۔ ہم اس مضمون میں ان کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ ایک عدیم المثال ادیب اور مؤرخ کی تحریر کی روشنی میں اس کتاب کی ادبی اور تاریخی اہمیت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ اس کتاب کی انشاء پردازی کے متعلق مولانا مرحوم رقم طراز ہیں:

> ''فارسی زبان میں سادہ اور صاف واقعہ نگاری کا عمدہ سے عمدہ نمونہ تزک جہانگیری اور رقعاتِ عالمگیری ہیں اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ کتابیں سادگی اور لطافت کے لحاظ سے اس قابل ہیں کہ ہزاروں ظہوری اور وقائع نعمت خان ان پر نثار کر دی جائیں، لیکن انصاف یہ ہے کہ ہمایوں نامہ کچھ ان سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے، اس کے چھوٹے چھوٹے فقرے، سادہ اور بے تکلف الفاظ، روزمرہ کی عام بول چال، طرزِ ادا کی بے ساختگی دل کو بے اختیار کر دیتی ہے''۔

عبادت کی سادگی اور طرزِ ادا کے بے ساختہ پن کی مثالیں بکثرت ہیں، ہم طوالت کے خیال سے ان کو یہاں پر نقل نہیں کرتے ہیں۔ مولانا شبلی نے نمونے کے طور پر چند اقتباسات پیش کئے ہیں، جو مقالات شبلی جلد چہارم میں پڑھے جا سکتے ہیں، البتہ مولنا مرحوم نے جو روزمرہ کے محاورے کتاب سے چن کر جمع کئے ہیں۔ ان میں سے بعض ملاحظہ ہوں:

پاے می داد (ہار جاتا تھا) طرفگیہا می کرد (شوخیاں کرتا تھا) بیائید تا یکدیگرم را دریابیم

Marfat.com

(آ و گلے لگیں) خفتن شد (سونے کا وقت آیا) سر حضرت شوم (آپ پر قربان ہوں) روستائی گری (گنوار پن) وغیرہ وغیرہ۔ مولنا شبلی کا بیان ہے کہ اس قسم کی روزمرہ کی زبان اس عہد کی تصنیفات میں بہت کم ملے گی۔

مولنا شبلی رقم طراز ہیں کہ تاریخی حیثیت سے اس کتاب کی قابلِ قدر خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اس عہد کے تمدن، شائستگی، معاشرت اور خانگی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو روشن کر کے دکھایا گیا ہے مثلاً وہ کسی شادی یا جلسہ کی تقریب کا حال لکھتی ہے، تو اس کی ہو بہو تصویر کھینچ دیتی ہے، عورتوں کے متعلق وہ بہت سی نئی معلومات فراہم کرتی ہے مثلاً عورتیں لکھنے پڑھنے کے علاوہ فنونِ سپہ گری سے بھی خوب واقف ہوتی تھیں، سفر اور سیر و شکار میں عموماً گھوڑے پر سوار ہوتی تھیں، بعض اوقات وہ مردانہ لباس بھی پہنتی تھیں۔ مہر انگیز بیگم (یعنی مظفر حسین مرزا ہیگرہ کی بیٹی) کے بارہ میں لکھتی ہے کہ وہ مردانہ لباس میں ملبوس رہتی تھی اور مختلف ہنر مثلاً زہگیر تراشی، چوگان بازی، تیر اندازی اور ساز بجانے میں ماہر تھی۔ ہمایوں جب ایران گیا، تو اس کی ایک بہن ہمیشہ ایک گھوڑے پر سوار اس کے عقب میں چلتی تھی، خاندان کے آدمی جب ایک جگہ مل کر بیٹھتے تھے، تو عورتیں خود بھی گانے میں شریک ہوتی تھیں، لیکن یہ احتیاط رہتی تھی کہ اس وقت کوئی بیگانہ آدمی نہ ہو، عورتوں کا نہایت احترام کیا جاتا تھا۔ بابر کی بیوی ماہم بیگم کابل سے ہندوستان آئی، تو بابر دو کوس تک پیدل استقبال کو گیا، ملکی معاملات میں عورتوں سے بھی مشورے لیے جاتے تھے اور ہر قسم کے امور میں ان کی شرکت ضروری سمجھی جاتی تھی وغیرہ وغیرہ۔ مولانا شبلی مرحوم نے اس کتاب کی ایک اور تاریخی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ گلبدن بیگم تاریخی واقعات لکھنے میں اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ کس واقعہ کو سمیٹ کر اور کس واقعہ کو پھیلا کر لکھنا چاہیئے، وہ خوب جانتی ہے کہ کون سا واقعہ کیا اثر رکھتا ہے اور اس لیے اس کے اسباب و علل سے کہاں تک بحث کرنی چاہیئے۔

ریاض الشعراء (قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی) اور مخزن الغرائب (قلمی نسخہ دار المصنفین) میں گلبدن بیگم کا نام بھی شعراء کی فہرست میں درج ہے، لیکن دونوں تذکروں میں اس کا صرف مندرجۂ ذیل ایک شعر منقول ہے۔ مسز بیورج نے اسی شعر کو ہمایوں نامہ کے دیباچہ میں میر

Marfat.com

مہدی شیرازی کے تذکرۃ الخواتین سے نقل کیا ہے۔

ہر پریردے کہ اوبا عاشقِ خود یارنیست
تو یقین میدان کہ ہیچ ازعمر برخور دارنیست

گل رخ بیگم:

بابر کی ایک دوسری لڑکی گل رخ بیگم صالحہ سلطان بیگم کے بطن سے تھی۔ وہ بھی شعر و شاعری سے ذوق رکھتی تھی اور اشعار موزوں کرتی تھی۔ صبح گلشن مؤلفہ نواب علی حسن خان مرحوم نے اس کی شاعری کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

''بہ گلرخی و شگفتہ رویی و سلیقہ شاعری سر آمد زمرۂ نسوان غنچۂ دہانش بہ نسیم اشعار لطیف می شگفت''۔

ریاض الشعراء، مخزن الغرائب اور صبحِ گلشن میں اس کی طرف یہ شعر منسوب ہے:

ہیچگہ آن سروِ گل رخسار بے اغیار نیست
راست بودہ است آنکہ در عالم گلِ بے خار نیست

سلیمہ سلطان بیگم:

یہ بابر کی نواسی اور گل رخ بیگم کی بیٹی تھی، پہلے خانخانان بیرم خان سے بیاہی گئی۔ اوس کے انتقال کے بعد اکبر کے حبالۂ عقد میں آئی۔ سیاسی واقعات میں اس کا نام نمایاں اس وقت ہوا، جب شہزادہ سلیم نے اکبر کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ سلیمہ سلطانہ ہی کی مساعیِ جمیلہ سے اکبر اور سلیم میں مصالحت ہوئی، اس سلسلہ میں اکبر نامہ، منتخب التواریخ اور لب التواریخ میں اس کا ذکر بار بار آتا ہے۔ جہانگیر اس کی علمی قابلیت کا معترف ہے، اس کے انتقال پر تزک جہانگیری (ص ۱۱۴ نولکشور پریس) میں لکھتا ہے:

Marfat.com

" بہ جمیع صفاتِ حسنہ آراستگی داشتند ، در زنان
این مقدار ہنر و قابلیت کم جمع می شود "۔

اس کو شعروشاعری سے بھی زیادہ مناسبت تھی۔ آئین اکبری (بلاخ من ص ۳۰۹) اور مآثر الامراء (جلد اول ص ۳۷۶) میں ہے کہ اس کا تخلص مخفی تھا، لیکن مخزن الغرائب کے مؤلف کا بیان ہے کہ اس کا تخلص مخلص تھا، تذکروں میں صرف اس کا حسبِ ذیل ایک شعر نقل کیا گیا ہے۔

کاکلت رامن زمستی رشتۂ جان گفتہ ام
مست بودم زین سبب حرفِ پریشان گفتہ ام

مخزن الغرائب (ورق ۲۶۰) میں فیضی کے مرثیہ پر حسب ذیل رباعی درج ہے، جو ایک خاتون کاملہ بیگم کے ذکر میں نقل کی گئی ہے۔ کاملہ بیگم کے حال میں کسی قسم کا کوئی تعارف نہیں، مگر تذکرہ نگار نے رباعی سے پہلے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ بعض نسخوں میں رباعی سلیمہ بیگم کی طرف بھی منسوب ہے۔

فیضی مخور این غم کہ دلت تنگی کرد بارپاے امید عمر لنگی کرد
میخواست کہ مرغِ روح بنید رُخِ دوست زین واسطہ از قفس شب آہنگی کرد

مورخین سلیمہ بی بی کی کتب بینی کے شوق کے بھی معترف ہیں۔ اسی شوق کی تکمیل کے لیے اس کے پاس ایک ذاتی کتب خانہ بھی تھا۔

ماہم بیگم:

یہ بیگم دومان تیموری کی چشم و چراغ تو نہ تھی، لیکن ہندوستان کے سب سے بڑے تیموری بادشاہ یعنی اکبر بادشاہ کی مرضعہ تھی، اس لیے اس کا ذکر اس سلسلہ میں بے جا نہ ہوگا۔ ماہم بیگم ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون تھی، اسی لیے علم وفضل کی ترویج کی خاطر اس نے دہلی میں ایک اعلیٰ پیمانہ کا مدرسہ خیر المنازل کے نام سے قائم کیا۔ سرسید احمد خان نے آثار الصنادید میں اس مدرسہ کا ذکر کیا ہے، یہ مدرسہ پرانے قلعہ کے پاس واقع تھا، اس کی عمارت اب منہدم ہوگئی ہے۔ اس پر جو کتبہ منقوش

Marfat.com

تھا۔اس کو سر سید احمد خان نے اپنی کتاب (باب اول ص ۴۷) میں نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے۔

بدوران جلال الدین محمد | کہ باشد اکبرِ شاہانِ عادل
چو ماہم بیگمِ عصمت پناہی | بنا کرد این بنا بہرافاضل
ولے شد ساعی این بقعۂ خیر | شہاب الدین احمد خانِ باذل
زہے خیریت این خیرِ منازل | کہ شد تاریخ او "خیر المنازل"

اس مدرسہ کے ساتھ طلبہ کے لیے ایک بہت ہی حسین مسجد بھی تھی۔ایک انگریز ماہرِ آثار قدیمہ نے اس مسجد کو دیکھ کر اس کا تحسین آمیز نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

"مسجد پانی سے گھسے ہوئے نوک دار پتھروں کی بنی ہوئی ہے، جہاں نقش ونگار ہیں، وہاں سرخ پتھر اور گرانیٹ لگائے گئے ہیں، پھاٹک گو اب مسمار ہو چکا ہے، لیکن بہت ہی خوبصورت ہے، مسجد کا اندرونی حصہ رنگین پلاسٹر اور چمک دار اینٹوں سے مزین ہے، عمارت کا رخ اور پھاٹک رنگین تمغوں اور ترشے ہوئے پتھر کے پھولوں سے منقش ہیں، ان میں رنگ نیلے، زرد، سرخ، ارغوانی، سپید، سبز اور سیاہ استعمال کئے گئے ہیں، اس مسجد میں صرف ایک گنبد ہے، جس کی گردن نیچی ہے، اس کا کنگرہ بہت ہی عجیب وغریب ہے جو مسجد قلعۂ کونہ کے کنگرے سے مشابہ ہے، مسجد کی دیواریں عمودی ہیں لیکن مینارے ڈھلواں ہیں، موتی مسجد کی طرف چھجے سامنے نکلے ہوئے ہیں، اس مسجد میں حجرے ہیں، جو اور مسجد میں نہیں دیکھے گئے (ارکیالوجی آف دلی، مولفہ سی اسٹیفن بحوالہ پروموشن آف محمڈن لرننگ مرتبہ ان، ان لا، ص ۱۶۶)"۔

یہ مسجد جس فیاضی اور فراخ دلی سے طلبہ کے لیے بنائی گئی تھی، وہ ماہم بیگم کی تعلیمی دلچسپی کی بڑی دلیل ہے۔

Marfat.com

نور جہاں بیگم:

نور جہاں بیگم بھی نسلاً تیموری نہ تھی، لیکن ایک تیموری حکم ران کی بیوی بن کر شاہی حرم اور حکومت کے لیے باعثِ رونق و زینت بنی، اس لیے یہ مضمون تشنہ رہے گا، اگر اس کا ذکر ان صفحوں پر نہ کیا جائے گا۔

نور جہاں نے شاہی محل میں داخل ہوتے ہی اپنے جمالیاتی ذوق سے حرم کی عورتوں کا سارا مذاق ہی بدل دیا، پہننے اوڑھنے، بناؤ سنگھار، فرش فروش اور زیور و آرایش کی چیزوں میں اتنی جدتیں پیدا کیں کہ سارے ملک میں یہی رنگ غالب آ گیا، اس حسنِ مذاق کے ساتھ قدرت نے نور جہاں کو علم و ادب کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا، ایک علم پرور باپ کی بیٹی اور ایک اعلیٰ ادیب و انشاء پرداز اور شاعر کی بیوی تھی، اس لیے باپ کی وراثت اور شوہر کی رفاقت سے اس کی علمی صلاحیت اور لیاقت کو اتنی جلا ہوئی کہ اب تک اس کی استعدادِ علمی اور سخن سنجی کی داد دی جاتی ہے، مرأۃ الخیال کے مؤلف کا بیان ہے:

"دربذلہ سنجی و سخن گوئی و شعر فہمی و حاضر جوابی از نسائے زمان ممتاز بود" (ص ۱۲۸)۔

ید بیضا مؤلفہ آزاد بلگرامی (قلمی نسخہ دارالمصنفین) میں ہے:

"در وادی شعر بسیار خوش سلیقہ است"

اس کی تصدیق منتخب اللباب اور مآثر الامرأ سے بھی ہوتی ہے۔ نور جہاں کی بدیہہ گوئی اور حاضر جوابی کے لطیفے آج کل کی علمی مجلسوں میں مشہور ہیں، مگر پھر بھی اس مضمون میں ان کا اعادہ شاید دل چسپی اور تفریح سے خالی نہ ہوگا۔

ایک روز جہانگیر نے لباس تبدیل کیا، جس کا تکمہ "لعلِ بے بہا" کا تھا۔ نور جہاں نے اس کو دیکھتے ہی فوراً یہ شعر پڑھا:

ترا نہ تکمہ لعل است بر قبائے حریر شدہ است قطرۂ خون منت گریبان گیر

Marfat.com

ایک موقع پر جہانگیر نے عید کا چاند دیکھ کر یہ مصرع موزوں کیا۔

ہلالِ عید براوجِ فلک ہوید ا شد

نور جہاں نے فی البدیہہ دوسرا مصرع پڑھا۔

کلید سیکدہ گم گشتہ بود پیدا ا شد

مفتاح التواریخ (مؤلفہ سرطامس ولیم بیل) میں نور جہاں کی بدیہہ گوئی کی کچھ اور مثالیں منقول ہیں۔ ایک مرتبہ جہانگیر نور جہاں سے کئی روز کے بعد ملا، ملنے کی خوشی میں نور جہاں کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ جہانگیر نے اس کیفیت کو دیکھ کر یہ مصرع پڑھا۔

گوہر ز اشک چشم تو غلطیده می رود

نور جہاں نے فوراً دوسرا مصرع فی البدیہہ کہا:

آبے کہ بے تو خوردہ ام از دیدہ می رود

ماہ محرم ۱۰۲۸ھ میں ایک دم دار ستارہ نظر آیا۔ نور جہاں نے اوس کو دیکھ کر یہ شعر موزوں کیا:

ستارہ نیست بدین طول سربر آوردہ فلک بشاطری شہ کمر بر آوردہ

ملک الشعراء طالب آملی ایک بار شاہی عتاب میں پڑ کر محبوس ہو گیا۔ حالتِ حبس میں نور جہاں کے پاس یہ شعر لکھ کر بھیجا۔

زشرم آب شدم آب را شکستے نیست بحیرتم کہ مرا آبروے از چہ شکست

نور جہاں نے فوراً یہ لکھ کر جواب دیا "یخ بست و بشکست" [۲]

مآثر الامراء کے مؤلف کا بیان ہے کہ نور جہاں کا تخلص مخفی تھا [۳] مگر نہ جانے کیا بات ہے کہ تیموری شہزادیوں میں جس کسی نے شعر و شاعری میں طبع آزمائی کی، اس کی طرف یہی تخلص

---

[۱] تذکرۂ سرخوش، قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال و خافی خان جلد اول ص ۲۷۰ و مراۃ الخیال ص ۱۲۹۔

[۲] یہ تمام روایتیں میری نظر سے مفتاح التواریخ (ص ۳۱۴) کے علاوہ کسی اور تاریخ اور تذکرے میں نہیں گذریں۔

[۳] مآثر الامراء جلد اول ص ۱۳۴

Marfat.com

منسوب کیا گیا۔ مراۃ الخیال[1]، منتخب اللباب[2] اور مآثر الامرا[3] کے مؤلفین نے نور جہاں کے یہ اشعار اپنی کتابوں میں نقل کئے ہیں۔

دل بصورت ندہم ناشدہ سیرت معلوم بندۂ عشقم و ہفتاد و دو ملت معلوم
زاہدا ہولِ قیامت مفگن دردلِ ما ہولِ ہجران گذرانديم قيامت معلوم

مفتاح التواریخ میں یہ دو رباعیاں بھی نور جہاں کی طرف منسوب ہیں:

کشاد غنچہ اگر از نسیم گلزار ہست کلید قفلِ دلِ ما تبسمِ یار ہست
نہ گل شناسد و نہ رنگ و بو نہ عارض و زلف دل کسے کہ بہ حسنِ دادہ گرفتار ہست

دیگر

چو بردارم زرخ برقعہ زگل فریاد برخیزد
زنم بر زلف اگر شانہ ز سنبل داد برخیزد
بایں حسن و کمالاتے چو در گلشن گذر سازم
زجانِ بلبلان شور مبارکباد برخیزد[4]

نور جہاں شعرا کی بھی سرپرست تھی۔ مراۃ الخیال کے مؤلف کا بیان ہے کہ " دانش

---

1. مراۃ الخیال ص ۵۳۲ 2. منتخب اللباب از خافی خان جلد اول ص ۲۷۰
3. مآثر الامراء جلد اول، ص ۱۳۴
4. یہ رباعیاں کسی اور تذکرہ میں میری نظر سے نہیں گذریں تعجب ہے کہ مفتاح التواریخ میں مندرجۂ ذیل شعر نور جہاں کا بتایا گیا ہے۔

نور جہان گرچہ بصورت زن است در صفِ مردان زنِ شیرافگن است

ید بیضا (قلمی نسخہ دار المصنفین) میں مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے نور جہاں کی بدیہہ گوئی کی ایک مثال میں یہ شعر بھی نقل کیا ہے۔

بقتل من اگر شاہا دلت خوشنودی گردد
بجان منت دے تیغ تو خون آلودی گردد

اسی کے ساتھ ایک غیر سنجیدہ روایت بھی منقول ہے۔

Marfat.com

آموزسخن دان نواب قاسم خان'' شاعر کی حیثیت سے نور جہاں ہی کی سرپرستی اور قدر دانی سے ممتاز ہوا۔ نواب قاسم خان نور جہاں کی حقیقی بہن منیجہ بیگم کا شوہر تھا۔ نور جہاں کی وساطت سے جس طرح قاسم خان کو شعر و شاعری میں فروغ حاصل ہوا، اس کا حال مؤلف تذکرۂ مرأۃ الخیال میں اس طرح لکھتا ہے۔ (ص ۱۲۹)

'' نور جهان بیگم را قاسم خان مناظره و مشاعره بسیار دست می داد ، اودر فن شعر مسلم نمی داشت تا آنکه طرح غزلے تازه درمیان آمد و شعرایے پایے تخت ازان درماندند و قاسم خان این سه بیت نوشته نزد بیگم فرستاد وازان هنگام زور طبعش در سخنوری قبول نمود ، ابیات این است :

گر شوی سایه نشین روے ز بخت باغبان
سایه برخورشید انداز د درختِ باغبان
فاخته چون دید بے گل باغ رانا لید و گفت
از چه روبا گل نرفت این جانِ سختِ باغبان
جشن نور و زاست و فراش بهار از فیض طبع
طرح کرد از سبزه و گل تاج و تختِ باغبان۔

نور جہاں نے کلال کو جس طریقہ سے شاہی دربار میں روشناس کرایا۔ اس کا ذکر'' جہانگیر کے علمی ذوق'' میں کیا جاچکا ہے۔ نور جہاں کی مصاحبت میں بعض ایسی عورتیں بھی تھیں، جو شاعری میں کافی دسترس رکھتی تھیں، ان ہی میں ایک مہری ہروی تھی، جس کے بارے میں مرأۃ الخیال کا مؤلف لکھتا ہے:

'' مسماۃ مهری هروی خورشید طلعتی بود که کرشمۂ جمالش عروسان بهشت راجلوه گری

Marfat.com

آموختے و از تاب عذارش آفتاب عالمتاب در آتشِ
غیرت سوختے ، با این ہمہ حسن و رعنائی بالماس
فکر بکرِ دُرہائے مضامین آبدار سفتے و سخن رابسیار
نازک گفتے "۔

مرأۃ الخیال میں مہری ہروی کا ایک دل چسپ لطیفہ درج ہے۔ نور جہاں مہری ہروی کے ساتھ محل کے بالانشین پر بیٹھی تھی کہ مہری ہروی کا شوہر خواجہ حکیم نیچے نظر آیا، نور جہاں نے ہروی کو اس کے شوہر کو اوپر بلا لینے کا حکم دیا، حکم پا کر خواجہ حکیم نے اضطراب اور عجلت میں حاضر ہونے کی کوشش کی ،مگر گھبراہٹ میں اس کے پاؤں لڑکھڑائے ،اس اضطراب ،عجلت اور گھبراہٹ کی حرکتوں کو دیکھ کر نور جہاں نے مہری ہروی کو ان کیفیات پر اشعار موزوں کرنے کی فرمائش کی۔ مہری ہروی نے خواجہ حکیم کو مخاطب کر کے کہا:

مرابا تو سریاری نمانده سرمہرو و فاداری نمانده
ترا از ضعف و پیری قوت و زور چنانکہ پای برداری نمانده

نور جہاں ہنس پڑی اور مہری کو اس صلہ میں نقد وجنس کی صورت میں انعام دیا۔[1]

ممتاز محل:

شاہجہاں کی محبوب بیوی ارجمند بانو بیگم الملقب بہ ممتاز محل بھی زیورِ علم وفضل سے آراستہ تھی اور وہ نہ صرف سخن فہم بلکہ سخن سنج بھی تھی ،اس کا اندازہ اس مشہور واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ ایک بار

---

[1] مرأۃ الخیال ص ۵۳۲ مہری کی ایک غزل ملاحظہ ہو۔

حلِ ہر نکتہ کہ بر پیر خرد مشکل بود آز مودیم بیک قطرۂ مے حاصل بود
گفتم از مدرسہ پرسم سببِ حرمت می در ہر کس کہ زدم بو خود ولا یعقل بود
خواستم سوز دل خویش بگویم بالشمع داشت او خود بزبان آنچہ مرادر دل بود
در چمن صبح دم از گریہ و زاری من نالۂ سوختہ خون و دردل و پادر گل بود
آنچہ زبابل و ہاروت روایت کردند سحر چشم تو بدیدم ہمہ را شامل بود
دولتے بود تماشای رخت مہری را حیف و صدحیف کہ این دولت مستعجل بود

Marfat.com

شاہجہاں جمنا کے کنارے بیٹھ کر دریا کے مناظر دیکھ رہا تھا کہ اس کی موجوں کی طرف اشارہ کر کے ممتاز محل سے کہا:

آب از برائے دیدنت می آید از فرسنگہا

ممتاز محل نے اوس کا دوسرا مصرع فوراً موزوں کیا۔

از ہیبتِ شاہجہان سرمی زند برسنگہا[1]

جہاں آرا بیگم:

شاہجہاں اور ممتاز محل کی بیٹی تھی، جو سیاسی واقعات کے لیے بھی اپنے عہد میں بہت نمایاں رہی۔ ممتاز محل کی گود اور نور جہاں کی صحبت اور شاہجہانی عہد کی اعلیٰ علمی فضا میں رہ کر علم و فضل کے لحاظ سے بھی مشہور ہوئی، بچپن میں تعلیم ستی النساء خانم سے حاصل کی، جو ملک الشعراء طالب آملی کی بہن اور حکیم رکنا کاشی کے بھائی کی بیوی تھی، یہ خاتون حافظ تھی اور اپنی زبان دانی، ادب شناسی اور علم قرآت و تجوید میں امتیازی حیثیت رکھتی تھی۔ ممتاز محل اور شاہجہاں دونوں اس کے قدردان تھے، ممتاز محل کی مہردار تھی اور اس کے انتقال کے بعد محل کی ''صدارت'' اسی کے سپرد ہوئی، اس کی وفات کے بعد شاہجہاں نے تیس ہزار روپے خرچ کر کے اس کا مقبرہ بنوایا، جو روضۂ تاج گنج میں ہے، جہاں آرا بیگم نے اسی خاتون کے زیرِ تعلیم رہ کر قرآت اور تجوید سیکھا[2] اور یہ بلاخوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ جہاں آرا بیگم نے اعلیٰ قسم کی تعلیم پائی، کیوں کہ وہ مصنف بھی ہوئی اور شاعر بھی، جب وہ صرف چھبیس سال کی تھی، تو اوس نے ۱۰۴۹ھ میں مونس الارواح لکھی، جس میں حضرت معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے سلسلہ کے اکابر خلفاء مثلاً شیخ حمید الدین ناگوریؒ، حضرت قطب الدین کاکیؒ، حضرت فرید الدین گنج شکرؒ، حضرت نظام الدین اولیاء اور حضرت چراغ دہلویؒ کے بہت ہی عقیدت مندانہ احوال مندرج ہیں، جس سے اوس کے مذہبی اور صوفیانہ ذوق کا صحیح طور پر اندازہ ہوتا ہے، اس کتاب کی تالیف میں اوس نے بڑی احتیاط کی ہے، چناں چہ ایک جگہ وہ رقم طراز ہے۔

---

[1] یہ روایت بعض اردو کتابوں میں منقول ہے مگر فارسی تذکروں اور تاریخوں میں میری نظر سے نہیں گذری۔

[2] مآثر الکرام جلد دوم، ص ۹۲۔۹۱

Marfat.com

"احوالِ این بزرگان را کہ مقربان درگاہ صمدیت
انداز کتب و رسائلِ معتبرہ باحتیاط تمام بیرون آوردہ
بقید تحریر آوردہ شد، اعتقاد این ضعیفہ انچہ درین
رسالہ ثبت گرویدہ صحتِ تمام دارد، امید کہ
خوانند گان رافیض و بہرۂ تمام ازان حاصل آید"۔

اس احتیاط کے علاوہ کتاب کی دو اور خصوصیات ہیں، ایک تو یہ کہ یہ بہت ہی ادب اور احترام کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ حضرت معین الدین اجمیریؒ کے ذکر کی ابتداء ان اشعار کے ساتھ کرتی ہے۔

آن شہنشاہ جہانِ معرفت — ذاتِ اوبیرون ز ادراک و صفت
خسرو ملکِ فنا بے تخت و تاج — از خود و از غیرِ خود بی احتیاج
غرقِ بحرِ عشق از صدق و صفا — از خودی بیگانہ باحق آشنا
کرد مرغِ ہمتش زاوجِ کمال — بیضۂ افلاک را در زیر بال
اختر برجِ سپہرِ لم یزل — گوہرِ درجِ کمال بے بدل
آن معینِ دین و ملت بے نظیر — فارغ از دنیائے بملکِ دین امیر
در ثنائے او زبانم راچہ حد — فیض او باید کہ فرماید مدد

وہ جب حضرت معین الدین چشتیؒ کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے گئی، تو وہاں کے جن تاثرات کو قلم بند کیا ہے۔ ان سے بھی اس کی والہانہ عقیدت مندی اور اخلاص کا اظہار ہوتا ہے۔

"می گوید فقیرۂ حقیرہ جہان آرائے کہ چون از یاوری بخت و
فیروزی طالع از دارالخلافہ اکبر آباد در خدمت والد بزرگوار
خود متوجہ خطۂ پاک حضرت اجمیر بے نظیر شدم از ...
ہژدہم ماہ شعبان المعظم سنہ یک ہزار و پنجاہ وسنہ ہجری تا
تاریخ جمعہ ہفتم ماہ رمضان المبارک کہ داخل عمارات کنارتال
انا ... کر گشتم، موفق شدم باین معنی کہ ہر روز و ہر منزل دو

Marfat.com

رکعت نماز نافله ادامی کردم و یکبار سوره یٰسین با فاتحه از کمال اخلاص و عقیدت مندی خوانده و ثواب آنرا برروح پر فتوح مطهر منور حضرت پیر دستگیر خواجه معین الحق والدین رضی الله عنه نثار می نمودم و چند روز که در عمارات مذکوره توقف واقع شد ، از نهایت ادب شبها برپلنگ نخوابیدم و بطرف روضهٔ متبرکه حضرت پیر دستگیر پادراز نساختم ، بلکه پشت بآنجانب نکردم و روز ها درزیرِ درختان می گدزانیدم ...... ودر مسجد سنگ مرمر که پدر بزرگوار حق شناس این حقیره راست کرده اند ، رفته نماز ادا کرده و بازدر گنبد مبارک نشسته سورهٔ یٰسین وفاتحه بروح پُر فتوح خواندم تا وقتِ نماز مغرب در آنجا بودم و شمع بارواح آنحضرت روشن کرده ، روزه باب جهالره افطار کردم عجب شامی دیدم آنجا که بهتر از صبح بود ، اگرچه اخلاص و محبت دین فانیان تقاضاے آن نمی کرد که باین قسم جاے متبرک پر فیض گوشهٔ عافیت رفته بازبخانه بیایداماچه چاره -

رشته در گردنم افگنده دوست ۔۔۔ می برد ہر جا که خاطر خواه او ست

اگر اختیار میدا شتم ہمیشه در روضهٔ حضرت که عجب گوشهٔ عافیت است ومن عاشق گوشهٔ عافیت ہستم بسرمی بردم و به سعادت طواف نیز مشرف می شدم ناچار بچشم گریان و دل بریان بصد ہزار افسوس ازان درگاه رخصت شده، بخانه آمدم و تمام شب طرفه بے قراری درمن بود "۔

مونس الارواح کا سنہ تالیف ۱۰۴۹ھ ہے، لیکن یہ عبارت ۱۰۵۳ھ میں بطور ضمیمہ لکھی گئی ہے، جو دار المصنفین کے قلمی نسخہ مرقومہ ۱۰۶۸ھ میں ہے۔

اس کتاب کی دوسری خصوصیت اس کا طرز انشاء ہے۔ مولنا شبلی مرحوم نے اس کی عبارت

Marfat.com

کو نہایت ''صاف اور شستہ''[۱] بتایا ہے، جیسا کہ اوپر کے اقتباس سے بھی معلوم ہوگا۔

مونس الارواح کا نسخہ چھپ گیا ہے، مگر اس کا ایک بہت ہی خوش خط نسخہ دارالمصنفین میں ہے، یہ نسخہ جہاں آرا نے دربار کے مشہور خوش نویس عاقل خان سے وصلیون پر لکھوایا تھا اور تمام کتاب کو طلائی نقش و نگار اور زرّین افشاں سے مزین کرایا تھا، اس پر سنہ کتابت ۱۰۶۸ مرقوم ہے یعنی تصنیف کے اونیس سال کے بعد اور جہاں آرا کی عمر کے ۴۶ ویں سال میں یہ نسخہ لکھوایا گیا، جس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب میں جن بزرگوں کے حالات ہیں، ان سے جہاں آراء عقیدت و ارادت سنِ کہولت میں بھی بدستور قائم تھی، اس قلمی نسخہ کا سائز ۱۰x۲۷ ہے، ہر صفحہ میں گیارہ سطریں ہیں اور کل صفحات کی تعداد ۱۴۴ ہے، مولنا شبلی مرحوم نے اوس کو ایک بڑی رقم میں خریدا تھا اور اپنی قلمی کتابوں کے ذخیرہ میں اوس کو بہت ہی عزیز رکھتے تھے۔ (الندوہ، اپریل ۱۹۱۱ء) یہ کتاب خطاطی کے اعلیٰ نمونہ کے طور پر لندن کی نمایش منعقدہ مئی ۱۹۱۱ء میں بھی بھیجی گئی تھی۔

جہاں آراء کے علمی مشاغل میں زیادہ تر صوفیائے کرام کے حالات کا مطالعہ ہی رہا کرتا تھا، مونس الارواح میں ایک جگہ لکھتی ہے۔

''این ضعیفه راجیه بعد از ادائے فرض و واجبات و تلاوتِ قرآن مجید ہیچ امرے شریف تراز ذکر حالات و مقامات اولیاے کرام قدس اللہ ارواحہم نمی داند، بنابران خلاصۂ اوقات خود را بمطالعۂ کتب و رسائلے که مشتمل براحوالِ سعادت مآل بزرگانِ دین و اکابر صاحب یقین ست صرف می نماید''۔[۲]

---

[۱] الندوہ۔ اپریل ۱۹۱۱ء

[۲] جہان آرا بیگم کے ایک سوانح نگار نے اس کی تالیفات میں ایک سیاحت نامہ اور ایک مثنوی بھی بتائی ہے، مگر میری نظر سے ان دونوں کتابوں کے نام کسی مستند تذکرہ اور تاریخ میں نہیں گذرے، ۱۹۳۱ء میں لندن سے ایک انگریزی کتاب ایک انگریز خاتون Andrea Butenochon نے The life of a Mogul Princess Gahan Ara Begum کے نام سے شائع کی ہے خاتون مذکور نے اس کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ وہ آگرہ کے قلعہ کو دیکھنے میں

بقیہ حواشی اگلے صفحے پر

Marfat.com

جہاں آرا شاعر بھی تھی۔ مونس الارواح میں جا بجا اس کے اشعار درج ہیں۔ نمونہ کے طور پر حمد کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

آنجا کہ کمال کبریائے تو بود — عالم نمے از بحر عطائے تو بود
ما را چہ حدِ حمد و ثنائے تو بود — ہم حمد و ثنائے تو سزائے تو بود

(بقیہ حواشی)

مصروف تھی کہ ثمن برج کے ایک شکستہ پتھر کے نیچے سے کچھ مسودے ملے، مسودے کو پڑھنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ وہ جہاں آرا کی خودنوشتہ تحریریں ہیں، جن کو اوس نے شاہجہاں کے حبس کے بعد قلمبند کیا تھا وہ بھی شاہجہان کے ساتھ قید تھی، اس لیے قید ہی کے زمانہ میں اوس نے اپنی پچھلی زندگی کے واقعات لکھنے شروع کیے اور ان کو ثمن بُرج کے ایک پتھر کے نیچے یہ لکھ کر چھپا دیا کہ ثمن برج کا پتھر جب خستہ ہو جائے گا تو یہ تحریر لوگوں کے ہاتھ آئے گی۔ جس سے اس کے اصلی خیالات، جذبات اور حالات روشن ہوں گے، تحریر میں رومانی اور تمثیلی رنگ بہت غالب ہے اور اسلوب بیان بہت ہی دلکش اور مؤثر ہے، چناں چہ اس تحریر کا انگریزی ترجمہ دیدہ زیب لکھائی چھپائی کے ساتھ لندن سے ۳۱ء میں شائع کر دیا گیا ہے، ہم نے اس کتاب کو شروع سے آخر تک بہت غور سے پڑھا اور اس کو سراسر جعلی اور نقلی پایا، یہ محض ایک نئے اور دلنشین انداز میں جہاں آرا بیگم کے اخلاق اور کیریکٹر کو مسخ کر کے دکھانے اور اورنگزیب کی ذات سے نفرت پیدا کرنے کی کوشش میں لکھی گئی ہے، اس کتاب میں بعض لغو اور لاطائل واقعات ایسے ہیں، جن کی تردید کرنا محض تضیع اوقات ہے مثلاً جہاں آرا بیگم راجپوتوں کی بہت مداح ہے۔ وہ ایک راجپوت سردار پر عاشق ہو گئی ہے، وہ شادی اس لیے نہیں کر سکتی ہے کہ اکبر نے یہ قانون بنا رکھا تھا کہ مغل بادشاہوں کی لڑکیاں رشتۂ ازدواج سے محروم رہیں، چناں چہ جہاں آرا چھپ چھپ کر اپنے محبوب راجپوت سے ملتی ہے، عشق و محبت کی باتیں کرتی ہے اور اپنی یاد تازہ رکھنے کے لیے اس کو کوئی تحفے دیتی ہے جب دارا اور اورنگزیب میں خانہ جنگی شروع ہوتی ہے۔ تو جہاں آرا کی محبت اور عشق میں راجپوت سردار دارا کی حمایت میں اورنگزیب کے خلاف لڑتا ہے، جنگ میں راجپوت جہاں آرا کے ایک دوسرے عاشق کے ہاتھوں سے مارا جاتا ہے، مگر اس کا ایک ہار کسی طرح سے جہاں آرا کو مل جاتا ہے، جس کو وہ ایک قیمتی یادگار سمجھ کر اپنے پاس محفوظ رکھتی ہے، اس کتاب میں اسی قسم کی اور بھی خرافات ہیں، سب سے مضحکہ خیز بات تو یہ ہے کہ جہاں آرا بیگم کا لباس ساری دکھایا گیا ہے اور وہ ہندو دیوتاؤں سے مثلاً شیو جی اور شنو وغیرہ سے بڑی عقیدت رکھتی ہے، اسی طرح کی اور بہت سی باتیں ہیں۔ جو محض اورنگزیب اور ہندوستان کی مسلمان بادشاہوں کی گذشتہ تاریخ کو بدنام کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہیں، برنیئر منوکی اور اسمتھ وغیرہ جیسے متعصب یوروپین مورخین نے جہاں آرا بیگم کی ذات کے ساتھ بہت ہی نازیبا حکایتیں منسوب کر دی تھیں لیکن سنجیدہ مورخوں نے حقائق کی روشنی میں ان کی تردید کر دی ہے، اب ایک اچھوتے انداز میں پھر اس شہزادی کی ذات پر ناروا حملے کیے گئے ہیں، مگر یورپین مورخوں کی ہرزہ سرائی اور دشنام طرازی اس قدر عام ہو گئی ہے کہ ان کی طرف توجہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔

Marfat.com

دیگر

اے بوصفت بیان ماہمہ ہیچ ‏ ہمہ آنِ تو آنِ ماہمہ ہیچ
ہر چہ بیند خیال ماہمہ ہیچ ‏ ہرچہ گوید زبانِ ماہمہ ہیچ
ما بکنہ حقیقت نرسیم ‏ اے یقین و گمان ماہمہ ہیچ

جہاں آرا بیگم کے اردو سوانح نگار منشی سیل چند، مصنف تاریخِ آگرہ کے حوالہ سے اس کا ایک مرثیہ بھی نقل کرتے ہیں، جو اوس نے اپنے باپ کی وفات کے موقع پر کہا تھا، اس کے تین اشعار یہ ہیں:

اے آفتاب من کہ شدی غائب از نظر ‏ آیا شبِ فراق ترا ہم بود سحر؟
اے بادشاہ عالم و وی قبلۂ جہان ‏ بکشائے چشم رحمت و برحالِ من نگر
نالم چنین زغصہ و بادم بود بدست ‏ سوزم چو شمع در غم و دودم رو دز سر

جہاں آرا بیگم کے ذوقِ شعری اور اس سلسلہ میں اس کے جود و سخا کی متعدد روایتیں تذکروں میں پائی جاتی ہیں۔ کلمات الشعراء (سرخوش) ریاض الشعراء اور خزانہ عامرہ میں ہے کہ جہاں آراء بیگم ایک دفعہ باغ کی سیر کو ہاتھی پر برقعہ ڈالے نکلی۔ میر صیدی طہرانی چھپ کر تماشا دیکھنے لگا، جب ہاتھی اس کے پاس سے گذرا، تو اوس نے بے ساختہ یہ مطلع پڑھا۔

برقع برُخ افگندہ برد ناز بباغش ‏ تا نگہتِ گل بیختہ آید بہ دماغش

جہاں آرا نے حکم دیا کہ شاعر کو کشاں کشاں سامنے لائیں، وہ آیا، تو اس سے بار بار مطلع پڑھوا کر سنا اور پانچ ہزار روپے دلوائے، لیکن ساتھ ہی حکم دیا کہ اس کو شہر سے نکال دیا جائے کیوں کہ جہاں آراء بیگم کو شعر تو پسند آیا، لیکن گستاخی پسند نہ آئی۔ مولنا شبلی مرحوم اپنے مقالہ ''زیب النساء'' میں اس روایت کو نقل کر کے رقم طراز ہیں کہ اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ بیگمات کے لیے کس قسم کے آداب مقرر تھے۔

کلمات الشعراء (قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی) میں جہاں آرا بیگم کی علمی فیاضی کی اور

Marfat.com

مثال درج ہے۔ مزرا حسن بیگ قزوینی نے جو شاہجہانی دربار کا ایک معزز منصب دار اور شاعر تھا۔ شاہجہاں آباد پر ایک مثنوی لکھی، اس شہر کے باغ حیات بخش کی تعریف میں جو اشعار کہے، وہ جہاں آرا کو پسند آئے، اس کے صلہ میں اس نے پانچ سو روپے انعام اس کے پاس بھجوائے۔

یدِ بیضا (قلمی نسخہ دارالمصنفین) مولانا غلام علی آزاد لکھتے ہیں کہ مرزا محمد علی ماہر نے جہاں آرا کی مدح میں ایک مثنوی لکھ کر اس کی خدمت میں پیش کی، مثنوی کے اس شعر پر جہاں آرا نے اس کو پانچ سو روپے انعام دیئے۔

بذات توصفات کردگار است   کہ خود پنہان و فیضش آشکار است

مگر مولانا غلام علی آزاد اس روایت کو سروِ آزاد (ص ۱۱۴) میں نقل کر کے لکھتے ہیں کہ شعر ان کی نظر سے نعمت خان عالی کی اس مثنوی میں بھی گذرا، جو اوس نے زیب النساء کے خرگاہ پر لکھی تھی۔ تذکرۂ مخزن الغرائب (قلمی نسخہ دارالمصنفین) ہے کہ مرزا محمد علی ماہر نے نو سو (۹۰۰) اشعار کی ایک مثنوی زیب النساء کی شان میں لکھی، جس میں مذکورہ بالا شعر زیب النساء کو بے حد پسند آیا واللہ اعلم بالصواب۔

جہاں آرا کی علم پروری اور اس کے ساتھ مذہبیت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ آگرہ کی جامع مسجد اسی کی بنوائی ہوئی ہے، اوس نے مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا، جو بہت دنوں تک نہایت کامیابی کے ساتھ چلتا رہا۔

جہاں آرا بیگم نے مرنے کے بعد بھی خواجگان چشتیہ سے اپنی عقیدت قائم رکھی، یعنی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار پر انوار کے ٹھیک پائیں میں اپنی خواہش کے مطابق دفن ہوئی، اس کی پرہیز گاری، نیکی، انکساری اور ذوق شعری اس کے حسب ذیل شعر سے بھی ظاہر ہے جو اس کی معمولی اور سادہ قبر پر مکتوب ہے، اس مزار کا کٹہرہ سنگ مرمر کا ہے، لیکن تعویذ بالکل خام ہے جو ہمیشہ سبزہ سے ڈھکا رہتا ہے۔

بغیر سبزہ نہ پوشد کسی مزارِ مرا   کہ قبر پوشِ غریبان ہمیں گیاہ بس است

Marfat.com

زیب النساء بیگم:

تیموری شہزادیوں کے علمی چمنستان کا گلِ سر سبد زیب النساء بیگم ہے، یہ اورنگ زیب عالمگیر کی سب سے پہلی اولاد دلرس بانو بیگم کے بطن سے تھی، دستور کے مطابق اس کو سب سے پہلے کلام پاک پڑھایا گیا، جس کے لیے عالمگیر کے ایک درباری امیر کی ماں مریم کو مقرر کیا گیا، جو کلام پاک کی حافظ تھی [1]۔ زیب النساء بیگم نے بھی کلام پاک حفظ کیا۔ مآثر عالمگیری کے مؤلف کا بیان ہے کہ اس سعادت کے صلہ میں عالمگیر نے زیب النساء کو تیس ہزار اشرفیاں بطور انعام مرحمت فرمائیں [2]، زیب النساء نے عربی اور فارسی کی بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ عالمگیر نامہ مآثر عالمگیری اور مرأۃ العالم میں ہے۔

"واز تحصیل علوم عربی و فارسی بہرۂ تمام اندوختہ"

زیب النساء کے معلموں میں صرف ملا محمد سعید اشرف ماژندرانی کا نام تاریخوں میں مذکور ہے، جو اس کی عمر کے اکیسویں سال میں درسی کتب کے علاوہ فقہ اصولِ فقہ اور علمِ حدیث کی تعلیم کے لیے مقرر ہوئے۔ زیب النساء نے شعر و شاعری میں بھی انھی سے اصلاح لی [3]، اس نے علم کی تکمیل کے لیے فنِ خطاطی میں بھی کمال حاصل کیا۔ مآثر عالمگیری کا مؤلف رقم طراز ہے کہ وہ ہر قسم کے خطوط یعنی نسخ، نستعلیق اور شکستہ نہایت خوبی کے ساتھ تحریر کرتی تھی [4]، یہ فن شاید اوس نے ملا محمد سعید اشرف ماژندرانی ہی سے سیکھا تھا، کیوں کہ وہ نہ صرف ایک ممتاز شاعر اور عالم تھے، بلکہ خطاط اور خوش نویس بھی تھے۔ زیب النساء کے علم و ہنر کی بنا پر یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ اس کی علمی کاوش اس کی علمی و ادبی تصنیفات میں بھی ظاہر ہوئی ہوگی، مگر وہ اب ناپید ہیں، مخزن الغرائب کے مؤلف نے اوس کی صرف ایک کتاب ''زیب المنشآت'' کا حوالہ ان الفاظ میں دیا ہے۔

"زیب المنشآت کہ از تالیف آنجناب است فقیر آن

---

1. مآثر الامراء جلد دوم، ص ۸۲۹ 2. مآثر عالمگیری اردو ترجمہ یونیورسٹی، ص ۳۹۴

3. ملا محمد سعید اشرف ماژندرانی پر ایک مفصل مضمون معارف نمبر ۶ جلد ۱۲ میں ملاحظہ ہو نیز دیکھو مآثر الکرام جلد دوم، ص ۱۱۶

4. مآثر عالمگیری، ص ۳۹۴

Marfat.com

رازیارت نمودہ ''(قلمی نسخہ دارالمصنفین)

''زیب المنشآت'' زیب النساء کے خطوط اور رقعات کا مجموعہ تھا، اس کی ایک بیاض خاص بھی تھی، جو اس کی ایک خواص ارادت فہم نامی کے ہاتھ سے حوض میں گر کر ضائع ہوگئی۔ ملا سعید اشرف ماژندرانی نے اس کی معذرت میں ارادت فہم کی طرف سے ایک طویل قطعہ لکھ کر زیب النساء کی خدمت میں پیش کیا۔

زیب النساء کے نام سے ایک مرقع بھی منسوب ہے، جس میں قطعات، مشہور کاتبوں اور خطاطوں کے کمالات کے نمونے، ماہر نقاشوں اور مصوروں کے ہاتھ کی بنائی ہوئی انواع واقسام کی تصویریں تھیں، یہ مرقع ناپید ہے، لیکن اس کا دیباچہ جس کو ایک شاعر و نثار ملا رضا راشد نے لکھا تھا۔ خدا بخش خان لائبریری میں موجود ہے، یہ دیباچہ ملی جلی نظم ونثر میں لکھا گیا ہے، اس سے زیب النساء کی علمی مجالس کا حال معلوم ہوتا ہے، شاعر مذکور لکھتا ہے کہ بیگم کی علمی مجلسوں میں نظم ونثر صرف ونحو، ہندسہ ونجوم، معانی و بیان اور ہیئت ومرایا پر علماء وفضلا جمع ہو کر بحث ومباحثہ اور تحقیق وتفتیش کیا کرتے تھے۔

نہان بود آنچہ در آثارِ قدرت — بفعل آوردہ دستِ او ز قوت
ملازم دارد آن علامۃ العصر — زاہل فضلِ و حق چون ابو النصر
سوالِ تسعہ را حاضر جوابی — ز کلیاتِ دانش انتخابی
مقولاتی عشر، عشری ز گفتار — ز علمِ وظاہر و باطن خبردار
گہے تفتیش علم صرف می شد — سخن از اسم و فعل و حرف می شد
گہے در مجلسش از نحو مذکور — ز مرفوع و ز منصوب و ز مجزور
گہے از ہندسہ می کرد تعداد — زقدرِ خط وسطح و جسم و ابعاد
گہے می رفت حرف از علمِ تنجیم — ز اسطرلاب و استخراج و تقویم
گہے می کرد وصفِ علم اعداد — صحیح و کسر و زوج و فرد تعداد

Marfat.com

گہ از علم بیان کرد یحکایت | ز تلمیح و زتشبیہہ و کنایت
گہ از علم معانی بود گفتار | ز اسناد و زمسندہا خبردار
گہ از آثار علوی یاد می کرد | حدیثِ ابر و برق و بادمی کرد
بہیئت مطلع از طبعِ دراک | ز تسکین زمین ، تحریکِ افلاک
شد از علم مرایا بسکہ آگاہ | بذات شخص برد از سایہ اش راہ

اس دیباچہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زیب النساء بیگم طب روحانی کی بھی حاذق تھی۔

بعلم طب روحانیہ حاذق | بہ تہذیب است اخلاقش موافق

اور وہ علم موسیقی سے بھی واقف تھی۔

ز موسیقی و از الحانش آگاہ | بگوش استماعش لیک اکراہ

بیگم کی انشاء پردازی اور علمی کمال کے بارے میں لکھتا ہے۔

بلفظِ مختصر معنی مطول | عبارت مجمل و معنی مفصل
بعلم اولیٰ تر از ہر چیز دانی | نہ درِ اعمال گنجد حرف ثانی

ایک دوسری جگہ رقم طراز ہے:

بااہلِ فضل شامل جود خاصش | بعلم و شرع دایم اختصاصش
سخن سنجانِ معنی آفرینان | زخر منہاے فضلش خوشہ چینان
سخن فہم و سخن سنج و سخن دان | سخنور را نسنجد جز بمیزان[1]

شعر و شاعری کی زبان کے علاوہ شاعر مذکور دیباچہ کی نثر میں بھی بیگم کی انشاء، خوش نویسی اور شاعری کا بیان کی جزالت اور الفاظ کی شوکت کے ساتھ کرتا ہے۔ مورخین اور تذکرہ نویس بھی اس کی علمی سرپرستی اور قدردانی کے بیان میں رطب اللسان ہیں۔ مآثر عالمگیری میں ہے کہ علماء

---

[1] پروفیسر محفوظ الحق (پریزیڈینسی کالج، کلکتہ) نے مرقع کی نقل رسالہ شمع آگرہ، بابت ماہ دسمبر ۱۹۲۵ء میں شائع کی تھی۔ یہ اشعار اسی سے لیے گئے ہیں۔

Marfat.com

وفضلا اور خوش نویسوں کا ایک گروہ زیب النساء بیگم کی سرکار سے فیض یاب ہوا کرتا تھا (ص ۳۹۴۔ اردو ترجمہ) غلام علی آزاد ید بیضاء میں لکھتے ہیں۔

"ہمت به ترقیه حال ارباب فضل و کمال مصروف می داشته و جماعت کثیر از علماء شعراء و منشیان و خوشنویسان به سایۂ قدر دانی او آسوه و بودو کتب و رسائلِ بسیار بنام اوسمتِ تالیف پذیرفته" (ید بیضا قلمی نسخه ، دارالمصنفین)۔

بقول مولانا شبلی مرحوم زیب النساء کا دربار حقیقت میں ایک اکاڈیمی (بیت العلوم) تھی، اس بیت العلوم میں ہر فن کے علماء اور فضلا نوکر تھے، جو ہمیشہ تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے تھے۔ کتابیں عموماً اس کے نام سے موسوم ہوتی تھیں، یعنی ان کتابوں کے نام کا پہلا جز زیب کا لفظ ہوتا تھا، چناں چہ مآثر عالمگیری کے مؤلف کا بیان ہے کہ ملا صفی الدین اردبیلی نے بیگم کے حکم سے تفسیر کبیر کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا، تو اس کا نام زیب التفاسیر رکھا گیا۔ (اردو ترجمہ ص ۳۹۴) مؤلف مذکور کا یہ بھی بیان ہے کہ اس کتاب کے علاوہ اور دیگر رسائل بھی بیگم کے نام سے موسوم ہوئے (ص ۳۹۴) مگر ان رسائل کے نام کہیں اور راقمِ حروف کی نظر سے نہیں گذرے۔ زیب التفاسیر کا پانچواں حصہ بوڈلین لائبریری آکسفورڈ میں موجود ہے، یہ حصہ ۶۱۶ صفحوں میں ختم ہوا ہے اور خاتمہ کی تاریخ ۱۰۸۱ء مرقوم ہے، فہرست نگار کا خیال ہے کہ یہ نسخہ خود مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ہے۔

زیب النساء نے اپنے بیت العلوم کے علماء وفضلاء کے استفادہ کے لیے ایک اعلیٰ قسم کا کتب خانہ بھی قائم کیا تھا۔ مآثر عالمگیری کے مؤلف کا بیان ہے کہ ہنر پرور اور علم شناس شہزادی ہمیشہ کتابوں کے جمع کرنے اور نیز جدید تصنیف و تالیف کو جاری رکھنے میں کوشاں رہتی تھی، اس کا کتب خانہ ہر حیثیت سے نادر الوجود تھا، (ص ۳۹۴)۔

زیب النساء شاعر بھی تھی، مگر اس کی شاعری کے متعلق بہت سی بے سروپا اور بے بنیاد باتیں منسوب ہوگئی ہیں، ان باتوں کی تشہیر غیر مسلم مصنفوں نے زیادہ کی ہے "وزڈم آف دی ایسٹ

Marfat.com

سیریز'' میں لندن سے دیوان زیب النساء کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے، جس میں زیب النساء کی اول پچاس فارسی غزلوں کا انگریزی ترجمہ لگن لال اور جیسی ڈنکن ویسٹ بروک نے کیا ہے، شروع میں ۲۳ صفحے کا ایک مقدمہ ہے، جو موخرالذکر انگریز خاتون یعنی ڈنکن ویسٹ بروک کا لکھا ہوا ہے، یہ مقدمہ بظاہر بہت ہی پر از معلومات ہے اور اس میں زیب النساء کے معاشقہ اور اس ضمن میں اس کی بدیہہ گوئی اور حاضر جوابی کے بہت سے گستاخانہ قصے اور واقعات درج ہیں، مگر ان کی تکذیب اور تردید ایک دوسرے غیر مسلم مورخ سر جادوناتھ سرکار کے ایک مضمون سے ہو چکی ہے [۱]، جادو ناتھ سرکار اورنگ زیب عالمگیر کے سب سے بڑے ہجو نگار ہیں۔ اس لیے اورنگ زیب کی لڑکی زیب النساء کی حمایت میں ان کا کچھ لکھنا بجبر واکراہ حق وصداقت کا اظہار کرنا ہے۔ مولانا شبلی مرحوم نے بھی زیب النساء سے متعلق جو مہمل اور لغو روایتیں مشہور ہو گئی تھیں، ان کی تردید اپنے مضمون ''زیب النساء'' میں کر دی ہے۔[۲]

زیب النساء کے عشق ومحبت کی طرح اس کا دیوان بھی محض فسانہ بن کر رہ گیا ہے۔ زیب النساء کا ایک مجموعۂ کلام ''دیوانِ مخفی'' کے نام سے مختلف مطابع سے چھپ کر بازار میں فروخت ہوتا ہے، مگر اربابِ نظر ان متداول نسخوں پر اپنے خیالات ظاہر کر کے بتا چکے ہیں کہ دیوان کی اندرونی شہادت کی بنا پر اس کو کسی طرح زیب النساء کا دیوان نہیں کہا جا سکتا ہے۔ پروفیسر محفوظ الحق (پریزیڈنسی کالج، کلکتہ) نے معارف نمبر ۵ جلد ۱۱ میں یہ بتایا ہے کہ دیوان مخفی دراصل مخفی رشتی کا ہے، جس کا وطن باصطرخ تھا، وہ شاہجہاں کے عہد میں خراساں سے ہندوستان جلب منفعت کے لیے آیا، مگر یہاں کی ہوا اس نہیں آئی، دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے قید کر دیا گیا، چوں کہ شاہی دربار میں اس کی رسائی نہ ہو سکی، اس لیے اس کا کلام اوروں کی طرح مشہور نہ ہو سکا اور ایک حد تک مخفی مگر محفوظ رہا، اس کا دیوان بعض غیر محقق مصنفوں کے ہاتھ لگا اور اسے دیکھے اور سمجھے بغیر غالباً محض مخفی کی رعایت کی بنا پر اس کو بیگم کی جانب منسوب کر دیا۔

---

۱ اسٹیڈیز ان مغل انڈیا ص ۹۰-۹۷

۲ مقالات شبلی جلد پنجم ص ۱۱۷-۱۱۶ ملاحظہ ہو اور نیشنل پبلک لائبریری کیٹلاگ جلد سوم ص ۱۵۰-۱ اور روفیسر محفوظ الحق کا مضمون زیب النساء اور دیوان مخفی، معارف نمبر ۵ جلد ۱۱

Marfat.com

مستند تذکرہ نویسوں میں احمد علی سندیلوی بھی مخزن الغرائب میں زیب النساء کے ذکر میں لکھتے ہیں:

"اما دیوان اشعارش جاے بنظر نیامده ، مگر در تذکرۂ انتخابش به نظر آمده لیکن اعتبار را نشاید ، سبب آن که اکثر شعر اساتذه صاحبِ آن تذکره بنام بیگم نوشته بود"

اسی سلسلہ میں احمد علی سندیلوی نے زیب النساء کے قریب پندرہ ایسے اشعار نقل کئے ہیں، جو بعض تذکروں میں زیب النساء کی طرف منسوب ہیں، لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ اشعار واقعی اسی کے ہیں۔

مولانا شبلی مرحوم کا خیال ہے کہ اس کا سارا کلام شاید اس بیاض میں جمع ہوا، جو ارادت فہم سے ایک حوض میں گر کر ضائع ہوگئی۔ بہرحال زیب النساء کے شاعر ہونے میں کسی کو انکار نہیں ہوسکتا ہے۔ مرقع کا دیباچہ نگار اس کی شاعری کی تعریف میں اس طرح رطب اللسان ہے۔

زخیلِ طبع و نفسِ اندیشه کردہ — پری و دیو را در شیشه کرده
زطبعش موجزن بحرِ معانی — به بحرِ شعر آبِ زندگانی
زنطقش نشۂ معنی زند جوش — شود سامع چو صورت محو و مدہوش
زنظم و نثر نطقش آنچه گفته — درِ ناسفته گوہر ہاے سفته

مولانا شبلی مرحوم نے بعض تذکروں کے اسناد پر صرف مندرجہ ذیل رباعی کو زیب النساء بیگم کی طرف منسوب کیا ہے۔

بشکند دستے که خم در گردنِ یارے نشد
کور به چشمے که لذت گیر دیدارے نشد
صد بہار آخر شد و ہر گل به فرقے جا گرفت
غنچۂ باغ دلِ ما زیب دستارے نشد۔

Marfat.com

مگر پروفیسر محفوظ الحق نے معارف کے مضمون ہذا میں اس رباعی کو بھی مشکوک بتایا ہے۔

زیب النساء کا ذوق شعری اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اس کی خدمت میں شعرا اپنے معروضات اشعار ہی میں پیش کرتے تھے اوپر یہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ زیب النساء کی بیاض اس کی ایک کنیز سے حوض میں گر گئی تھی۔ زیب النساء کے استاد ملا سعید اشرف ماژندرانی نے کنیز کی طرف سے ایک طویل معذرت نامہ لکھ کر زیب النساء کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ قطعہ مخزن الغرائب میں درج ہے، جس کی پوری نقل مقالاتِ شبلی حصہ پنجم کے مضمون زیب النساء میں بھی ہے۔ ہم یہاں اس کے صرف چند اشعار ناظرینِ معارف کے لیے پیش کرتے ہیں۔

اے ادا فہمے کہ پیشت فاضلانِ عصر را
شستنِ مجموعۂ اندیشہ باب افتادہ است
درخُمِ افلاطون زیاد دانشت سرخوش بود
ہمچو مخمورے کہ در فکرِ شراب افتادہ است
ذہن صافت تا علم گردید دردانشوری
طبع افلاطون زبس در اضطراب افتادہ است
دفتر فرہنگ در چنگش مجزا گشتہ است
از کفش مجموعۂ دانش درآب افتلدہ است
آن بیاضِ خاصۂ شاہی کہ دراطراف آن
جاے افشان نقطہاے انتخاب افتادہ است
آن مرصع خوان گہر ریزی کہ باشد جلوہ گر
دُرِّ الفاظش بسے با آب و تاب افتادہ است

مآثر الکرام میں غلام علی آزاد بلگرامی، ملا سعید ماژندرانی کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ ایک

Marfat.com

بار زیب النساء بیگم نے استاد کی خدمت کے لیے ایک کنیز بھیجی، مگر سعید اس سے خوش نہ رہ سکے اور اس کی ہجو میں ایک قطعہ لکھ کر زیب النساء بیگم کے پاس بھیجا۔ غلام علی آزاد نے اس قطعہ کا صرف پہلا مندرجہ ذیل شعر نقل کیا ہے۔

قدر دانشور شناسا نور چشمِ عالما

اے کہ ہرگز قدرتِ ہم چشمیت حور انداشت

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ اس ہجو میں ملا سعید نے کلام پاک کے الفاظ قاب، قوسین، اَو اَدنیٰ کو بہت ہی فحش طریقہ پر استعمال کیا۔ مولانا شبلی مرحوم نے بھی اس واقعہ کو نقل کیا ہے، لیکن ان کو تعجب ہے کہ ملا سعید نے اس قسم کی بے اعتدالی کی جرأت کس طرح کی، کیوں کہ شاہی بیگمات کے آداب اور زیب النساء کا زاہدانہ مذاق اس قسم کی جرأت کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

ملاّ سعید کو زیب النساء کی ملازمت میں جن کافی مدت گذر گئی، تو وطن واپس جانا چاہا اور رخصت کی درخواست ایک مدحیہ قصیدہ میں لکھ کر دی، اس قصیدہ کے آخر میں لکھتا ہے۔

یکبار از وطن نتوان بر گرفت دل

در غربتم اگرچہ فزون است اعتبار

پیشِ تو قرب و بعد تفاوت نمی کند

گو خدمتِ حضور نباشد مرا شعار

نسبت چو باطنی است چہ دہلی چہ اصفہان

دل پیش تست تن چہ بہ کابل چہ قندہار

(مآثر الکرام ص ۱۱۶ جلد دوم)

ریاض الشعراء (قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی) میں زیب النساء کی خدمت میں شاعرانہ معروض کا ایک اور واقعہ منقول ہے، نعمت خان عالی نے جو اس زمانہ کا ایک مشہور شاعر تھا۔ زیب النساء کے پاس ایک مرصع کلغی فروخت کے لیے بھیجی، زیب النساء نے اس کی قیمت بھیجنے میں

Marfat.com

دیر کی تو نعمت خان نے یہ رباعی لکھ کر پیش کی۔

اے بندگیت سعادتِ اخترِ من   درخدمتِ تو عیان شدہ جوہرِ من
گر جیغہ خریدنی است پس کو زرمن   در نیست خریدنی بزن برسرِ من

اس رباعی کے صلہ میں زیب النساء بیگم نے پانچ ہزار روپے دلوائے اور کلغی بھی واپس کردی، مولانا شبلی مرحوم نے اس واقعہ کو خزانہ عامرہ سے نقل کیا ہے۔

۱۰۹۰ھ میں زیب النساء نے ابرک کا ایک بڑا خیمہ بنوایا، جو تمام تر شیشہ کا معلوم ہوتا تھا۔ نعمت خان عالی نے اس کی تعریف میں ایک چھوٹی سی مثنوی کہی، اس کے کچھ اشعار مولانا شبلی نے اپنے مضمون زیب النساء میں بھی نقل کئے ہیں (دیکھو مقالاتِ شبلی جلد پنجم ص، ۱۱۶) زیب النساء کے دربار کے شعروشاعری کے اسی پرچے کی بنا پر مولانا شبلی رقم طراز ہیں کہ عالمگیر کی خشک مزاجی سے شاعری اور شعراء کو جو نقصان پہنچا تھا۔ اس کی تلافی زیب النساء کے حسنِ مذاق سے ہوگئی تھی۔

اورنگ زیب کی دوسری لڑکیاں:

اورنگ زیب کی دوسری لڑکیوں کا علم وہنر زیب النساء کی علمی شہرت کے سامنے ماند پڑ گیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ گو زیب النساء کی طرح آسمانِ علم وادب کی مہر وماہ تو نہ بن سکیں، مگر مختلف قسم کے علوم وفنون سے آراستہ وپیراستہ تھیں۔ مآثر عالمگیری کے مؤلف کا بیان ہے کہ اورنگ زیب کی لڑکیوں میں زینت النساء بیگم نے بھی باپ کی توجہ اور فیضِ تربیت سے علمی کمالات حاصل کئے، وہ عقائدِ مذہبی، احکامِ دینی اور مسائلِ شرعی سے بخوبی واقف وآگاہ تھی۔ (مآثر عالمگیری اردو ترجمہ ص ۳۹۵) صبحِ گلشن میں زینت النساء بیگم کا ذکر ایک شاعرہ کی حیثیت سے بھی کیا ہے، مؤلف کے الفاظ یہ ہیں: (ص ۱۹۲۔۱۹۱)

> "زینت النساء بیگم ہمشیرہ زیب النساء بیگم از بنات اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ است عالمہ و شاعرہ و حافظہ کلام اللہ بود، زینت المساجد بنا

Marfat.com

کـرده اش الـی الآن در شهـر شـاهجهان آباد موجود و معـمـور و بـرسـنـگ مزارش کـه در صحن همان مسجد ست این شعر خودش منقوش و منقور"۔

مـونـسِ مـادر لـحـد فـضـلِ خـدا تنـهـا بـس است
سـایـهٔ از ابـر رحـمـت قبر پـوشِ مـا بـس است

مآثر عالمگیری کے مولف کا بیان ہے کہ اورنگ زیب کی ایک اورلڑکی زیب النساء بیگم کی طرح حفظ کلام اللہ کی سعادت اور علوم دینی کی تعلیم سے بہرہ ور ہوئی اور ہمیشہ علم کے ساتھ عمل کو بھی ملحوظ رکھا۔ عالمگیر کی ایک اورلڑکی زبدۃ النساء بیگم کے بارے میں مؤلف مذکور لکھتا ہے کہ ہمیشہ طاعت وعبادت وتحصیلِ علم میں عمر بسر کی اور ذخیرۂ سعادت فراہم کرتی رہی۔

(مئی۔جون ۱۹۴۲ء)

Marfat.com

آخری مغلیہ سلاطین کا علمی ذوق

اورنگ زیب کی روح قفسِ عنصری سے پرواز ہوتے ہی تاریخِ ہند کا رخ بدل گیا۔ ہمالیہ سے راس کماری تک پھیلی ہوئی، سلطنت کے نظام کے لیے عالمگیر ہی کا دل و دماغ چاہئے تھا، مگر حکومت بدلنے کے ساتھ زمانہ بدلا اور تاریخ بھی بدل گئی، تختِ طاؤس وہی تھا، لیکن اس کے پروں کی خوش نمائی جاتی رہی تھی، تیموری دربار وہی تھا، لیکن اس کی رونق مٹ چکی تھی اور اربابِ عقل و دانش بھی موجود تھے، مگر ان کی جودت، فطانت اور سیاست سے فائدہ اٹھانے والا کوئی نہ تھا۔ دیوان خاص کے کنگوروں سے حسرت و یاس برسنے لگی۔ دیوانِ عام کی دیواروں پر افسردگی چھا گئی اور قلعہ معلّٰی سوگوار ہو گیا، معلوم نہیں یہ کارکنانِ قضا و قدر کی مصلحت تھی یا عالمگیر کی اولادوں کے اعمال کی پاداش۔ تیموری سلطنت اوجِ کمال پر تھی، اس کے زوال کو روکنے کے لیے ایک آہنی قوت کی ضرورت تھی، مگر وہ قوت باقی نہ تھی، فطرت سرگرم ہوئی اور تیموری سلطنت کا وہی انجام ہوا، جو روم، بابل اور نینوا کا ہو چکا تھا۔

عالمگیر کی دوررس نگاہیں اس نتیجہ تک پہنچ گئی تھیں، یہی وجہ ہے کہ وہ ایک لائق جانشین چھوڑنے کے لیے جس قدر مضطرب اور بے چین رہا، کوئی اور تیموری حکمران نہ ہوا تھا، وہ ان کو نہ صرف میدانِ جنگ میں فنونِ سپہ گری، دربار میں رموز حکمرانی [1] اور قلعہ معلّٰی کے اندر لکھنے پڑھنے کی تعلیم دلاتا تھا، بلکہ ان کو اوٹھنے بیٹھنے، رہنے سہنے اور بولنے چالنے کے آداب خود سکھاتا تھا [2]۔ مگر قدرت کو شاید منظور نہ تھا کہ اس کی عظیم الشان سلطنت کے بارگراں کو اٹھانے کے لیے کوئی لائق جانشین پیدا ہو۔

---

1. واقع عالم گیری مرتبہ نبی احمد سندیلوی

2. عالمگیر نے شہزادہ محمد سلطان بہادر کو جو شب و روز کا نظام الاوقات لکھ بھیجا تھا، وہ رقعات عالمگیر مرتبہ پروفیسر سید نجیب اشرف ص ۲۷۰ پر ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

بہر حال یہ اسی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ شاہ عالم بہادر شاہ نے ایامِ طفلی میں حفظِ کلام اللہ کی سعادت حاصل کی اور آگے چل کر قرأت و تجوید کا ماہر ثابت ہوا، مآثر عالمگیری کے مصنف کا بیان ہے کہ جب وہ قرآن پاک پڑھتا، تو سامعین بہت محظوظ ہوتے تھے۔ علمِ حدیث سے وہ خاص دل چسپی رکھتا تھا اور اس کو اس میں اتنا درک تھا کہ علمائے حدیث اس کو سردارِ محدثین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ فقہی مسائل بلا تکلف قرآن وحدیث سے استنباط کرتا تھا، اس کے زمانہ میں جمعہ کے خطبہ میں حضرت علیؓ کے نام کے آگے لفظ ''وصی'' کے اضافہ کے سلسلہ میں جو جھگڑا پیدا ہوا، اس میں علماً و فقہاء سے اس نے خود مناظرہ کیا[۱]، حدیث، فقہ، تفسیر و سلوک کی کتابیں برابر مطالعہ میں رکھتا تھا۔ مصنف مذکور کا بیان ہے کہ عربی زبان میں ''عرب عربا'' اور فارسی و ترکی زبانوں میں بہترین اہلِ زبان کے ''ہم پلہ'' تھا، فن خوش نویسی میں بقول مصنف ہذا ''یکتائے زمانہ'' تھا اور مختلف قسم کے خطوط میں کمال حاصل کیا تھا[۲]، خلاصہ التواریخ کا مصنف بھی اس کی تائید ان الفاظ میں کرتا ہے۔

''و آن سنتخب صحیفہ لیل و نہار باقتضاے سعادت فطری و میامن ترتیب حضرت خلد مکان از طلوع صبح تمیز اذ خار شرائف نفسانی و کمالات انسانی نمودہ و آن بر گزیدہ روز گار ایام شباب بیشتر صرف علم تحصیل نمودہ، علم با عمل قرین ساخت سلامت و فصاحت تکلمِ عربی و ترکی و فارسی زیبائی و در اقسام تحریر خطوط مرتبہ استادی و رسائی اکثر شب را یاد نوافل و تقدیم و ظائف و قرآت قرآن مجید و مطالعۂ کتب حدیث و تفسیر و فقہ و سلوک زندہ می داشتند ...... ''[۳]

یا تو عالمگیری دربار کے زوال کے باعث یا شاہ عالمی عہد کے اختصار کے سبب سے دربار

---

۱ خافی خان جلد دوم ص ۶۸۳ ۲ مآثر عالمگیری ذکر اولاد مذکور

۳ خلاصۃ التواریخ از سبحان رائے قلمی نسخہ دار المصنفین

Marfat.com

میں وہ فضا قائم نہ ہوسکی، جو اس کے اسلاف کے زمانہ میں تھی، اس لیے اس کاروبار علم و ہنر کی تابانی اور شعروشاعری کی زمزمہ سنجی سے خالی رہا۔ گذشتہ عہد میں ایران سے علم وادب کا جو سرچشمہ پھوٹا تھا یکایک خشک ہوگیا، بلند پایہ شعراء اور قابلِ قدر فضلاء ناپیدا ہوگئے۔ قابلِ ذکر شعراء میں صرف عبدالقادر بیدل اور نعمت خان عالی باقیات صالحات میں رہ گئے تھے۔ مرزا بیدل بہادر شاہ کے ایامِ شاہزادگی میں اس کے متوسلین میں ضرور تھے، لیکن درباری قصیدہ خوانی کرنا ننگ وعار سمجھتے تھے۔ شہزادہ معظم نے ایک بار قصیدہ کہنے کی فرمایش کی، تو دل برداشتہ ہوکر ملازمت سے کنارہ کش ہوگئے اور بقیہ عمر فقر و توکل میں بسر کی۔[۱]

نعمت خان عالی کا ذکر گذشتہ مضامین میں آچکا ہے، بہادر شاہ نے اپنے زمانہ میں اس کو دانشمند خان کے خطاب سے سرفراز کیا، دانشمند خان اس عہد کی منظوم تاریخ ''شاہ نامہ'' لکھ رہا تھا کہ خود اس کی زندگی کا ورق الٹ گیا۔[۲]

دربار کے دوسرے نامور شاعر یہ تھے۔

میرزا مبارک اللہ مخاطب بہ ارادت خان المتخلص بہ واضح، خان اعظم شاہجہانی کا تیسرا لڑکا تھا۔ اورنگ زیب کے زمانہ میں ارادت خان کا خطاب پایا۔ ۱۱۰۰ھ میں چاکنہ کی فوج داری پر مامور ہوا، پھر ۱۱۰۸ھ میں اورنگ آباد کی فوج داری اور اس کے بعد گلبرگہ کی قلعہ داری پر مقرر ہوا، شاہ عالم کے زمانہ میں منصب چہار ہزاری سے سرفراز ہوا، علم و فضل میں ممتاز تھا۔ صاحب مآثر الامراء کا بیان ہے۔

''مذاق تصوف داشت و در شعر بسیار نازک خیال بود،

۱۔ مآثر الکرام ص ۱۴۸ دیوان کے علاوہ مرزا بیدل کی تصنیفات یہ ہیں، ۱) محیط اعظم ۲) طلسم حیرت ۳) گلگشت حقیقت ۴) طور معرفت، عرفان ۶) بیاض، ۷) نکات، ۸) رقعات، ۹) چہار عنصر

۲۔ مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۱۳۷ نعمت خان عالی کی تصنیفات یہ ہیں، ۱) بہادر شاہ نامہ ۲) وقائع حیدرآباد ۳) رقعات نعمت خان ۴) حسن وعشق ۵) قصائد وقطعہ ہاجوہا ۶) ایک اخلاقی مثنوی (انڈیا آفس لائبریری، مخطوطات فارسی ص ۹۰۳)۔ (دیکھو ص ۴۸)

Marfat.com

واضح تخلص می کرد، صاحبِ دیوان است"[1]

انتخاب کلیات واضح (موجودہ انڈیا آفس لائبریری) میں چھ مثنویاں بھی ہیں، جن میں صوفیانہ خیالات و مسائل منظوم کیے گئے ہیں[2]، تاریخ ارادت خان کے نام سے ایک تاریخ بھی لکھی، جو عالمگیر کی وفات سے لے کر فرخ سیر کے عہد کے واقعات تک پر مشتمل ہے۔[3]

میرزا سید حسین خالص، عالمگیر کے زمانہ میں ایران سے ہندوستان آیا، امتیاز خان کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ بہادر شاہ کے زمانہ میں میر آخور پادشاہی کے عہدہ پر مامور ہوا۔ ایران واپس جا رہا تھا کہ راستہ میں سندھ کے پاس کسی نے قتل کر دیا، تاریخِ وفات "آہ آہ امتیاز خان" سے نکلتی ہے۔ ایک دیوان یادگار چھوڑا، جس میں قصائد، غزلیات، قطعات اور رباعیات ہیں۔ ایک مثنوی بھی اس کے نام سے منسوب ہے۔[4]

قزلباش خان امید، اصلی نام مرزا محمد رضا تھا۔ ہمدان کا رہنے والا تھا۔ بہادر شاہ کے زمانہ میں ہندوستان آیا اور اس کے دامنِ دولت سے وابستہ ہوا۔ قزلباش خاں کا خطاب اور ایک ہزاری منصب شاہی دربار سے ملا۔ چناں چہ خود کہتا ہے۔

---

۱ مآثر الامراء جلد اول ص ۲۰۵، اس کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں۔

رشک فرمائے دلم نیست بجز عیش حباب — یافت یک پیرہن ہستی وآن ہم کفن است

عارف از و پراست ولی اونمی شود — آئینہ رونما شود و رونمی شود

زمقراض فنا نوراست شمع زندگانی را — بود آبِ دمِ شمشیر صندل سر گرانی را

چہ الفت است بزلف تو بیقراراں را — بلے سیاہ پسنداست سوگواران را

سوجم و وحشت کند محروم از ساحل مرا — درطپیدن رفت از کف دامن قاتل مرا

گلہ صاف بہ از عفو غبار آلود است — ہست دوزخ گنہی کہ بمدا را بخشند

بہار وقف صباء گل بکام گلچیں باد — کہ مابہ کنج قفس طرح آشیان کردیم

۲ انڈیا آفس لائبریری کیٹلاگ جلد اول ص ۹۰۹ ۳ الیٹ جلد ہفتم ص ۵۳۲ تا ۵۳۴

۴ فہرست کتب خانہ اودھ اسپرنگر ص ۱۵۰-۱۴۱-۱۲۱-۱۱۱

Marfat.com

ہمچو بلبل ہمیشہ نالایم
ایں بود منصب ہزاری ما

ایک فارسی دیوان چھوڑا[۱]۔ ریختہ میں بھی طبع آزمائی کرتا تھا،فن موسیقی کا بھی ماہر تھا۔[۲]

بندرابن داس بہادر شاہی مصنف خلاصۃ التواریخ کے علاوہ جگ جیون داس ولد منوہر داس بھی بہادر شاہ اول کے درباری متوسلین میں تھا۔ گجرات کا باشندہ تھا۔ ۱۱۱۹ھ میں بہادر شاہ نے لاہور کے دربار میں باریابی بخشی اور وقائع نگاری کی خدمت پر مامور کیا۔ ۱۱۲۰ھ میں اوس نے منتخب التواریخ لکھ کر بارگاہ شاہی میں پیش کی، جس کے صلہ میں خطاب وخلعت اور انعام سے سرفراز ہوا۔[۳]

بہادر شاہ کے انتقال کے بعد مغلیہ سلطنت کے اقبال کا آفتاب اور بھی تیزی سے ڈھلنے لگا، تاریک بادلوں کے اندر سے کبھی کبھی امید کی شعاعیں نکلتی تھیں، تو ان میں نور کے بجائے ظلمت ہی نظر آتی تھی۔ تیموری دربار کا شیرازہ بکھر گیا، تدبر و سیاست میں انتشار آ گیا۔ بیرونی فتوحات کی جگہ اب صرف خانہ جنگیاں رہ گئی تھیں، میدانِ جنگ میں خون آشامیوں کے بعد دربار قائم بھی ہوا، تو اس میں نہ اسلاف کی روایات تھیں، نہ ان کی متانت اور نہ ان کا وقار۔ بہادر شاہ کے بعد جہاندار شاہ تخت نشیں ہوا، گو اس کی حکومت کی مدت صرف دس مہینے رہی، لیکن اس کی بوالہوی اور ہوسناکی نے شاہی دربار کی عزت و ناموس کو ایسا صدمہ پہونچایا کہ آیندہ تمام تیموری سلاطین کی حکومت محض

۱۔ انڈیا آفس لائبریری کیٹلاگ جلد اول ص ۹۲۳

۲۔ اسپرنگر ص ۱۵۳ اس کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں۔

روشن شود بہ پیش توچوں شمع سوزمن | یک شب اگر تو ہم نبیشینی بروز من
خوشا وقتے کہ می بالید از جاناں برودشم | برنگ ماہ نوہر شام پرمی گشت آغوشم
گشت رو گردان زبس آبادی ازو یرانہ ام | چوں کمان حلقہ بیروں شد دروں خانہ ام
خدا ناکردہ اندوہت چرا از دوستاں باشد | شنیدم کلفتے داری نصیب دشمناں باشد

۳۔ مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۲۱۰، اس کے ریختہ کے اشعار کا تذکرہ گلزار ابراہیم از میرزا علی متخلص بہ لطف ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

تذلیل و تضحیک کی داستان بن کر رہ گئی، اس خانہ بربادی اور طوائف الملوکی میں علم و فضل کی مسند دربار میں بچھتی، تو کیوں کر؟ محمد شاہ، شاہ عالم اور بہادر شاہ ظفر میں اسلاف کی علم پروری اور ادب نوازی کا خمیر موجود ضرور تھا، مگر ان کی شمعِ سحر میں ان کے اسلاف کے آفتاب نصف النہار کی ضوفشانی کہاں سے آتی، حکومت محض شامِ غریباں بن کر رہ گئی تھی، اس میں علماء و فضلا کی بہار کہاں سے پیدا ہوتی۔

فرخ سیر کی مدتِ حکومت سات سال رہی اور یہ مغلیہ خاندان کا وہ زمانہ ہے، جب شاہی دربار میں مدبّروں اور ہوش مندوں کا ایک قابلِ قدر اجتماع ہو گیا تھا۔ نظام الملک آصف جاہ کی سیاست، امیر الامراء سید حسین علی خان کی فراست، قطب الملک عبداللہ کی فرزانگی اور میر جملہ کی مردانگی اگر ایک ساتھ متحد ہو جاتیں، تو کیا عجب تھا کہ ایک بار پھر اکبری دبدبہ اور شاہجہانی شوکت کی جھلک نظر نہ آ جاتی، لیکن دربار کی ریشہ دوانیوں اور آپس کی فتنہ انگیزیوں نے تباہی اور بربادی کی چنگاریوں کو اس طرح مشتعل کیا کہ سلطنت محض خاکستر ہو کر رہ گئی۔

فرخ سیر کا ذوق علم و فضل سے عاری رہا، لیکن اس کے درباری امراء تدبر و فراست کے ساتھ علم و ادب میں بھی ممتاز تھے، چناں چہ نظام الملک آصف جاہ ایک اعلیٰ مدبر ہونے کے علاوہ ادیب اور شاعر بھی تھا۔ خافی خان اس کے بارے میں لکھتا ہے۔

”از علوم عقلی و نقلی کہ سرمایۂ حاصل زندگانی و کلید فتحِ ابواب ترقی دنیوی و نجاتِ اخروی است، بہرہ حاصل نمودہ و در ربط کلام نظم و نثر دست تام دارد و شاکر تخلص می نماید، چناں چہ دو سہ بیت از زادۂ طبع آن بزرگ نژاد نگاشتہ می آید“۔

چوں گل بہ بوئے وصل گریبان دریدنی است — آہے زسوز سینۂ بریاں کشیدنی است
زنہار دل بہ نقش و نگارِ جہاں مبسند — رنگے کہ دیدۂ زرخِ گل پریدنی است

Marfat.com

شاکر برنگ برق درین عرصۂ خیال　　دامن زخویش پر زده ره دویدنی است [1]

آصف جاہ کے بارے میں مآثر الکرام میں ہے۔

" نواب طبع موزونی داشت و دیوانے ضخیم از نتائج طبعش فراہم آمدہ " [2]

امیر الامراء سید حسین علی خان کے بیان میں صاحبِ مآثر الکرام رقم طراز ہیں۔

" امیر الامراء خوش ذہن بود و شعر خوب می فہمید و درفن تاریخ دانی منفردمی زیست وار بابِ کمال را فراوان دوست می داشت و بعد نماز صبح اذن بود کہ صاحب کمال در آیندہ و تایك پاس روز با اینہا صحبت می داشت و تاکید بود کہ درآن وقت دیوانیان و متصدیان حاضر نہ شوند ...... میر عبدالجلیل مرحوم تعریف خوش فہمی امیر الامرابسیارمی کرد "۔ [3]

آصف جاہ اور امیر الامراء دونوں علامہ سید عبدالجلیل واسطی بلگرامی کو بہت محبوب اور عزیز رکھتے تھے۔ علامہ موصوف فارسی، عربی، ترکی، سنسکرت اور بھاشا کے فاضلِ اجل تھے اور اپنے ذاتی تقدس اوصافِ عالیہ اور علمی کمالات کے لحاظ سے اب تک عزت و وقعت سے یاد کیے جاتے ہیں۔ امیر الامراء سید حسین علی خان سے ان کے تعلقات کا حال صاحب مآثر الکرام کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

" امیر الامرا سید حسین علی کہ با ایشان الفتے خاص داشت و اکثر در مجالس خود بر ملا می گفت کہ میر عبدالجلیل درین عصر نظیر ندارند ولوازم احترام فوق

---

[1] خافی خان، ص ۷۴۷　　[2] مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۱۸۱　　[3] ایضاً ص ۱۷۱

Marfat.com

الحد بتقدیم می رساند "۔[1]

علامہ موصوف آصف جاہ کے حضور میں نواب امین الدولہ کی وساطت سے پیش کیے گئے ،تو:

" نواب (آصف جاہ) اعزاز و اکرام فراوان بعمل آورد و برابر خود بے فاصلہ جاداد و چون نسخۂ قصیدہ از نظر گذشت ، شمع را نزدیك طلبیدہ اشارہ بانشاد قصیدہ کرد ، ہر یك بیت را بفہم در آوردہ بتوجہ تمام اصفا نمود و جواہر تحسین افشاند ، بعد استماع قصیدہ صلۂ نقد و خلعت و اسپ تکلیف فرمود علامہ مرحوم موافق ضابطہ قدیم خود نپذیر فتند "۔[2]

علامہؒ موصوف کو بھی ان دونوں سے بڑی شیفتگی تھی ۔آصف جاہ کی شان میں جو قصیدہ لکھا،اس میں اپنی عقیدت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

نظام ملت و ملك افتخار اہلِ کرم	قوام دین ود دل آفتاب مجدو علا
چواوندیدہ امیری مہذب الاخلاق	بعینك مہ و مہرایں سپہر پشت دوتا
مثال روح مصوّر بود بپا کی ذات	نشان عقل مجسم بود بہ فہم و ذکا
صفای آئینہ رای او بود چندان	کہ می نماید ازوانچہ رو د بد فردا
کرم زدست گہر بار اوبود ممنون	ظفر بہ تیغ چمن کار او بود شیدا
ہزار شکر کزو مسند وزارت یافت	ہمان کہ یافت تنِ عا ذرا از دم عیسٰے
ملائك از پے آمین این دعاشدہ اند	برنگ نرگس و گل چشم و گوش فوق سما
ہمیشہ ہر دو زہم شاد و کامران باشند	وی از وزارت و از وی وزارتِ اعلی[3]

[1] مآثر الکرام دفتر ثانی ۲۶۳ [2] ایضاً ص ۱۸۲ [3] ایضاً ص ۱۸۲

Marfat.com

امیر الامراء کے قتل سے علامہ موصوف نے سینہ فگار ہو کر جو خونچکان ماتم کیا ہے، وہ ملاحظہ ہو:

آثار کربلاست عیان از جبینِ ہند — زد جوش خونِ آل نبی از زمینِ ہند
شد ساتم حسین علی تازہ در جہان — سادات گشتہ اند مصیبت نشین ہند
نیلی است زین معاملہ پیراہنِ عرب — دز خونِ گریہ سرخ شدا ست آستین ہند
گیتی چراسیاہ نہ گرد و زدو دِغم — خاموش شد چراغ نشاط آفرین ہند
ہند این چنیں مصیبت عظمیٰ ندیدہ است — دیدیم داستان شہود وسنینِ ہند
از داغ دل زدند چراغانِ اشک جوش — این است نو بہار گل آتشین ہند
ماہی در آب می طپد و مرغ در ہوا — از شیون عظیم امیر مہین ہند
ہند از شہادتش تن بے روح گشتہ است — یعنی کہ بود او نفس واپسین ہند[1]

فرخ سیر کے درباری امراء میں مرزا عبدالمعالی عالی وزارت خان بھی شعر و شاعری میں طبع آزمائی کرتا تھا گرامی تخلص رکھتا تھا، مآثر الامراء میں ہے:

"وزارت خان متخلص بہ گرامی بحسنات شگرف سر آمداوان بود، طبع موزوں داشت، صاحبِ دیوان است این شعر از و مشہور۔

تا قافلہ سالار جنوں فال سفر زد — دیوانۂ ما دامن صحرا بکمر زد[2]

محمد شاہ:

محمد شاہی عہد میں سادات کے قتل کے بعد خانہ جنگیوں کی کمی نسبتاً ضرور رہی، لیکن اس کے طویل زمانہ میں وہ تمام سامان ایک ایک کر کے جمع ہونا شروع ہو گئے، جو ایک عظیم الشان سلطنت

---

[1] مآثر الکرم دفتر ثانی ص ۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳
[2] مآثر الامراء جلد اول، ص ۲۶۷

Marfat.com

کو نیست و نابود کرنے کے لیے ضروری ہیں، دربار میں اکبری الوالعزمی کے بجائے شیشہ و پیانہ کی بدمستی تھی، شاہجہانی شوکت وحشمت کی جگہ حسرت و یاس کی تصویر تھی اور عالمگیری جاہ وجلال کی جگہ بے بسی اور بے کسی کا عبرت ناک منظر تھا، بادشاہ وقت اپنے امراء اور درباریوں کے ہاتھ میں ایک بے جان آلہ کار رہ گیا تھا، خود غرض امراء میں نہ نیت کی پاکیزگی تھی، نہ مقصد کی یکجہتی، رہی سہی قوت نادر خان کی خون ریزی، مرہٹوں کی غارتگری اور روہیلوں کی سرکشی سے جاتی رہی، تیموریوں کی عظیم الشان حکومت کی بساط اب الٹنے کو تھی، صدیوں کا لگایا ہوا چمن ہمیشہ کے لیے ویران ہونے کو تھا اور ایک پرشکوہ تہذیب وتمدن کا شیرازہ بکھرنے والا تھا۔

سلطنت کا دبدبہ اور حکومت کی شوکت تو جا ہی رہی تھی، مغلیہ سلاطین اپنی زبان بھی کھو بیٹھے، دربار اور بازار میں فارسی کے بجائے اب ہندوستانی زبان کا اثر اقتدار تھا، ایک حکمران قوم سے جب دولت گئی اور زبان بھی گئی، تو پھر اس کے مٹنے میں کیا دیر تھی، صرف وقت کا انتظار تھا۔

محمد شاہ نے فارسی زبان کے بجائے ہندوستانی زبان میں اپنے علمی ذوق کا اظہار کیا، بارہ ماسہ اور بکٹ کہانی دو تصانیف اس کے نام کے ساتھ منسوب ہیں، اس نے ہندوستانی زبان میں طبع آزمائی بھی کی ہے، اشعار ملاحظہ ہوں۔

پیری میں نہ کس طرح کروں سیر جہان کی دن ڈھلتے ہی ہوتا ہے تماشہ گزری کا

کھول کر بند قبا دل کے تئیں غارت کیا کیا حصار قلب دلبر نے کھلے بندوں کیا

خوف سے مار کے یاراں اسے لرزاں نہ کرو زلف کا نام نہ لو اور پریشان نہ کرو

مندرجہ بالا اشعار کی زبان کتنی صاف ہے، یہ وہ زمانہ ہے، جب ہندوستانی زبان دکن سے شاہجہان آباد آ گئی تھی، ولی دکنی دکن سے دہلی آئے، تو ان کی شاعری کی غلغلہ ہر طرف پھیلا، محفلوں میں ان ہی کی غزلوں کا چرچا ہوتا، ارباب نشاط ان ہی کی غزلیں گاتے، سنتے اور سر دھنتے تھے، اس کے نتیجہ میں یہ ہوا کہ فارسی کے کہنہ مشق اساتذہ بھی ریختہ میں طبع آزمائی کرنے لگے، چناں چہ قزلباش خاں امید، مرزا عبدالقادر بیدل، سراج الدین علی خان آرزو، مرزا علی قلی خان ندیم اور

Marfat.com

مرزا مرتضیٰ قلی فراق جیسے باکمال فارسی شعرا نے بھی ریختہ میں اشعار موزوں کیے ہیں [1]، یہی نہیں بلکہ تھوڑے دنوں کے اندر درباریوں، مجلسوں اور بازاروں میں فیضی، نظیری، عرفی، طالب قدسی، صائب اور کلیم کے بجائے مظہر، سودا، میر، درد، اثر، ذوق، مومن اور غالب کی زمزمہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں کا چرچا ہو گیا، شعراء کی تمام جولانیاں ہندوستانی زبان میں ہونے لگے، مگر شراب وہی رہی صرف شیشہ و ساغر بدل گیا۔

محمد شاہ کا عہد اس لحاظ سے نہایت ممتاز تھا کہ اس میں بڑے بڑے اربابِ فضل و کمال مجتمع تھے۔ فارسی شعراء میں قزلباش خان امید، سلیمان قلی خان داؤد، علی قلی خان ندیم، شیخ سعد اللہ گلشن، مرتضیٰ قلی خان فراق، میر شمس الدین فقر، مرزا عبدالقادر بیدل، سراج الدین علی خان آرزو، فائز، شہرت، صابر، مخلص، ریختہ گوئی میں نواب عمدۃ الملک نواب عنایت خان راسخ نواب محمد شاکر خاں شاکر خان عالیشان جعفر علی خان، خواجہ ناصر عندلیب، شاہ، حاتم، میر ضاحک، میاں عبدالحیٔ تاباں، جعفر زٹلی، مرزا مظہر جانجاناں اور ہندی شعراء میں اعظم خان دیوی کوئی، صورت مسر، وغیرہ موجود تھے، یہاں پر ہم صرف ان شعراء کا ذکر کریں گے، جن کا تعلق براہ راست محمد شاہ سے رہا۔

انجام امیر خاں نام اور نواب عمدۃ الملک خطاب تھا، عمدۃ الملک نواب امیر خاں عالمگیری کا بیٹا تھا، شعر و شاعری اور لطیفہ گوئی میں نہایت ستھرا انداق رکھتا تھا، محمد شاہ کے نہایت محبوب ہم جلیسوں میں تھا، تذکرۂ گلزار ابراہیم میں نواب موصوف کا ذکر اس طرح ہے۔

> ''اس عالی دودمان کو شاہ عالم پناہ محمد شاہ سے ایسی صحبت بر آرہوئی تھی کہ رشک تھا، ان سب ارکانِ دولت کو اور اعیان مملکت کو حسد تھا، لطیفہ گوئی کی طرف ان کی طبیعت نہایت مصروف تھی اور خوش طبعی سے مزاج بہ شدت مالوف، گردشِ چشم کے سمجھنے میں زمانے کے استاد تھے اور شیریں کلامی میں اپنے وقت کے فرہاد موجود ناز و انداز کی تہ داریوں کے اور اختراع کرنے والے چتون کی جادو کاریوں کے گانے میں دخل ایسا تھا کہ استاد اس فن کے

[1] ان کی ریختہ گوئی کی مثال گلشنِ ہند مصنفہ مرزا علی لطف میں ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

دم شاگردی کا مارتے تھے اور نا بید کی باتوں میں بڑے بڑے گیانی ان کے آگے جی ہارتے تھے، بادشاہ کو ایسا اپنی طرف مصروف کر لیا تھا کہ ایک دم کی جدائی ان کی جہان پناہ کو شاق تھی اور آٹھ پر☆ طبیعت ان کی طرف مشتاق تھی۔'' [1]

۱۱۵۶ء میں شاہی دربار کی سازشوں سے قتل ہوا، فارسی اور ہندوستانی دونوں میں اشعار کہتا تھا [2]، اس کا دربار شعراء کا مسکن بنا ہوا تھا، بذلہ سنجیوں کی محفلیں برابر گرم رہتی تھیں، زمانہ کے تمام باکمال اربابِ سخن اس کے یہاں جمع ہوتے، نواب عنایت خان راسخ اور نواب حمد شاکر خان شاکر پانی پت سے آکر شریکِ بزم ہوتے تھے، شرف الدین مضمون، خواجہ ناصر عندلیب، شاہ حاتم، میر ضاحک اور ہندی زبان کے شعراء میں انندگھن، دیوی کوی اور صورت مسر بھی نواب موصوف کی علم پرور صحبتوں سے لطف اندوز ہوتے تھے، میر محمد شاکر ناجی نواب کے نعمت خانہ کے داروغہ تھے۔[3] ہندرابن خوشگو نے سفینہ خوشگوار اور تذکرۃ المعاصرین لکھ کر اس کی سرکار میں پیش کیں اس نے پوری قدردانی کی اور دو روپیہ روزینہ وظیفہ مقرر کیا۔[4]

خان عالیشان جعفرعلی خان، مرزا مومن بیگ کا لڑکا تھا، ذہین، ذکی اور طباع شاعر تھا، محمد شاہ نے سہ ہزاری منصب پر فائز کیا، محمد شاہ کی فرمائش پر ''مثنوی حقہ'' لکھنی شروع کی، لیکن نامکمل رہ گئی، میاں حاتم نے اس کو پورا کیا۔[5]

شہرت شیخ حسین شیرازی عربی النسل تھا، لیکن ایران میں نشو ونما پائی، عالمگیر کے عہد میں ہندوستان آیا، محمد اعظم کا طبیب مقرر رہا، فرخ سیر نے حکیم الممالک کا خطاب دیا، محمد شاہ کے

☆ آٹھ پہر ہو جانا چاہیے تھا، ٹائپ کی غلطی ہے۔

[1] گلزار ابراہیم (انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد) ص ۱۴ تذکرہ میر حسن میں ہے۔

''نواب امیر خان از امرائے عظام وظرفائے عالی مقام نواب عمدۃ الملک خوش طبع وشیریں کلام از مقربان درگاہ فردوس آرام گاہ بود، لطائف وظرائفِ او مشہور ومعروف است۔ (ص ۴۵، مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ)

[2] ایضاً، [3] گل رعنا، ص ۱۰۷ [4] معارف نمبر ۲ جلد ۳ ص ۶۰

[5] تذکرہ میر حسن، ص ۴۷

Marfat.com

عہد میں چہار ہزاری منصب سے سرفرازی حاصل ہوئی [۱]، ۱۱۹۴ھ میں وفات پائی، پانچ ہزار اشعار کا ایک دیوان چھوڑا [۲]

مصطفیٰ قلی خان یکرنگ تذکرۂ میر حسن میں ہے۔

"در گلشن بہار سخن آب ورنگ و در چمن گلزار معانی بلبل خوش آہنگ مصطفیٰ قلی خان المتخلص بہ یکرنگ مرد عمدہ بود، در عہد فردوس آرام گاہ نبیرۂ خان جہان لودھی در سلک ملا زمانِ بادشاہی منسلک بود" [۳]

رائے اندرام مخلص، مخزن الغرائب میں مخلص کا حال اس طرح درج ہے۔

"وی از اعیان چھتریاں است بہ صیغۂ وکالت نواب اعتماد الدولہ قمر الدین خان بہادر و نور الدین خان گو پاموی کہ ناظم صوبہ ارکاٹ دکن بودہ در حضور محمد شاہ بادشاہ شرف اندوزی داشت، بسبب جانی و فرہبی از مجرائے بادشاہ باز ماندہ ...... در شعر تلمذ از مرزا بیدل داشت، بعد ازاں اشعار خود را از نظر خان آرزو گذرانیدہ، خانہ اش در شاہجہان آباد مسکن فضلاء و شعراء بود" [۴]

---

۱ مآثر الکرام دفتر ثانی، ص ۳۰۱

۲ اسپرنگر، ص ۱۵۶ ابوڈلین لائبریری میں اس کا دیوان موجود ہے، اشعار کے نمونے مآثر الکرام دفتر ثانی، ص ۲۰۳ پر ملاحظہ ہوں۔

۳ تذکرہ میر حسن، ص ۲۱۷

۴ مخزن الغرائب قلمی نسخہ، دار المصنفین اعظم گڑھ، اس کے ریختہ کے اشعار تذکرہ میر حسن اور گلزار ابراہیم میں ملاحظہ ہوں۔

Marfat.com

آنند رام مخلص نے تذکرہ کے نام سے ایک تاریخی کتاب بھی لکھی ہے، جس میں نادر شاہ کے حملہ کے چشم دید واقعات ہیں (الیٹ جلد ہشتم، ص ۷۶)۔

لال رام، باپ کا نام رائے دولہ رام تھا، اس کا دادا رائے کنجمن عالمگیری ملازموں میں تھا، لال رام محمد شاہ کی سرکار میں نوکر تھا، ۱۱۴۸ھ میں تحفۃ الہند ایک مستند تاریخی کتاب لکھ کر دربار شاہی میں تحفہ پیش کی۔[1]

محمد شاہ کا علمی کارنامہ علم ہیئت سے متعلق ہے، یہ کارنامہ اس کے درباری ہندو امیر راجہ جے سنگھ کچھواہا کے حسنِ ذوق اور مساعی جمیلہ سے تکمیل کو پہونچا، جے سنگھ عالمگیر اور اس کے جانشیوں کے عہد میں فوجی خدمت کے لیے ممتاز تھا، محمد شاہ کے عہد میں آگرہ اور مالوہ کا گورنر مقرر ہوا، جے سنگھ ایک کامیاب فوجی افسر اور باوقار حاکم ہونے کے علاوہ علم و ہنر کا بھی سرپرست تھا، عربی علوم وفنون میں خاص دست گاہ رکھتا تھا، علم ہیئت سے اس کو بڑی دل چسپی تھی اس نے الغ بیگ کی زیچ جدید، ملا چاند اکبری کی تسہیلات اور ملا فرید شاہجہانی کی زیچ شاہجہانی کے اصول پر زیچ محمد شاہی ترتیب دے کر بادشاہ کے حضور میں پیش کی، اس فن سے محمد شاہ کی دل چسپی اور شغف کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے، کہ اس کے حکم سے مسلمان برہمن اور فرنگی علمائے ہیئت جمع کئے گئے اور ۱۱۳۷ھ میں دلی میں ایک جدید رصد خانہ کی تعمیر کا کام شروع ہوا، میرزا خیر اللہ مہندس اس کا مہتمم تھا، اس رصد خانے میں بعض آلات ایسے تھے، جو سمرقند کے الغ بیگی رصد خانے میں استعمال کئے جاچکے تھے اور بعض خود راجہ مذکور کے ایجاد کئے ہوئے تھے۔[2]

---

[1] معارف نمبر ۲ جلد ۴ محمد شاہ کی علمی کی نوازی کا پتہ اس سے بھی چلے گا کہ ایک بار اس نے نواب اعتماد الدولہ قمر الدین خان کو مرزا مظہر جانجاناں کے پاس بھیج کر کہلا بھیجا، اتنا بڑا ملک خدا نے مجھ کو دیا ہے، اس میں جو کچھ چاہئے، قبول فرمائیے لیکن مرزا صاحب کے استغنا کا یہ حال تھا کہ ہنس کر فرمایا ''قل متاع الدنیا قلیل'' خدا نے ہفت اقلیم کو قلیل فرمایا ہے، پھر ایک اقلیم میں سے ایک ولایت آپ کے حصہ میں آئی ہے، وہ کتنی ہے کہ فقیر اس کی طرف طمع کا ہاتھ بڑھائے۔ (گل رعنا، ص ۱۲۳)

[2] ملاحظہ ہو علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کا مضمون ''مسلمانوں کے عہد میں ہندوؤں کی علمی و تعلیمی ترقی'' (معارف نمبر ۵، ص ۲۲۹)

Marfat.com

راجہ نے اس غرض سے کہ رصد خانے کی تمام تحقیقات صحیح ہوں اور ان کی تصدیق ہوتی جائے، دہلی کے رصد خانہ کے نمونے پر جے پور متھرا، بنارس اور اجین میں بھی رصد خانے بنوائے، ان رصد خانوں میں ہندو مسلمان اور فرنگی علمائے ہیئت نے سات برس تک کام کیا یہی نہیں، بلکہ کچھ لوگ پادری مینویل کی معیت میں یورپ گئے اور وہاں سے جو معلومات اور تحقیقات حاصل ہوئیں ان کا مقابلہ یہاں کے اصولوں سے کیا گیا، پھر ان تحقیقاتوں سے زیچ محمد شاہی تیار کی گئی، جو تین مقالات پر مشتمل ہے، اول اور معرفت سنین، دوم در معرفتِ طالع ہر وقت، سوم در معرفت رفتار سیارات وثوابت[1] اس سلسلہ میں راجہ مذکور نے مزید قابلِ قدر خدمت یہ انجام دی کہ عربی زبان کی مستند علم ہیئت کی کتابوں کا ہندی میں ترجمہ کرایا اور اس پر ہزاروں روپے صرف کیے۔[2]

محمد شاہ کے بعد مغلیہ سلطنت کی مدت کہنے کو تو ایک سو دس برس اور رہی، لیکن دلی کی حکومت بقول آزاد ایک ''ٹوٹی پھوٹی ہوئی درگاہ'' تھی، جس کے پانچ اور سجادہ نشین ہوئے، احمد شاہ[3] کی وفات پر شہنشاہ عالمگیر کے وارثوں کے قبضہ میں دوآبہ اور ستلج کے چند ضلع رہ گئے تھے، گجرات مرہٹوں کی پامالی میں تھا، بنگال، بہار اور اڑیسہ علی وردی خان کے جانشینوں کے تصرف میں تھے، اودھ میں صفدر جنگ کا پرچم لہرا رہا تھا، وسطِ دوآب میں بنگش حکم رانی کر رہے تھے، روہیلکھنڈ، روہیلوں کے قبضہ میں تھا، پنجاب احمد شاہ درانی کو دے دیا گیا تھا، دکن میں نظام کی اولاد جھگڑ رہی تھی، ان کے علاوہ یوروپین طاقتیں علحدہ اپنے قدم جمارہی تھیں، ایسی حالت میں جب کہ تیموری سلاطین خود نان شبیہ کے محتاج ہونے کو تھے، علم وفضل کی سرپرستی کہاں سے کر سکتے تھے۔

عالمگیر[4] ثانی کے الم ناک قتل کے بعد شاہ عالم بادشاہ ہوا، تو پہلے وہ انگریزوں کا وظیفہ

---

۱ ملاحظہ ہو علامہ سید سلیمان ندوی کا مضمون ہذا نیز دیکھو فہرست مشرقی کتب خانہ، پٹنہ، جلد یازدہم ص ۲۹

۲ ملاحظہ ہو علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کا مضمون ہذا۔

۳ اشرف علی افغان احمد شاہ کے کوکہ تھے، بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی میں یکتائے زمانہ تھے، اس لئے احمد شاہ نے ان کو ظریف الملک کوکہ خان بہادر کا خطاب دیا تھا۔ (گلشن ہند از مرزا علی لطف ص ۱۸۴)

۴ کہا جاتا ہے کہ عالمگیر ثانی نظام الدین اولیاء کے مزار مقدس پر پہونچ کر اپنی بادشاہت کے لیے دعا کیا کرتا تھا، جب تخت کا مالک بنا، تو منقبت میں یہ اشعار کہے

(بقیہ حواشی اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

خوار رہا، پھر مرہٹوں کے ہاتھ لال قلعہ کے اندر ایک معزز قیدی بنا اور اس کے بعد غلام قادر کی سفا کیوں سے تیموری سلطنت کے فرماں روا کا جو انجام ہوا، وہ اربابِ بصیرت کے لیے عبرت کا مقام ہے، اسی قلعہ معلّٰی کے اندر جس کے مکینوں کی غضب آلود نگاہوں سے ہزاروں سرکش کانپ اُٹھتے تھے، خود ان کی ایک اولاد ایک ظالم سرکش کے پنجوں میں گرفتار تھی، اسی پُرجلال دربار کا ایک اورنگ نشیں جس کے اسلاف کی صولت و دبدبہ کے سامنے بڑے بڑے اربابِ ثروت وحشمت سرِ عجز و نیاز جھکاتے تھے، ایک ستم ایجاد اور بے درد باغی کے سامنے سرِ تسلیم خم کیے ہوئے تھا، جن کی ہیبت کے سامنے اربابِ دانش پلک مارنا بھی سوء ادب سمجھتے تھے، ان کا ایک فرزند سرِ دربار بے حس وحرکت پڑا ہوا تھا اور اس کے سینہ پر ایک شقی القلب روہیلہ سوار تھا، مال و دولت کی تلاش میں حرم کی دیواریں کھودی جا رہی تھیں، نازنینانِ حرم کے پھول سے رخسار طمانچوں سے سرخ کیے جا رہے تھے، شہزادیوں کے دیدۂ تر سے خون کی نہریں رواں تھیں، آہ و بکا کے شور سے قلعہ معلّٰی کے در و دیوار گونج رہے تھے، عین اسی حالت میں ایک ظالم ''جفاجو'' اور ''کینہ پرور'' روہیلہ نے:

نکالی شاہ تیموری کی آنکھیں نوکِ خنجر سے

(اقبال)

شاہ عالم کو موت نہیں آئی، وہ پھر بادشاہ بنایا گیا، لیکن وہ بادشاہ نہ تھا، دنیا کے لیے عبرت کا درس تھا، اس نے اپنی بے کسی کا ماتم خود کیا ہے۔

چہ حادثہ برخاست پئے خواری ما — داد برباد سرو برگ جہانداری ما
آفتاب فلک رفعت شاہی بودم — برو در شامِ زوال آہ سیہ کاری ما
چشم من کندہ شد از جور فلک بہتر شد — کہ نہ بینم کہ کند غیر جہانداری ما

(بقیہ حواشی صفحہ نمبر ۳۳۵)

جو ہووے خادم نظام الدین کا دل سین اے غریب — اس کے تئیں ہوتا ہے تاج خسروی جگ میں نصیب
خادمی کی تھی عزیز الدین نے باصدق و یقین — تاج شاہی ہند کا مجھ کو دیا ہے عنقریب
مرض دل افگار کا میرے وہ صحت بخش ہے — بے غذا و بے دعا و بے دوا او بے طبیب
بس پریشاں حال ہے اب خلق میں محبوب حق — فضل کر؟ داروں پر، ہو تم حق کے حبیب

Marfat.com

دادافغان بچہ شوکت شاہی برباد | کیست جز ذات خدائے کہ کندیاری ما
کردہ بودیم گناہے کہ سزایش ایں بود | چیست امید کہ بخشد گنہ گاری ما
کردہ سی سال نظارت کہ مراد ادبرباد | زود تریافت تلافی ستمگاری ما
نازنینان پری چہرہ کہ ہم بزم بودند | کیست جز محل مبارک بہ پرستاری ما
حق طفلاں کہ زسی سال فراہم کردند | کردہ تاراج نمود ند سبکساری ما
عہد و پیمان عیاں دادہ نمودند غا | محلیاں خوب نمودند وفاداری ما
شیر دادیم بہ افعی بچہ پروردیم | عاقبت گشت بجور پے خونخواری ما
قوم افغان و مغلیہ ہمہ بازی دادند | بسکہ گشتند مجوز گرفتاری ما
این گداز اداہ ہمدان کہ بہ دوزخ برود | بانی جوروستم شد بہ دل افگاری ما
گل محمد کہ زمرواں بہ شرارت کم نیست | چہ قدر کردو کالت پئے آزادی ما
نامراد و سلیمان و بدل بیگ لعین | ہرسہ بستند کہ رہبرِ گرفتاری ما
شاہ تیمور کہ وارو سرِ نسبت باہن | زود باشد کہ بیاید بہ مددگاری ما
مادھو جی سیندھیا فرزند جگر بندمن ہست | ہست مصروف تلافی ستمگاری ما
آصف الدولہ و انگریز کہ دستور من اند | چہ عجب گربہ نمایند مددگاری ما
راجۂ وراؤ زمیندار امیر و چہ فقیر | حیف باشد کہ نہ سازند بہ غم خواری ما
نازنینانِ پری چہرہ کہ ہمدم بودند | نیست جز محل مبارک بہ پرستاری ما

گرچہ ما[1] از فلک امروز حوادث دیدیم
باز فرداد ہد ایزد سرسرداری ما

ان اشعار سے ظاہر ہے کہ شاہ عالم سخن گوئی میں کافی مہارت رکھتا تھا، اس کا تخلص آفتاب تھا، فارسی اور ہندوستانی دونوں زبان میں اشعار موزوں کیا کرتا تھا، محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ وہ بڑا مشاق شاعر تھا، جس کے چار دیوان اردو میں موجود ہیں[2]۔ لیکن انڈیا آفس کے کتب خانہ میں ایک ہی جلد ہے[3]، برٹش میوزیم، بوڈلین[4] اور اسپرنگر[5] کی فہرست میں بھی ایک ہی کا

ایک دوسرے نسخے میں نامراد کے بجائے الہ یار لکھا ہے۔

۱ ایک دوسرے نسخہ میں گرچہ ما کے بجائے آفتاب ہے۔ ۲ آب حیات ص ۷۳

۳ ملاحظہ ہو انڈیا آفس لائبریری کیٹلاگ جلد ص ۹۳۷ ۴ ایضاً ص ۷۲۰ ۵ ایضاً ص ۳۱۸

Marfat.com

ذکر ہے۔ انڈیا آفس لائبریری کے دیوان میں شاہ موصوف کی ایک مثنوی موسوم بہ ''منظوم اقدس'' بھی شامل ہے، جس میں شاہ چین مظفر شاہ کا قصہ ہے۔ مولوی ذکاء اللہ کا بیان ہے کہ ''شاہ عالم نے نثر میں چار جلدوں میں ایک قصہ بھی لکھا ہے، جس سے ہر زمانہ کے ادنیٰ، متوسط اور اعلیٰ آدمیوں کا طرزِ معاشرت معلوم ہوتا ہے، اس کا نام شاہ عالم کا قصہ ہے۔[1]

شاہ عالم نے اپنے عہد کے تمام ممتاز شعراء مثلاً، سودا، میر، درد، نصیر، انشاء، زار، ممنون، احسان، قاسم اور فراق سے کچھ نہ کچھ ضرور واسطہ رکھا، جہاں دہلی کے تمام شعراء جمع ہو کر اپنی جولانی طبع دکھاتے تھے[1]، وہاں شاہ عالم اپنی غزلیں بھیجتا تھا، سودا کو اپنا کلام دکھاتا تھا[2]۔ خواجہ میر درد کے یہاں محفلِ سماع میں شرکت کرنے کے لئے کئی بار گیا، ایک بار پانوں میں درد تھا، ضبط نہ کر سکا، ذرا پاؤں پھیلا دیا، خواجہ صاحب اس کے متحمل نہ ہو سکے، فرمایا کہ یہ امر فقیر کی آدابِ محفل کے خلاف ہے، شاہ عالم نے عذر کیا اور معافی چاہی، خواجہ صاحب نے فرمایا، اگر طبیعت ناساز تھی، تو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی[3]۔ سید انشاء اللہ خان انشاء کو خاص طور سے بہت محبوب رکھتا تھا، ان کی ایک لمحہ کی جدائی اس کو گوارا نہ ہوتی تھی[4]، مگر عبرت کا مقام یہ ہے کہ جس کو اسلاف ایک ایک شعر کے صلہ میں شعراء کا منہ زرو جواہر سے بھرتے تھے اور ان کو سونے چاندی میں تلواتے تھے، آج ان کے وارث کے پاس اتنا بھی نہ تھا کہ اپنے محبوب شاعر کے بچوں کے لیے دو دو کھجوریں لے جانے کے لیے کچھ رقم دیتا۔[5]

شاہ عالم کی اردو شاعری کے نمونے ملاحظہ ہوں:

کیجئے ہمدم بھلا کیوں کر نہ شکوہ یار کا
ہم تو بندے اس کے ہوں وہ یار ہو اغیار کا

خانۂ دل کو جلایا اک نگہ سے اس نے آہ
ہو جیو یارب بھلا اس چشم آتشبار کا

صاف کل آنکھیں تری کہتی تھیں عاشق سے پکار
کر سکے عیسیٰ مداوا اپنے کب بیمار کا

خون ہوویگا گلوں کو دیکھنا ہرگز صبا
نام مت لینا چمن میں اس بتِ خونخوار کا

کب ترے عشاق بیٹھیں حشر میں طوبیٰ تلے
یاد آوے دل میں جب سایہ تری دیوار کا

دیکھ کر کل نبض میری یوں لگا کہنے طبیب
کوئی بھی جانبر ہوا بیمار اس آزار کا

---

1. آبِ حیات، ص ۳۴۲   2. گلِ رعنا، ص ۱۳۳   3. ایضاً، ص ۱۷۱
4. آبِ حیات، ص ۳۴۱   5. ایضاً ۲۴۶

Marfat.com

صرف کعبہ میں نہ کر اوقات کو ضائع تو شیخ ڈھونڈھ جا کر ہر طرف نقشِ قدم دلدار کا

اس قدر افسردہ دل کیوں ان دنوں ہے آفتاب
دیکھ کر ہوتا ہے تجھ کو تنگ دل گلزار کا

....

صبح تو جام سے گزرتی ہے شب دل آرام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے اب تو آرام سے گزرتی ہے

ولہ

تصور ترا جس کو اے یار ہوگا اوسے غیر سے کیا سروکار ہوگا
مرالختِ دل اشک میں ڈھونڈنا اسی قافلہ میں وہ سالار ہوگا
دیا دل تو ہے آفتاب اوسکو لیکن خدا جانے کیا عاقبت کار ہوگا

ولہ

چھیڑنے کا تو مزہ یہ ہے کہو اور سنو بات میں تم خفا ہوگئے اور سنو

ولہ

آئے جو خواب میں وہ بھی یوسف لقا تو پھر اے آفتاب دولتِ دیدار سمجھئے

....

جوں شمع تا سحر شبِ فرقت میں آفتاب بے اختیار مجھ کو رولاتی ہے چاندنی

....

ترقی اس مانگ سے کیا معنی دلخواہ ہے پیدا شب معراج کی اس خط سے گویا راہ ہے پیدا

....

مدت سے اشتیاق ہے پیارے جو آئیے بٹھلا رواقِ چشم میں سیریں دکھائیے [1]

---

[1] یہ اشعار تذکرۂ گلزار ابراہیم (انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد) تذکرہ ہندی مصنفہ مصحفی اور گلشن بے خار سے لیے گئے ہیں۔

Marfat.com

بہادر شاہ ظفر

بہادر شاہ ظفر تیموری سلاطین کا خاتم ہے، وہ بادشاہ بنا، لیکن حکم رانی کے لیے نہیں، بلکہ اپنے اسلاف کی سطوت وعظمت کی یاد میں خون کے آنسو بہانے کے لیے، سلطنت ایک بیرونی قوم کے قبضہ میں جا چکی تھی، سکّوں پر سے آل تیمور کا نام مٹ چکا تھا؛ بادشاہ محض ایک وظیفہ خوار کی حیثیت سے رہ گیا تھا اور پھر بھی بادشاہ کہلاتا تھا، اس کی ساری بادشاہی قلعہ معلّیٰ کی چہار دیواری تک محدود تھی، جہاں وہ نہ امورِ سلطنت کے لیے فرامین صادر کرتا اور نہ اعیانِ حکومت کی مجلسیں منعقد کرتا، بلکہ صرف دل کے پھپھولے توڑتا اور جب وہ پھوٹ کر بہ جاتے، تو اس کے سوز وگداز کا اظہار اپنے نالہاے موزوں سے کیا کرتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اس کی آپ بیتی کو پڑھ کر دل پر جو اثر ہوتا ہے۔ وہ اور شعراء کی جگ بیتی سے نہیں ہوتا، خود کہتا ہے:

اے ظفر یہ تیرے اشعار ہیں یا نالۂ زار

کیا بلا ہیں کہ جو یوں دل میں اثر کرتے ہیں

ظفر تاج وتخت کا نہ سہی، لیکن اقلیمِ سخن کا بادشاہ تھا، جہاں اس نے اپنی طبیعت کی ذہانت، ذکاوت اور بے قراری کے ایسے جوہر دکھلائے کہ اگر وہ انھی اوصاف کو سیاسی کام میں لاتا تو کیا عجب تھا کہ وہ اپنی ظفریاب فوجوں کے ساتھ اغیار کے شہروں اور ملکوں پر اپنی فتح وکامرانی کا پرچم لہراتا نظر آتا اور ایک کامیاب مدبر اور سیاست دان بھی ثابت ہوتا، لیکن نہ اب رزم کی معرکہ آرائیاں تھیں اور نہ بزم کی نکتہ آفرینیاں، لامحالہ ایک بے چین اور بے قرار ذہن کی تمام قوتیں ایک ہی طرف منتقل ہوگئیں اور وہ شعروشاعری کا میدان تھا۔

ظفر کا دور ہندوستانی شاعری کا دورِ شباب تھا، نصیر، ذوق، ممنون، مومن، غالب، تسکین اور شیفتہ کی شاعری نے ریختہ گوئی کی زمین کو آسمان پر پہونچا دیا تھا، ان ہی اساتذہ کے ساتھ ظفر نے

Marfat.com

بھی طبع آزمائی کی اور نمایاں حیثیت حاصل کی۔ نصیر نے ریختہ گوئی میں مضمون آفرینی کی بنیاد ڈالی، ذوق نے غزل کو زبان اور محاورات سے آراستہ کیا، مومن اپنی نازک خیالی اور شوخی ادا کے لیے ممتاز رہے، غالب کے طرزِ بیان، مسائل تصوف اور نکاتِ فلسفہ نے شاعری کو عرشِ معلیٰ پر پہونچادیا، مگر اس گروہ میں ظفر کی شاعری میں جو سلاست، صفائی اور روزمرہ کی سادگی پائی جاتی ہے، وہ اسی کا حصہ ہے۔

طرزِ سخن کا اپنے ظفر بادشاہ ہے — اس کے سخن سے یاں نہ کسی کا سخن لگا
ظفر کلام میں تیرے عجب صفائی ہے — کہ ہر سخن ترا دُرِ خوش آب سا چمکا
خدا نے وہ روانی دی ظفر تیری طبیعت کو — ترا ہر شعر تر ہر بحر میں بحرالمعانی ہے

ظفر شاعری سے مناسبتِ ازلی رکھتا تھا، ایامِ شاہزادگی سے زندگی کے اخیر دنوں تک شعر وسخن کی مشق کرتا رہا، ولی عہدی کے دنوں میں دلی کے تمام باکمال شعراء[1] اس کے درِ دولت پر حاضر ہوتے اور وہ اپنا کلام سناتا اور ان سے ان کے نتائجِ فکر سنتا، سریرآرائے حکومت ہوا، تو قلعہ معلیٰ کے اندر بزمِ مشاعرہ منعقد کراتا، کبھی کبھی شہر میں جاکر مشاعروں میں شریک ہوتا، اپنی غزلیں پڑھتا، دوسروں کی سنتا، داد لیتا تھا، یہاں تک کہ اساتذۂ فن میں شمار کیا جانے لگا، چناں چہ تمام اربابِ نظر نے اس کی سخن سنجی اور نکتہ آفرینی کی دل کھول کر داد دی ہے۔[2]

---

۱ مثلاً حکیم ثناءاللہ فراق، حافظ عبدالرحمٰن خان احسان، حکیم قدرت اللہ خان قاسم، میر قمرالدین منت نظام الدین، ممنون۔

۲ نواب مصطفیٰ خان شیفتہ جو ظفر کے ہمعصر تھے اور اس کی صحبت میں شریک بھی ہوئے تھے، لکھتے ہیں۔

"بہ اکثر صفات موصوف و محامد مکارم معروف، دراکثر خطوط دستگاہے شایستہ دارد ...... با این فن (یعنی شاعری) بسیار مالوف است، شیخ ابراہیم ذوق از مائدہ نعمتش زلہ رباد وظیفہ خوار است و افکار ایشان بحک و اصلاح آوردہ است و ہموار۔"

منشی احمد حسین سحر تذکرۂ بہارِ بے خزان (۱۲۶۱ھ) میں ظفر کے متعلق لکھتے ہیں:

"ظفر تخلص مرزا ابو ظفر بادشاہ دھلی بفن شعر میلے و مناسبتے تمام وارد، ابراھیم ذوق از مخصوصان حضرت اوست و افکار ایشان با صلاحِ اوچوں گوہر آبدارند۔"

تذکرۂ بزمِ سخن میں ظفر کے بارے میں ہے:

"درسخن پایہ ارجمند داشت، گفتارش اگرچہ سادہ پر کار است ہمہ اش خاطر شکار است محاورہ گوئی ازان اوست و معاملہ نویسی زیرِ فرمانِ او۔"

Marfat.com

ظفر شاعری میں پہلے تو نصیر، پھر بے قرار، پھر ذوق اور آخر میں غالب کا شاگرد ہوا، مگر اس کی ذہین اور مجتہدانہ طبیعت نے کسی ایک کی بھی خالصتہً تقلید و پیروی نہیں کی، طبیعت میں خاکساری تھی، اس لیے اساتذۂ فن کی شاگردی قبول کر لیتا تھا، مگر اساتذہ اپنے لائق شاگرد کو اپنے خیالات اور جذبات سے متاثر نہ کر سکے، وہ شاید صرف فن کے اغلاط اور اسقام کو درست کر دیتے تھے، ورنہ اگر ظفر اپنی راہ چھوڑ کر اپنے استادوں کی راہ پر گامزن ہوتا، تو اس کے سارے کلام میں اول تو نصیر کی مضمون آفرینی اور شکوہِ الفاظ کے ساتھ نئی نئی تشبیہیں اور استعارے پائے جاتے یا پھر ذوق کی طرح عام زبان کی کہاوتیں اور عام لوگوں کے اوہام و مزعومات کی کثرت ہوتی یا آخر میں غالب کے فلسفہ اور تصوف کی نکتہ آرائیاں اور فارسی کی پر شوکت ترکیبیں ہوتیں، مگر ان میں

(بقیہ حاشیہ) منشی کریم الدین صاحب رقم طراز ہیں:

''شعر ایسا کہتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں ان کے برابر کوئی نہیں ہو سکتا، ابراہیم ذوق سے اصلاح لیتے ہیں، تیرہ چودہ برس کا عرصہ ہوا کہ تخت نشین ہوئے، ابتداء میں ولی عہد تھے، ان ایام میں بھی ان کے شعر بہت اچھے ہوتے تھے، تمام ہندوستان میں اکثر قوال...... ان کی غزلیں اور گیت اور ٹھمریاں گاتے ہیں، ہر ایک قسم کے شعر ہیں۔''

ظفر کی بابت مولوی امام بخش صہبائی کی دل چسپ عبارت ملاحظہ ہو:

''گوہر سخن اس کے لب سے ہم پایۂ اعجاز اور مضمون نیاز اس کے اشعار میں ہم پہلوے ناز شاہدان محفل قدس ہر راہ سے اس کے جادۂ قلم میں عنان افگن ہیں اور نازنینان ملک تقدس ہر طرف سے اسی کے میدان صفحہ میں گامزن ہیں، اس کے قلم کی صریر ہے یا خوش خرامان معنی کی آواز یا اوس کے الفاظ سے فروغ معنی جلوہ گر ہے یا مینا سے پری نقاب کشا...... اشعار متصوفانہ میں دیدۂ بینا اور ابیاتِ عاشقانہ میں چشم گریہ زا اور بین السطور بہاریہ میں خیابان اور فلکیات میں کہکشاں نفس شگفتگی الفاظ سے نسیم چمن اور نگاہ تازگی رقم سے ریشۂ یاسمن مصرع قامتِ شمشاد بیت ابروئے خوبان خلخ و نوشاد''

عبدالغفور نساخ اپنے سخن شعراء (۱۲۹۱ھ) میں لکھتے ہیں:

''اکثر خطوط کو اچھی طرح سے لکھتے تھے، شعر نہایت شیریں و نمکین کہتے تھے''

موجودہ دور کے ادباء میں خواجہ الطاف حسین حالی تحریر فرماتے ہیں کہ ظفر کا تمام دیوان زبان کی صفائی اور روزمرہ کی خوبی میں اول سے آخر تک یکساں ہے۔

محمد حسین آزاد نے باوجودیکہ اپنے استاد کی محبت اور عصبیت میں ظفر کے تمام کلام کو ذوق کی طرف منسوب کر دیا ہے، پھر بھی وہ اس کو شعر و شاعری میں طبیعت اور ایجاد کا بادشاہ بتاتے ہیں۔

Marfat.com

سے کسی کے رنگ کی اثر پذیری اس کے کلام میں نہیں، وہ اپنے ہی رنگ اور طرزِ ادا کا مالک رہا، بات یہ تھی کہ طبیعت میں شاعری کا مادہ بھرا تھا، پھر زندگی کچھ ایسی گذری کہ شاعر نہ بھی ہوتا تو انقلاباتِ زمانہ اور حوادثِ روزگار سے خواہ مخواہ شاعر ہو جاتا، اسلاف کی عظیم الشان حکومت ہاتھ سے گئی، عزت و وقار کا خاتمہ ہوا، غدر ہوا تو نان شبینہ کو محتاج ہو گیا، در بدر ٹھوکریں کھاتا پھرا، لختِ ہائے جگر کو خون میں تڑپتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور آخر میں خود ایک مجرم کی حیثیت سے محبوس و مقید ہو کر اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دی، شاعر بننے کے لیے اور کیا چاہئے تھا اور شعراء نے بلبل کے نالۂ وفریاد سے اپنی شاعری میں سوز و گداز پیدا کیا۔ ظفر نے اپنی ہی آہ بکا سے اپنی شاعری میں درد اور درد میں تڑپ پیدا کی اور شعراء نے عاشقانِ زبوں حال کے طوق وسلاسل کی ہولناک تصویریں کھینچ کر عبرت کا پیام دیا، ظفر کی اپنی ہی زندگی قید اور زنجیر کی داستان رہی، اس لیے اس کی ہر صدا صحیح معنوں میں دنیا کی نیرنگیوں کی آواز بازگشت ہوگئی اور شعراء نے ایک خیالی چمن کی بربادی اور اس کے پھولوں کی پامالی پر دنیا کی بے ثباتی اور ناپائداری کا رونا رویا۔ ظفر نے اپنی سلطنت کے چمنستان کو اجڑتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اس کے خیالات میں محشرستان پیدا نہ ہوتا، تو آخر کس میں ہوتا؟ اپنی شاعری میں خونِ جگر خوب خوب بہایا، اس کی تمام شاعری مغلیہ سلطنت کی تباہی اور بربادی کا ایک مرقع ہو سکتی ہے، یہ شاید قدرت کی طرف سے انتظام تھا کہ تیموری حکومت کا آخری فرمان روا ایسا ہو، جو صحیح طور پر اپنے کمال کے زوال کا خونچکاں ماتم کر سکے۔

یہی وجہ ہے کہ ظفر کی شاعری حزن و ملال، رنج والم اور یاس وحسرت کی سراپا داستان ہے، دیوان میں بعض غزلیں ایسی ضرور ہیں، جن میں رنگینیوں اور سرمستیوں کی جھلک ہے، بعض تو متانت اور سنجیدگی سے بھی گری ہوئی ہیں، مگر یہ شاید غایت رنج ومصیبت اور شدتِ غم والم کا ردعمل ہے۔ ظفر کی اندوہناک زندگی میں کوئی ایسی صورت باقی نہیں رہی تھی کہ دو چار گھنٹے بیٹھ کر غم غلط کر لیتا، گذشتہ روایات کے مطابق شکار کی تفریحیں اور نہ عیش ونشاط کی محفلیں تھیں اور نہ قلعہ معلی کے اندر مسرت وشادمانی کی مجلسیں تھیں، لامحالہ شدتِ غم سے چھٹکارا پانے کے لیے ظفر شاعری ہی میں رند بلانوش اور غافل از تمکین و ہوش ہو جاتا، ورنہ اور کوئی وجہ نہ تھی، کیوں کہ مصیبت ونکبت کی

Marfat.com

وجہ سے فقر و درویشی نے مزاج پر ایسا استیلا پالیا تھا کہ وہ نہ صرف برابر اذکار و وظائف میں مشغول رہتا، بلکہ آل تیمور کی لفظی و سیاسی پیری و مریدی ظفر کے ہاں حقیقت بن گئی تھی جس کا ذکر آیندہ صفحات میں ملے گا۔

ظفر کا دیوان نولکشور پریس لکھنو سے چار جلدوں میں شائع ہوا ہے جس میں ہر قسم کے تیس ہزار سے زیادہ اشعار مثلاً حمد، نعت، سلام، مرثیہ، مسدس، مثلث، مخمس، مستزاد، قطعات، رباعیات، پنکھا اور سہرا ہیں، بھاکا، پنجابی اور فارسی کے بھی اشعار ملیں گے ،جن سے ظفر کی طباعی اور مختلف زبانوں پر قدرت کا اندازہ ہوتا ہے، اس مجموعہ میں وہ حصہ شامل نہیں جو ظفر نے غدر کے بعد کہا، اس زمانہ کا کلام شائع نہ ہوسکا، بلکہ ضائع ہوگیا، حالاں کہ اس عہد کی شاعری میں نہ صرف پختگی بلکہ جذبات میں اور بھی درد اور شدت پیدا ہوگئی ہوگی۔

کلامِ ظفر:

دیوان، حمد کے بجائے ایک نعتیہ قصیدہ سے شروع ہوتا ہے، ملاحظہ ہو:

اے سرور دو کون شہنشاہِ ذو الکرام — سرخیل مرسلین و شفاعت گرِ امم
موکب ترا ملائک و مرکب ترا براق — مولد ہے تیرا مکہ و معبد ترا حرم
رنگِ ظہور سے رے گلشن رخِ حدوث — نور وجود سے ترے روشن دلِ قدم
ہوتا کبھی نہ قالبِ آدم میں نفخ روح — بھرتا اگر خدا نہ محبت کا تیری دم
کرتا تھا، جس سے مردہ کو زندہ دمِ مسیح — تھا شمہ تیرے خلق کا وہ اے علوشیم
ٹوٹا جو کفر قوتِ اسلام سے تری — صد جاے سے شکستہ ہے زنار موجِ یم
تو تھا سریرِ اوجِ رسالت پر جلوہ گر — آدم نہان ہنوز پسِ پردۂ عدم
کرتا ہے تیرے اسمِ مبارک کو دل پہ نقش — اس واسطے عزیز جہاں ہو گیا درم
اے معدنِ کرم تری ہمت کے روبرو — کم تر ہے سنگ ریزہ سے قدرِ نگین جسم
جو کچھ سواے عرش وہ سب اس کے سایہ میں — تیرے ہوا ہے جاہ کا برپا جہان علم

Marfat.com

صدقے زمیں کے ہوتا نہ پھر پھر کے آسماں | رکھتا سرِ زمین نہ اگر اپنا تو قدم
محروم تیرے دستِ مبارک سے رہ گیا | کیوں کر نہ چاک اپنا گریباں کرے قلم
عالم کو تیرا نور ہوا باعثِ ظہور | آدم ترے ظہور سے ہے مظہر اتم
ہیں زائرانِ روضۂ اقدس ترے جہان | آتا ہے پائے پوس کو واں روضہ ارم
واللیل تیرے گیسوے مشکیں کی ہے ثنا | والشمس ہے ترے رخ پر نور کی قسم
انصاف تیرا دیوے جو داد ستم کشاں | دندان سین آرہ کشاں ہو سر ستم
قرآن میں جب کہ خود ہو ثنا خواں ترا خدا | کیا تاب پھر قلم کو جو کچھ کر سکے رقم
تیری جناب پاک میں ہے یہ ظفر کی عرض | صدقے میں اپنی آل کے اے شاہ محتشم
صیقل سے اپنے لطف وعنایت کے دور کر | آئینۂ ضمیر سے میرے غبارِ غم
پہونچا نہ آستانِ مقدس کو تیرے میں | اس غم سے مثل چشمہ ہوئی میری چشم نم

پر خاک آستاں کو تری اپنی چشم میں
کرتا ہوں سرمہ میل تصور سے دم بدم

اہلِ نظر جانتے ہیں کہ نعت کہنا کتنا مشکل ہے، بقول عرفی ع ”رہ بردم تیغ است قدم را“ لیکن ظفر کے ہم عصر شعراء میں اتنا مؤثر نعتیہ قصیدہ کسی نے نہیں کہا، وہ کچھ اور نہ بھی کہتا تو صرف یہی قصیدہ اس کے اعجاز شاعری کے لیے دلیل و برہان تھا، دیوان کا دوسرا تیسرا اور چوتھا حصہ حمد سے شروع ہوتا ہے، جس کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں۔

شاباش ولا ارشدک اللہ تعالیٰ | پہچانا اسے تو نے جسے دیکھا نہ بھالا
اللہ ری تری جنبش مژگانِ ستم کیش | اک پل میں کئے تو نے دو عالم تہ و بالا

....

ادا پورا نہ ہو یک حرف اصلا حمد یزداں کا | اگرچہ صد زباں ہو دو زباں خامہ سخن داں کا
اگر ہو جائے پارہ پارہ دل اس کی محبت میں | تو پھر ہر پارۂ دل کو سمجھ سی پارہ قرآں کا
جسے خیال ہے کچھ رحمتِ الٰہی کا | گناہ سمجھے ہے دعویٰ وہ بیگناہی کا

Marfat.com

یہ لطف دیکھ کر خود بے نیاز ہے لیکن دھیان ہے اُسے بندوں کی خیر خواہی کا
تم اپنے جی میں عزیز اور ذلیل ٹھہرالو خدا ہے ایک مہ و مہر و مرغ و ماہی کا

ظفر کو اپنے حمد و نعت پر بہت زیادہ فخر تھا، چناں چہ کہتا ہے۔

ظفر مضمون حمد و نعت کے گلہائے رنگیں سے ورق میرے سرِ دیواں کا ہے اک باغ رضواں کا

ظفر کی المیہ شاعری:

اوپر کی سطروں میں کہا گیا ہے کہ ظفر کی تمام شاعری الم و یاس اور اندوہ و غم سے بھری ہوئی ہے، بعض غزلیں تو پوری کی پوری الم ناک جذبات سے لبریز ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی مٹی ہوئی شوکت اور گذری ہوئی حشمت پر بے اختیار ہو کر روتا ہے اور آنسو بہا بہا کر کہتا ہے۔

بلا سے گرچہ ہوتا رازِ دل افشا ہے رونے میں نہ روکو مجھ کو رونے سے مزا آتا ہے رونے میں
پڑا ہے کشتی افلاک کا رونا زمانے میں مری آنکھوں نے وہ طوفاں کیا برپا ہے رونے میں
مری دیوانگی کا اے پری رو ہے عجب عالم کبھی رونے میں ہنستا ہے کبھی ہنستا ہے رونے میں
سنا ہے نوح کے طوفاں کو یاروں نے کانوں سے مگر آنکھوں سے اپنی ہم نے وہ دیکھا ہے رونے میں
لگے آگ ایسے رونے کو کہ مثل شمع گھل گھل کر بہا جاتا مرا دل سوز سرتاپا ہے رونے میں

ظفر ہم اپنا رونا روئیں جا کر سامنے کس کے
رہا کون اپنے آنسو پونچھنے والا ہے رونے میں

پھر بھی روتا جاتا ہے اور اس رونے میں اتنی شدت ہے کہ اس کو خود اس احساس ہے، کہ:

لگ جائے جھڑی برسوں پھر اپنے جھڑیں آنسو جھاڑوں جو دم گریہ میں دامنِ مژگاں کو

اور جب رو کر چپ ہو جاتا ہے، تو اپنے ٹوٹے ہوئے دل سے آہ سوزاں بلند کرتا ہے۔

شعلہ جو سوز دل سے گلوگیر آہ ہو پیکاں نمط عیاں وہ سر تیر آہ ہو
سیل سرشکِ چشم بھی ہمراہ ہو اگر جوں سرد آبجو یہاں توقیرِ آہ ہو

Marfat.com

دکھلائے جو سوزشِ دل کو تو برق بھی | حیراں دیکھ عالم تنویر آہ ہو
کلک جلی تو شمع جگر سے بنا | .مانی جو کھینچے تو مری تصویر آہ ہو
نالاں ہیں ایک عمر سے ہم اس لیے ظفر | کب اس کے دل میں دیکھئے تاثیر آہ ہو

اور جب آہ کھینچنے سے بھی اس کو تشفی نہیں ہوتی، تو چیزیں مارتا ہے، اس طرح جیسے کوئی نشترِ غم اس کے تمام جسم میں چبھو رہا ہو۔

کیا رنگ دکھاتی ہے یہ چشم ترا ہو ہو | خونِ جگر آہا ہا لخت جگرا ہو ہو
اس ہستی یک دم پر اف بل بے تری گرمی | ہنستا ہے شرارت سے کیا کیا شررا ہو ہو
اک وار میں دو ٹکڑے کرتی ہے مرے دل کے | کیا تیز ہے قاتل کی تیغ نظرا ہو ہو
چھڑکے ہے نمک قاتل لے لے کے نمکداں سے | لیتے ہیں مزے کیا کیا زخم جگرا ہو ہو
ہستی کی عدم سے مر مر کے پہونچتے ہیں | اک کی دم مسافت پر اتنا سفرا ہو ہو

اس پر بھی اس کو تسکین نہیں ہوتی ہے، تو اپنی حالت اس طرح بیان کرتا ہے، کہ:

سینہ میں اک دھواں کئی بار اٹھ کے رہ گیا | نکلا نہ میرے دل کا بخار اٹھ کے رہ گیا
آیا نہ میرے دیدۂ گریاں کے سامنے | سو بار دیکھا ابر بہار اوٹھ کے رہ گیا
دیتا جلا فلک کو مگر خیر ہو گئی | ساتھ آہ کے جو دل سے شرر اٹھ کے رہ گیا

آتشِ غم سے اس کا دل جل کر داغ دار ہو گیا تھا، وہ بھی ایسا کہ خود کہتا ہے:

ذرہ جو دکھاتا ہوں داغ دلِ سوزاں کو | چڑھتی ہے تپ لرزہ خورشید درخشاں کو

وہ اپنی مصیبتوں اور صعوبتوں سے گھبرا جاتا ہے اور ظالم چرخ سے شکایت کرتا ہے کہ:

سدا گردش میں ہم ہوں اور نہ اکدم دور ساغر ہو | یہ کیا انصاف ہے اے چرخ گرداں یہ نہ ہو وہ ہو

مگر پھر اپنے کو یہ کہہ کر تسلی دیتا ہے کہ:

ہو زیرِ فلک راحت کس طرح ظفر ہم کو | آرام نہیں آپ ہی اس گنبد گرداں کو

یہ تو ظفر کی وارداتِ زندگی کا نالہ و شیون تھا، جن کے تاثرات کی گہرائی کو ظفر نے خود بیان کیا ہے کہ:

Marfat.com

ہمسرا ہوں میرے نالہ سے کیا نالہاے نے　　اس میں ظفر یہ سوز کہاں اور کہاں گداز

اب یہی سوز و گداز اس کی شاعری کے ہر پہلو میں نظر آتا ہے، جب وہ ایک شاعر بن کر عشق کی تمام واردات یعنی محبوب کی کج ادائیاں، ستم آرائیاں اور بے اعتنائیاں بیان کرتا ہے تو طالب محبوب کی محویت، شگفتگی اور ہجوم آرزو میں صرف سوز و گداز ہی کی نیرنگیاں دیکھنا چاہتا ہے، اس کا معشوق عام معشوقوں کی طرح ظالم پر فریب، حیلہ ساز اور دل آزار ضرور ہے، لیکن اس کے عاشق کے عشق میں ہوس ناکی نہیں وارفتگی ہے، وصال کی لطف اندوزی نہیں، ہجر کی غم انگیزی ہے اور حسن کی رسوائی نہیں، بلکہ عشق کی پسپائی ہے۔

اس کا عاشق عشق کے میدان میں اس طرح آتا ہے کہ:

جو آگے عشق کے میدان میں بڑھائے پاؤں　　تو شرط یہ ہے کہ پیچھے نہ پھر اٹھائے پاؤں

اور جب وہ سر بکف ہو کر اس میدان میں آجاتا ہے تو پھر وہ ہے، اور ہر قسم کی مصیبتوں کی ہلاکت خیزی، وہ ہے اور عشق کی آتش افروزی۔

ہوتی ہے بری عشق کی آتش یہی ڈر ہے　　گھر پھونک نہ دے آتشِ سوزاں کسی کا

....

خانہ دل کو لگی ہے آگ سوز عشق سے　　ہر بُنِ مو سے نکلتے ہیں شرارے بے طرح

مگر با ایں ہمہ وہ عاشق سے ضبط، تحمل، سرفروشی، بلکہ صرف تڑپ چاہتا ہے اور وہ بھی ایسی:

کہ جل کے خاک ہو دل اور خبر کسی کو نہ ہو

وہ تو عشق میں رونے کا بھی قائل نہیں

رو رو کے میرا راز نہاں فاش کر دیا　　خانہ خراب ہو جیو چشم پُر آب کا

لیکن جب ہجر میں بے تاب ہو کر روتا ہے، تو پھر یوں کہ:

نہیں اے ابر ہم قائل کہ آنسو سر بسر ٹپکے　　وہ کیا آنسو ہے جو بے آمیزش خونِ جگر ٹپکے

ہر اک آنسو کا قطرہ ہے جو دانا کہربا کا سا　　دم گریہ جگر کے آبلے کیا پھوٹ کر ٹپکے

مگر حقیقت میں وہ چشم گریاں کا نہیں، بلکہ دل بریاں کا قائل ہے، دل جل جائے، مگر

Marfat.com

شرط یہ ہے کہ خاکستر نہ ہونے پائے، بلکہ اس میں صرف سوزش ہو اور اس طرح کہ:

دکھلائیں سوزش دل بے تاب ہم اگر
کانپ اٹھے شعلہ شوق سے نار جحیم کا

اور اس سوزش میں اتنی ٹیس ہو کہ:

دونوں گداز عشق سے بہ جائیں ہو کے اب
آہیں جو دل کے پاس ہو پتھر جگر کے پاس

اور پھر اس کے دل میں کچھ باقی نہ رہ جائے:

دل میں تو کچھ نہیں ہے، دم دودوائے ظفر
اک آہ رہگئی ہے فقط اک جگر کے پاس

ظفر کے عشق کا فلسفہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ اس کا عشق تو اس کا مقتضی ہے کہ عاشق اس سوزش سے مضطرب، بے قرار اور بے چین ہونے کے بجائے لطف اندوز ہو، عشق کی آگ سے دل پر داغ پڑ جائیں، مگر:

خانۂ دل میں رہے، روشنی داغِ عشق
بجھنے نہ پائے مرا یہ کبھی یارب چراغ

اور گو جگر میں زخم پڑ جائیں لیکن:

پھاہا نہ زخم دل سے اٹھا میرے چارہ گر
رہنے دے اس کو تو خم پر جوش سے ڈھنکا

کیوں کہ

سب پہ کھل جائے گا میرے دلِ مجروح کا حال
دل کے زخموں سے ذرا بھی جو یہ سرکے پھائے

ظفر کے یہاں ایک کامیاب عشق کے مدارج یہاں پر بھی ختم نہیں ہونے پاتے، اصلی سوزِ عشق تو یہ ہے کہ:

دفن ہو ویگا ترا کوئی جہان سوختہ جان
سبزہ واں خاک سے پیدا کبھی ہونے کا نہیں

بلکہ

اف ترے کشتہ کا سوزِ دل کہ ظالم سنگ بھی
گور پر اس کے رہا محشر تلک جلتا ہوا

اور

رفاقت کیا کہوں آہ جگر اور داغ سوزاں کی
ہماری قبر پر حاجت نہیں ہے شمع گریاں کی

ظفر کی اخلاقی شاعری:

گذشتہ صفحات سے معلوم ہوا ہوگا کہ ظفر کی طبیعت پر حزن و ملال کس قدر غالب ہے،

Marfat.com

تلخیوں، نا کامیوں اور نامرادیوں کے ہجوم میں اس کی زندگی محض داغِ تمنا اور سراپا آرزو بن کر رہ گئی تھی، ظاہر ہے کہ ایسے حسرت زدہ اور ارمان سوختہ انسان کے دل و دماغ پند و نصیحت کے لیے کس قدر موزوں ہوں گے۔ ظفر نے اس سلسلہ میں جتنے اشعار کہے ہیں، وہ محض ایک فلسفی کے خیالات نہیں ہیں، بلکہ اپنی وارداتِ زندگی سے جو کچھ اس نے محسوس اور اخذ کیا، ان کو اشعار کی سلک میں منسلک کر دیا ہے، وہ الفاظ کے گورکھ دھندوں اور خیالات کے ہنگاموں میں اپنے اور اپنے ناظرین کو گم کرنا نہیں چاہتا ہے، بلکہ سیدھے سادے الفاظ میں جو کچھ کہنا چاہتا ہے، پیش کر دیتا ہے، اس کی تمام زندگی اور پھر اس کے اشعار آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں، تو پڑھنے والوں پر ایک خاص قسم کا اثر ہوتا ہے، جو غیر ارادی طور پر دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔

شاہجہاں اور جہانگیر کا آخری جانشین گویا اپنی سلطنت کی ویرانی کا یہ عبرت ناک مرقع کھینچتا ہے۔

جہاں ویرانہ ہے پہلے کبھی آباد گھریاں تھے ۔ شغال اب ہیں جہاں رہتے کبھی بستے بشریاں تھے
جہاں چٹیل ہے میدان اور سراسر ایک خارستاں ۔ کبھی یاں قصر وایواں تھے، چمن تھے اور شجریاں تھے
جہاں پھرتے بگولے ہیں اڑاتے خاک صحرا میں ۔ کبھی اڑتی تھی دولت، رقص کرتے سیمبریاں تھے
جہاں ہیں سنگ ریزے تھے یہاں یاقوت کے تودے ۔ جہاں کنکر پڑے ہیں اب کبھی رلتے گہریاں تھے
جہاں سنسان اب جنگل ہے اور ہے شہر خاموشاں ۔ کبھی کیا کیا تھے ہنگامے یہاں اور شورو شریاں تھے
جہاں اب خاک پر ہے نقش پائے آہوئے صحرا ۔ کبھی محو تماشا دیدۂ اہلِ نظریاں تھے

ظفرؔ احوال، عالم کا کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے
کہ کیا کیا رنگ اب ہیں اور کیا کیا پیشتریاں تھے

اس ماتم میں دنیا کی بے ثباتی کا پورا نقشہ ہے، ظفر کی زندگی اور اس کا المناک خاتمہ کچھ ایسا تھا کہ وہی دنیا کی بے ثباتی کی مکمل اور پر درد تصویر کھینچ سکتا تھا، ایک جگہ کہتا ہے۔

صبحِ گلشن میں صبا ترا اگر ہووے گذر ۔ کہیو بلبل سے ذرا اتنا کہ اے شوریدہ سر
کر رہی ہے چہچے کیا شاخِ گل پر بیٹھ کر ۔ یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزاروں جانور

Marfat.com

اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے

یہ تو شعر و شاعری کی زبان تھی، مگر اسی کو صاف صاف ایک پوری غزل میں دوسری جگہ بیان کرتا ہے۔

جو تماشا دیکھنے دنیا میں تھے آئے ہوے ۔۔۔ کچھ نہ دیکھا پھر چلے آخر وہ پچھتائے ہوئے
فرش مخمل پر بھی مشکل سے جنھیں آتا تھا خواب ۔۔۔ خاک پر سوتے ہیں اب وہ پانوں پھیلائے ہوئے
جو مہیاے فنا ہستی میں ہیں مثلِ حباب ۔۔۔ ہوتے ہیں اول ہی سے پیدا وہ کفنائے ہوئے
غنچے کہتے ہیں کہ ہوگا دیکھئے کیا اپنا رنگ ۔۔۔ جب چمن میں دیکھتے ہیں پھول کھلائے ہوئے
غافلو اس اپنی ہستی پر کہ ہے نقشِ بر آب ۔۔۔ موج کے مانند کیوں پھرتے ہو بل کھائے ہوئے

اسی لیے وہ دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں کو عبث اور ہیچ سمجھتا ہے، اس کی زندگی اور اس کی زندگی کی تمام نیرنگیاں عبرت کا پیام تھیں، ایک عظیم الشان سلطنت کی بیخ کنی اوس کی نظروں کے سامنے ہو رہی تھی، ایک پر جلال، پر ہیبت اور پُر شکوہ خاندان کے خدم وحشم، عز و شان اور سطوت و جبروت کا خاتمہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، تختِ طاؤس پر بیٹھنے والوں کا جانشین، ہمالیہ سے اور راسکماری تک کے فاتح کا وارث اور کوڑیوں کی طرح زر و جواہر لٹانے والے کی یادگار چند روپیوں کی محتاج ہو رہی تھی، ایسی حالت میں دل اور جگر کے زخموں کی ٹپک سے یہ دردانگیز چیخیں کیوں نہیں نکلتیں کہ:

سب کارِ جہاں ہیچ ہے سب کار جہاں ہیچ ۔۔۔ اس ہیچ سے امید ہے اے ہیچمداں ہیچ
مانندِ حباب ایک نفس میں ہے خرابی ۔۔۔ اس منزل فانی میں ہے بنیادِ مکاں ہیچ
اک عمر رہے مایۂ دنیا سے گراں بار ۔۔۔ آخر کو جو دیکھا تو بجز بارِ گراں ہیچ
اس باغ میں تھوڑی سی بہار اور پھر اس پر ۔۔۔ اے نوگلِ خنداں مجھے تشویشِ خزاں ہیچ
ہو جنسِ تنک مایۂ ہستی کے نہ خواہاں ۔۔۔ یہ جنس یہ بازار یہ گوہر، یہ دکان ہیچ
آواز طرب گوش دل محو فنا سے ۔۔۔ جز نالۂ و فریاد و بجز آہ و فغاں ہیچ
پایا نہ بجز داغ سیہ کاری یک عمر ۔۔۔ نقشِ قدم قافلۂ عمر رواں ہیچ

Marfat.com

کیا دیکھیں ظفر خانہ ہستی کا تماشہ
اس وہم کدہ میں بجز وہم و گماں ہیچ

مگر ظفر جانتا تھا کہ اس کی اور اس کے خاندان کی زندگی کی داستان خواہ کیسی ہی درد ناک اور عبرت ناک ہو، وہ انسانیت کی دنیا میں گنہگار اور مجرم ہوگا، اگر وہ لوگوں کے لیے صرف الم ویاس اور حسرت وحرماں کا پیام چھوڑ جائے گا، وہ اس سے واقف تھا کہ زمانہ انقلاب آفرین ہے، اس دنیا میں۔

نہ دائم غم ہے نہ مے عشرت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے
تبدل یاں ہے ہر ساعت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے
کوئی دن سے بہار گل پھر آخر ہے خزان بالکل
چمن ہے منزلِ عبرت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

اسی لیے اس کا پیام ہے کہ فلک کے تمام مظالم کے باوجود انسان کی ہمتِ مردانہ کا اقتضا یہ ہے کہ ضبط وصبر سے کام لے اور خدا پر بھروسہ کرے کہتا ہے۔

ستم کرتا ہے بے مہری سے کیا کیا آسماں پیہم
دل اس کے ہاتھ سے پر درد ہے اور چشم ہے پرنم
کروں گا پر نہ شکوہ گرچہ ہوں گے لاکھ غم پر غم
کہے جاؤں گا میں ہر دم یہی جبتک ہے دم میں دم

خدا دارم چہ غم دارم خدا دارم چہ غم دارم

اور جب انسان خدا پر بھروسہ اور توکل کرنے لگتا ہے، تو پھر دنیا کے تمام لوگوں سے مستغنی اور بے نیاز ہو جاتا ہے۔

بلا سے اگر نہیں کوئی رفیق و آشنا میرا
خدا پر دھیان ہے میرا نگہبان ہے خدا میرا
خدا آسان کریگا گو ہے مشکل مدعا میرا
خدا حامی ہے میرا اور خدا مشکل کشا میرا

خدادارم چہ غم دارم خدا دارم چہ غم دارم

مگر ظفر کا خدا پر بھروسہ کرنے سے مطلب ہرگز یہ نہ تھا کہ انسان اپنی زندگی کو خود سنوارنے کی کوشش نہ کرے، ظفر جانتا تھا کہ انسان کو اسی دنیا میں زندگی بسر کرنا ہے، وہ اپنے لیے کوئی نیا عالم اور نیا آسمان پیدا نہیں کرسکتا ہے، مگر ہاں اس کے لیے خوش گوار راہیں کھلی ہوئی ہیں

Marfat.com

جن پر چل کر وہ اس دنیا میں مسرت وراحت کی زندگی گذار سکتا ہے، وہ کون سا راستہ ہے ملاحظہ ہو۔

اتنا نہ اپنے جامے سے باہر نکل کے چل
دنیا ہے چل چلاؤ کا رستہ سنبھل کے چل

نخوت، پندار، تکبر اور غرور کی راہ میں صرف تباہیاں اور بربادیاں ہیں، اس لیے:

کم ظرف پر غرور ذرا اپنا ظرف دیکھ
مانند جوش خم نہ زیادہ ابل کے چل

فرصت ہے اک صدا کی یہاں سوزِ دل کے ساتھ
اس پر سپند دار نہ اتنا اچھل کے چل

اس دنیا میں قدم قدم پر مکر و فریب کا جال ہے، ہوش و خرد کا تقاضا ہے کہ انسان ان سے دامن بچا کر زندگی کی مشکل راہوں کو طے کرے۔

یہ غول وش ہیں ان کو سمجھ تو نہ رہنما
سایہ سے بچ کے اہلِ فریب و دغل کے چل

مگر اس کے باوجود انسان کی زندگی کی منزلیں اسی وقت طے ہو سکتی ہیں، جب وہ خود اپنے پاؤں سے چلے اور اس کو اپنے بازو کی قوت پر اعتماد ہو۔

اوروں کے بل پہ بل نہ کر اتنا نہ چل نکل
بل ہے تو بل کے بل پہ تو اپنے بل کے چل

اور اس کے ساتھ ہی آنکھوں میں بصیرت کا نور چاہیے کہ اندھیری راہ گم نہ کر سکے۔

پھر آنکھیں بھی دی ہیں کہ رکھ دیکھ کر قدم
کہتا ہے کون تجکو نہ چل چل سنبھل کے چل

لیکن انسان کو اپنی تمام جدوجہد اور سعی و کوشش کے باوجود کارکنانِ قضا و قدر ہی کا بہرحال محتاج رہنا ہے۔

انساں کو کل کا پتلا بنایا ہے اس نے آپ
اور آپ ہی وہ کہتا ہے پتلے کو کل کے چل

ظفر زندگی کے مسائل کو یہیں پر ختم نہیں کر دینا چاہتا ہے، بلکہ اس نے ایک عالمگیر لطف و کرم کا بھی پیام دیا ہے، جس کے ذریعہ سے اس کا خیال ہے کہ انسان نہ صرف اپنے کو اوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ حسنہ سے متصف کر سکتا ہے، بلکہ وہ کائنات کی تمام چیزوں کو اپنے قابو میں لا سکتا ہے، ایک الہامی شاعر بن کر کہتا ہے۔

گوشِ دل میں مری آئی سحر آواز سروش
کہ کسی یار کے شکوے سے نہ کر کچھ تو خروش

Marfat.com

گر کہیں یار بُرا لطف سے تو ہو خاموش یارعیار ہے تو پھر یار ہے اے صاحب ہوش
لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

پھر لطف کی سحر آفرینیوں پر رقم طراز ہے۔

لطف سے وحشی صحرا ہی نہیں تنہا رام لطف سے ماہی و مرغ آئے تہ حلقۂ دام
لطف سے بنتے ہیں انساں ہی فقط کیا خدام لطف سے ہوے پرستار پری، دیوغلام
لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش
لطف سے کن کے جو وے کہتے ہی دونو عالم لطف سے روح ہوئی داخلِ جسمِ آدم
لطف سے گرچہ ہو معشوق بھرے عشق کا دم لطف سے غیر بنے بندۂ بے دام و درم
لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

آگے چل کر جو شاعرانہ انداز سے گل افشانیاں کی ہیں، ان میں دقتِ نظر کے ساتھ زورِ بیان بھی ملاحظہ ہو:

حلقۂ موجِ ہوا قوسِ قزح قوسِ ہلال گردشِ چرخِ برین گردشِ مہ، گردشِ سال
گردشِ ساغرِ مے، گردشِ فانوسِ خیال سب تجھے کہتے ہیں یہ حلقہ بگوشوں کی مثال
لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

اسی طرح بعض جستہ جستہ ناصحانہ خیالات دیوان میں بہت کچھ ملیں گے، مثلاً

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا وہ ہو کیسا ہی صاحبِ فہم وذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

عقل پر ناز ہے قدرت پر نظر کسکو ہے سب کو فکر آج کی ہے، کل کی خبر کس کو ہے
فنا ہے ساتھ تو پھر زندگی سے کیا حاصل فنا سے پہلے فنا ہو کہ ہو بقا حاصل
جو دل کو صاف ہو کرنا تو خاکساری کر کرے ہے خاک سے دیکھ آئینہ صفا حاصل

Marfat.com

خاک کا پتلا ہے انسان اے ظفرؔ اس کے لیے
سرکشی اچھی نہیں ہے خاکساری کے لیے

....

جب کوئی کہتا ہے ہستی کو کہ ہستی خوب ہے
اس کی غفلت پر فنا اس وقت ہنستی خوب ہے

....

دنیا کا ہے مزا ظفرؔ انجامِ کار زہر
میٹھا سمجھ کے لوگ اسے للچا گئے تو ہیں

....

اے ظفر چاہیے بندے کو گنہ سے پرہیز
ورنہ کچھ شک نہیں غفار کی غفاری میں

....

گلشنِ دنیا نہیں جائے قیام اے غافلو
غنچہ ساں تم دوش پر رختِ سفر باندھے رہو

....

جو کہ ہے قسمت میں ہونا ہوگا آخر کو وہی
اے ظفر کیا شکوہ اس کا یوں ہوا یا دوں ہوا

....

برے ہیں یا بھلے ہم تم ظفرؔ لیکن غنیمت ہیں
کہ یاں آئیں گے پھر پھر کہ نہ ہم جیسے نہ تم جیسے

....

دنیا سے جس نے کھینچ لیا ہاتھ اے ظفرؔ
پھیلائے پانوں کیوں نہ ہو کنجِ فراغ میں

....

آدمی کو چاہئے آدم شناسی اے ظفرؔ
ہے یہ فرمودہ ہمارے حضرتِ تیمور کا

....

منعم اس دولت دنیا پر نہ کر دیکھ غرور
سیکڑوں گور میں کیا کیا نہیں بہرام دبے

ظفر کی صوفیانہ شاعری:

یہی ناصحانہ خیالات آگے چل کر صوفیانہ خیالات میں تبدیل ہو گئے ہیں، حوادث زمانہ اور وارداتِ زندگی نے ظفر کے دل میں اپنے مالک حقیقی کی لگن ایسی پیدا کر دی تھی کہ آخر میں وہ بادشاہِ وقت ہونے کے بجائے ایک صوفی منش فقیر ہو گیا تھا، اس کی زندگی صبر، توکل اور استغناء کی داستان ہے، طبیعت میں فقر و درویشی کا خمیر موجود تھا، ہجوم مصائب

Marfat.com

نے اس نشہ کو اور تیز کر دیا۔ عہدِ طفلی ہی میں مولانا فخر الدینؒ سے شرفِ بیعت حاصل کی، چناں چہ خود کہتا ہے:

مرشدِ پاک رواں فخر الدین — قبلہ و کعبۂ جان فخر الدین
اک جہان فخر جہان کہتا ہے — پر ہے فخر دوجہاں فخر الدین
میں گدا ہوں ترے دروازے کا — جاؤں اس در سے کہاں فخر الدین
موجزن ہے ترا دریائے کرم — از کراں تابہ کران فخر الدین
ہے مدد تیری توانائی بخش — میں ہوں بے تاب و توان فخرالدین
کیا کروں عرض عیاں ہے تم پر — میرا سب راز نہاں فخر الدین
رکھ ظفرؔ ہر نفس و ہر ساعت — شغل دل در و زباں فخر الدین

ایک جگہ اور کہتا ہے

کیا خطر اس کو راہ دیں میں ظفرؔ — رہنما جس کا فخر دین ہو جائے

ایک دوسری جگہ لکھتا ہے[1]

اے ظفر میں کیا بتاؤں تجھ سے جو کچھ ہوں سو ہوں — لیکن اپنے فخر دین کے کفش برداروں میں ہوں

---

[1] اس عقیدت کا اظہار اپنے دیوان میں متعدد بار کیا ہے، مثلاً

خاک پائے فخر دین نے اپنے حق میں کیمیا — اے ظفر کیوں خواہش اکسیر کرنی چاہیے
کہتا ہے ظفر جو کچھ اب جوش محبت میں — اے فخر جہاں سب وہ تیری ہی عنایت ہے
جو خاک بھی ہوں تو ہوں فخردین کے در کی — ظفر چھوڑ آئے نہ مجھ سے اس آستاں کو چرخ
اللہ اللہ جلوۂ حسن و جمال فخر دیں — ہے اسی پر اے ظفر گرویدہ دل گرویدہ آنکھ
مدد اے فخر جہاں تا ہوں ظفر کے دل میں — سب ملال آپ کے الطاف و عنایات میں رفع
ظفرؔ دشوار ہے ہر چند اہلِ معرفت ہونا — مگر صدقے میں فخر الدیں کے ہاں ہوسکتا ہے سب کچھ
جس کا ہے سرمہ ظفرؔ خاک در فخر الدین — چشم بددور وہ ہے، اور ہی تاثیر کی آنکھ
کوچۂ فخر جہاں کی اے ظفرؔ — خاک کی چٹکی بھی بس اکسیر ہے

Marfat.com

ظفر کو اس خاندان سے کچھ ایسی شیفتگی تھی کہ مولانا فخر الدینؒ کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے مولینا قطب الدینؒ سے بیعت لی، خود رقم طراز ہے۔

مرید قطب دین ہوں خاکپائے فخر دیں ہوں میں
گرچہ شاہ ہوں ان کا غلامِ کمترین ہوں میں
ان ہی کے فیض سے ہے نام روشن میرا عالم میں
وگرنہ یوں تو بالکل روسیہ مثل نگیں ہوں میں
نہ کعبہ سے غرض مجھ کو نہ میخانہ سے کچھ مطلب
ہمیشہ گھسا ان کے آستانے پر جبیں ہوں میں
رہوں میں رند میکش پر رہوں ان کی محبت میں
نہیں خواہش مجھے یہ صوفی خلوت نشیں ہوں میں
مجھے تو خانقاہ و میکدہ دونوں برابر ہیں
ولیکن یہ تمنا ہے کہ ان کا ہوں کہیں ہوں میں
یہی عقدہ کشا میرے، یہی ہیں رہنما میرے
سمجھتا ان کو اپنا حامیٔ دنیا و دین ہوں میں
بہادر شاہ میرا نام ہے مشہور عالم میں
ولیکن اے ظفرؔ ان کا گدائے رہ نشیں ہوں میں

اور جب مولینا قطب الدین کا وصال ہوا، تو ان کے صاحبزادے غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب سے وہی جوشِ عقیدت اور قلبی تعلق قائم رکھا، حالاں کہ موخر الذکر اپنے والد کے انتقال کے وقت محض خورد سال تھے، ظفر نے ان کی طرف سے اپنے احساسات کا اظہار اس طرح کیا ہے۔

نظام خانۂ فخر جہاں تمھیں تو ہو
قیامِ سلسلہ و خاندان تمھیں تو ہو
نہ کیوں کر تم سے ہوں ظاہر صفات قطب الدین
خدا رکھے تمھیں ان کا نشاں تمھیں تو ہو
تمہارے در پہ جھکا کر سرِ ارادتِ خلق
کہے ہے کعبۂ امن و امان تمھیں تو ہو
نثار تم پہ ہیں پروانہ ساں ہزاروں دل
کہ شمعِ محفل صاحبدلاں تمھیں تو ہو
تمہاری قوت باطن سے تقویت ہے مجھے
کہ میرے باعثِ تاب و تواں تمھیں تو ہو
بغیر آپ کے ہوں کیوں نہ جان و دل بے چین
کہ راحتِ دل و آرام جاں تمھیں تو ہو
ظفر کی چاہیے نصرت تمھیں نصیر الدین
کہ اس کے یار و مددگار تمھیں تو ہو

ظفر کو نہ صرف اپنے مرشدوں سے یہ ارادت و عقیدت تھی، بلکہ باکمال صوفیائے کرام سے بھی یہی عقیدت مندانہ غلو تھا، حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں ایک

Marfat.com

مخمس لکھ کر کہتا ہے۔

تم ہو اے خواجہ معین سرورانِ حق پرست　　تم ہو رمز آگاہ کن اور واقفِ سرِّ الست
تم مددگار ظفر ہو کیوں ظفر کو ہو شکست　　پر فلک کی دیکھ گردش کانپتے ہیں پا و دست
یا معین الدین چشتی دستگیری لازم است

اسی مخمس میں آگے چل کر لکھتا ہے:

خاک پر سے جو کہ ہل سکتا نہ ہو جوں نقشِ پا　　تم اٹھاؤ تو وہیں ہو وہ سنبھل کر اٹھ کھڑا
عیسیٰ جان بخش ہو تم اور خضر رہ نما　　دردمندوں کی دوا ہو ناتوانوں کے عصا
یا معین الدین چشتی دستگیری لازم است

ظفر نے خود اپنے ہاتھوں پر بھی بیعت لینی شروع کی تھی، قلعہ معلّٰی کے لوگ، پھر سرکار کمپنی بہادر کے دیسی سپاہی اس کے حلقہ بگوش تھے، آگے چل کر تصوف کی چاشنی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ سعدی کی گلستان کی شرح صوفیانہ نقطۂ نظر سے خود لکھی اور اشغال و اذکار میں ایک کتاب سراج المعرفت نام مفتی میر لال سے لکھوائی [۱]۔

ظفر کی متصوفانہ طبیعت کے اثرات اس کی شاعری سے بھی ظاہر ہیں، لیکن وہ تصوف کا کوئی فلسفی نہیں، اس لیے خیالات اور مسائل کے اظہار میں نہ وہ نکتہ آرائی اور جدت طرازی کرتا ہے اور نہ غالبؔ کی طرح تصوف کے عقد ہائے سربستہ کی تحلیل اور تشریح میں دقیق اور نکتہ آفریں الفاظ استعمال کر کے خیالات کو ادق اور مشکل بناتا ہے، بلکہ اپنے قلب کے تاثرات اور احساسات کو سیدھے اور سادے الفاظ میں پیش کر دیتا ہے، جن کو پڑھنے کے بعد مفہوم کو سمجھنے کے لیے غور و فکر کی زیادہ ضرورت نہیں پڑتی، بلکہ بے اختیارانہ طور پر اس کے اثرات خود بخود دل پر قائم ہوتے جاتے ہیں، اس کی شاعری مادی خیالات سے ملوث ضرور ہے، عشق مجازی کی تمام کیفیتیں بھی اس

---

۱ یہ معلومات امیر احمد علوی صاحب بی اے کی کتاب بہادر شاہ ظفر سے لی گئی ہیں، بہادر شاہ ظفر کی ایک اور تالیف موسوم بہ ''لغت و اصطلاح دکن'' تین جلدوں میں ہے، لیکن یہ مفقود ہے، اس کا اشارہ شرح گلستاں سعدی کے دیباچہ میں ہے، شرح گلستان ۱۲۵۹ھ میں مطبع سلطانی دہلی سے شائع ہوئی تھی۔

Marfat.com

پر طاری ہیں، لیکن اس عشق مجازی کی شراب سے اس میں عشق حقیقی کا نشہ پیدا ہو جاتا ہے اور پھر اس نشہ کی سرمستی، بے خودی اور خود فراموشی اس پر اس قدر غالب آ جاتی ہے کہ شعر کہتے کہتے خود اس میں گم ہو جاتا ہے اور بے خود ہو کر کہتا ہے۔

مئے وحدت کی ہم کو مستی ہے　　بہت پرستی خدا پرستی ہے

اس ''مئے وحدت'' کے خمار میں اس کو عالم ناسوت کی تمام چیزیں عالم لاہوت میں نظر آتی ہیں اور ایک وجدانی کیفیت میں تصور کرتا ہے کہ:

شعلہ ہے وہی شمع وہی ماہ وہی ہے　　خورشید وہی نور سحر گاہ وہی ہے
حور و ملک و دیو پری انس و بنی جان　　سب صورتوں میں ماہی دلخواہ وہی ہے
یوسف ہے وہی، وہی زلیخا وہی یعقوب　　کنعان ہے وہی مصر وہی چاہ وہی ہے
رہرو وہی رہبر وہی وہ ہی رہِ مقصود　　گمراہ وہی راہ سے آگاہ وہی ہے
کیا حسن میں کیا عشق میں سب میں ہے وہی نور　　یہ موجب غمزہ سبب آہ وہی ہے
مجنون خراباتی و دیوانہ و ہشیار　　درویش و گداشاہ و شہنشاہ وہی ہے

خارا میں شرر ہے وہ ظفر لعل میں وہ رنگ
واللہ وہی سب میں ہے باللہ وہی ہے

اسی کو اپنی ایک فارسی غزل میں کہتا ہے

اینکہ بینی ہمہ ہا قالب و جان ہمہ اوست
بلکہ ہم قالب و ہم روح رواں ہمہ اوست
انچہ بیرون ود رون ست ہما نست ہماں
راز فاش ہمہ اوسِرّ نہان ہمہ اوست
در پسِ پردہ و بے پردہ در آید از دل
بے نشان و سبب نام و نشان ہمہ اوست
نیست دیرو حرم از شیخ و برہمن آباد

Marfat.com

ہمہ مہمان و مکینے مکان ہمہ اوست

اے دل آن گوہر یکتا کہ نیر زد بدو کون
چشم بکشا د ببیں زیب دکانِ ہمہ اوست

شعلۂ ناز جحیم و گل گلزارِ نعیم
یک تجلی است کہ در جلوۂ شان ہمہ اوست

مے زند اے ظفر امروز بباغِ توحید
ہمچوں بلبل دل شوریدہ فغان ہمہ اوست

یہ شاید استاد غالبؔ کے اس سوال کا جواب ہے کہ:

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالبؔ آخر تو کیا ہے، اے نہیں ہے

لیکن اس حقیقتِ مستور کا احساس ہوا، تو اس کا مشاہدہ بھی ضروری ہے، تصوف کی راہ میں ایک ایسا مقام بھی آتا ہے، جب کہ طالبِ حقیقت وادیٔ تحیر میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔

صفائے حیرت آئینہ ہے سامان رنگ آخر
تحیر آب برجا ماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر
(غالب)

اور پھر وہ ایسا حیرت زدہ ہو جاتا ہے کہ ساری حقیقتیں سامنے ہوتی ہیں، لیکن وہ دیکھ نہیں سکتا ہے۔

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگاں اٹھایئے
طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھایئے
(غالب)

ظفر پر بھی ایسی کیفیت طاری ضرور ہوتی ہے، وہ کہتا ہے۔

میں ہوش میں ہوں یارب یا کہ مجھے وحشت ہے — کہ جوش ہنسی کا ہے کہ گریہ کی شدت ہے
مجذوب ہوں یا سالک، غافل ہوں کہ دیوانہ — کیا جانئے میں کیا ہوں اور کیا میری حالت ہے

Marfat.com

پھر کہتا ہے:

دکھاتا یار ہے ہر رنگ میں جلوہ ہمیں لیکن
کہاں سے لائیں وہ آنکھیں کہ جن آنکھوں سے ہم دیکھیں

مگر وہ مشاہدۂ جمال سے محروم نہیں ہوتا ہے، بلکہ حُسنِ عالم افروز اور جمالِ جہان آراء کو دیکھتا ہے۔

گہ شعلہ میں گرمی ہے تو گل میں نزاکت ہے   ہر شے میں نظر آتی اللہ کی قدرت ہے
جلوہ تجھے وہ اپنا ہر شے میں دکھاتا ہے   پردہ تری آنکھوں کا پر تیری ہی غفلت ہے

اور جب وہ دیکھ چکتا ہے تو بے خود اور سرمست ہو کر نعرہ زن ہوتا ہے:

ترا حسن ہم جلوہ گر دیکھتے ہیں   جہان دیکھتے ہیں جدھر دیکھتے ہیں
کریں کیوں کر دل کی نہ ہم پاسداری   کہ ہر دل میں ہم تیرا گھر دیکھتے ہیں

طالبِ حقیقت جب مطلوب کے دیدار سے شرف اندوز ہوتا ہے، تو اس موقع کی لذت کی کیفیت جو ظفؔر نے کھینچی ہے، وہ ملاحظہ ہو۔

مری آنکھ بند تھی جب تلک وہ نظر میں نور جمال تھا   کھلی آنکھ تو نہ خبر رہی کہ خواب تھا کہ خیال تھا
کہو اس تصور یار کو کہوں کیوں نہ خضر خجستہ پے   کہ یہی تو دشتِ فراق میں مجھے رہنمائے وصال تھا
مرے دل میں تھا کہ کہوں گا میں جو یہ دل پہ رنج وملال ہے   وہ جب آ گیا مرے سامنے نہ تو رنج تھا نہ ملال تھا
وہ ہے بے وفا وہ ہے پر جفا وہاں لطف کیسا وفا کہاں   فقط اپنا وہم و خیال تھا یہ خیال امر محال تھا
پسِ پردہ سن کے تری صدا ترا شوق دید جو بڑھ گیا   مجھے اضطراب کمال تھا، یہی وجد تھا یہی حال تھا

ظفر اس سے چھٹ کے جو جست کی تو یہ جانا ہم نے کہ واقعی
فقط ایک قید خودی کی تھی، نہ قفس تھا کوئی نہ جال تھا

ظفؔر اس قرب و وصال کو اہلِ تصوف کی طرح ایک راز ضرور سمجھتا ہے، لیکن اس کا

Marfat.com

خیال ہے کہ یہ راز ایسا نہیں، جو صرف محدود طبقہ ہی کو معلوم ہو سکے، خودی کو مٹا کر جس کسی نے دیدۂ بینا اور دلِ مصفا اور پھر سرگرمی جستجو اور جوش جنوں پیدا کر لیا، تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس کا دل حقیقت آشنا نہ ہو، کتنے سادے الفاظ میں اوس نے حقیقت کے راز کو ہمارے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے۔

جو عرش سے ہے فلک تلک سب کچھ اسی میں ہے — دیکھ آنکھ کھول کر
کیا کیا نہیں ہے اس میں کہ سب کچھ اسی میں ہے — پر چاہئے نظر
دل اپنا پہلے زنگِ کدورت سے صاف کر — مانندِ آئینہ
پھر تو بغور دیکھ کہ اس آرسی میں ہے — کیا حسن جلوہ گر
پیدا نگاہ کر کہ تجلی حسنِ یار — سب جا ہے آشکار
شعلہ سے طور کے نہیں کم روشنی میں ہے — ہر سنگ کا شرر
کیوں کعبۂ و کنشت میں سر مارتا ہے تو — سرگرمِ جستجو
تو جس کو ڈھونڈھتا ہے چھپا وہ تجھی میں ہے — پر تو ہے بے خبر
جوش بہار حسن سے کس گل کی اے صبا — ہے یہ جنون کا جوش
مصروف اس قدر جو گریباں دری میں ہے — ہر غنچہ ہر سحر
ہے دور جام و صحبتِ یارانِ زندہ دل — کیفیتِ حباب
کچھ ہے اگر مزا تو یہی زندگی میں ہے — باقی ہے درد سر
اے خود پرست پوچھتا کیا ہے خدا کی راہ — ہے وہ بہت قریب
گم کردہ راہ آپ تو اپنی خودی میں ہے — اس سے ہے دور تر
صد داغ سوز عشق سے کھا بلکہ صد ہزار — ہر داغ دل پہ تو
لذت تجھے نصیب اگر عاشقی میں ہے — اے سوختہ جگر
افشائے رازِ عشق نہ کر کہکے جی کی بات — پردہ ہی خوب ہے
جی ہی میں اپنے رہنے دے جو کچھ کہ جی میں ہے — خاموش اے ظفر

Marfat.com

ظفر کا خیال ہے کہ حقیقت مستور نہیں، ہم اس کو دیکھتے نہیں، محض اس لیے کہ ہماری آنکھوں پر خودی اور نفس کا پردہ پڑا ہے، اگر یہ پردہ ہٹ جائے، تو تمام رموزِ سربستہ اور اسرارِ پوشیدہ ظاہر ہو جائیں اور دل انوارِ الٰہی کا مظہر بن جائے، پھر ہمارے اور خدا کے درمیان کوئی تفاوت باقی نہ رہے، اسی کو واضح کر کے کہتا ہے۔

دیا اپنی خودی کو جو ہم نے اٹھا یا وہ جو پردہ سا بیچ میں تھا نہ رہا
رہے پردے میں اب نہ وہ پردہ نشین کوئی دوسرا اس کے سوا نہ رہا

ایک جگہ اور کہتا ہے:

اگر ہے دیکھنا اس کو اٹھا دے اپنی ہستی کو
اگر تجھ میں اور اس میں پردہ حائل ہے تو بس یہ ہے

پھر کہتا ہے:

ہر جائے ہے قدرت کا تماشا مرے آگے
لیکن مری غفلت کا ہے پردہ مرے آگے

اب اس کے لیے ظفر کے یہاں عرفی کی طرح ''شعار ملت اسلامیاں''[۱] چھوڑنے اور نہ غالب کی طرح رسوم و قیود کے ترک کرنے[۲] اور نہ عام صوفیوں کی طرح حال وقال اور مقام و قیام پر پابند ہونے کی ضرورت ہے، ظفر کے نزدیک تصوف کی راہیں پیچ در پیچ نہیں۔

راہیں ہیں دو مجاز و حقیقت ہے جن کا نام
رستے نہیں ہیں عشق کی منزل کے چار پانچ

چناں چہ اس کے یہاں انوارِ معرفت حاصل ہوتے ہیں تو اس طرح کہ

پردہ دوئی کا بیچ میں حائل اگر نہ ہو
کیجئے جدھر نگہ وہی پیشِ نگاہ ہے

۱؎ عرفی نے کہا ہے:

شعارِ ملت اسلامیان بگذار اگر خواہی — کہ در دیرِ مغاں آئی و اسرار نہاں بینی

۲؎ مرزا غالب کہتے ہیں

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم — ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

Marfat.com

سادہ بیانی:

ظفر نے جس طرح خیالات کو آسان اور سادہ بنانے کی کوشش کی ہے، اسی طرح اپنی شاعری میں زبان بھی نہایت ہی آسان اختیار کی ہے، اس کا پورا دیوان پڑھ جاؤ، مشکل سے کوئی غزل ایسی نظر آئے گی، جس میں فارسی کے مغلق ترکیبیں اور غیر مانوس لفظ استعمال کئے ہوں گے، اسی لیے بعض ہمعصر شعراء کی طرح اس کی غزلوں میں بہت کم بیان اور معنی کا الجھاؤ پیدا ہونے پایا ہے، بعض غزلیں تو سلاست اور روانی کا نمونہ ہیں، کچھ ایسی ہیں کہ اگر ان کو نثر بنانا چاہیں، تو لفظوں کو آگے پیچھے کرنے کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی، مثالیں ملاحظہ ہوں۔

ان کے دل میں غبار ہے دیکھیں   کس طرح سے صفائی ہوتی ہے
عاشق! زیرِ تیغ سر دھر دو   ابھی مشکل کشائی ہوتی ہے
آشنا ہو تو آشنا سمجھے   ہو جو نا آشنا تو کیا سمجھے
ہم اسی کو بھلا سمجھتے ہیں   آپ کو جو کوئی برا سمجھے
تو ہی کعبہ میں تو ہی بتکدہ میں   ہے وہ مشرک جو دوسرا سمجھے
اے ظفر وہ کبھی نہ ہو گمراہ   جو محبت کو رہنما سمجھے

میں ہوں عاصی کہ پر خطا کچھ ہوں   تیرا بندہ ہوں اے خدا کچھ ہوں
جز و کل کو نہیں سمجھتا میں   دل میں تھوڑا سا جانتا کچھ ہوں

صنما ہم کہیں تو کیا کہیں   بخدا ہم کہیں تو کیا کہیں
مدعی کہنے ہی نہیں دیتے   مدعا ہم کہیں تو کیا کہیں

مثل فوارہ سر بلند نہ کر   کہ بلندی کے ساتھ پستی ہے
رنج و غم کو خدا رکھے آباد   خانہ دل میں ایسی بستی ہے

وہ بت جمال اور ہی ہے   اس میں دیکھا کماں اور ہی ہے

Marfat.com

ترا ابرو کہاں ہلال کہاں — مہ جبیں پر ہلال اور ہی ہے

سہل ممتنع کی مثال ملاحظہ ہو:

دردِ دل اپنا صنم — کیوں نہ ہم تجھ سے کہیں
چپ رہا جاتا نہیں — کب تلک چپکے رہیں
بھر رہا ہے دل مرا — کیوں نہ پھر آنسو بہیں
چشم و دل دونوں برے — ہم بھلا کس کو کہیں
یہ تیرے جور و ستم — یار ہم کب تک سہیں
اس غزل پر سب ظفر — آفریں تجھ کو کہیں

ظفر کی شاعری کا بڑا حصہ اسی سادگی کا مکمل نمونہ ہے، ہر جگہ طرز بیان صاف، سادہ اور سہل ہے، بھاری اور گران لفظ بہت ہی کم ہیں، ظفر نے اس قسم کا طرز جان کر اختیار کیا، خود کہہ گیا ہے۔

اے ظفر چاہئے ہاں لطف سخن میں ایسا — کہ جسے سن کے ہوں سب عالم و جاہل محظوظ

چناں چہ بعض اوقات یہ سادگی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اس کی شاعری روزمرہ کی گفتگو معلوم ہونے لگتی ہے مثلاً:

مر گیا بیمار اس کے نرگس بیمار کا — دوستو اچھا ہوا، اچھا ہوا، اچھا ہوا
خبر تو ہے کیا ہوا، بگڑی کہیں اس یار سے — آج کیوں تو اے ظفر پھرتا ہے گھبرایا ہوا

☆☆☆

ساتھ میرے چلے چلو چپ چپ — راہ میں تم نہ کچھ کہو چپ چپ
گھر میں چل کر شکایتیں کرنا — یاں نہ مجھ سے گلہ کرو چپ چپ
میرے جاتے ہی ان کے غیروں سے — پھر لگی ہونے گفتگو چپ چپ
ابھی صیاد کی لگی ہے آنکھ — نہ کرو شور بلبلو چپ چپ
دل کسی غنچہ لب کو تم نے دیا — اے ظفر تم جو رہتے ہو چپ چپ

Marfat.com

جس کو سناؤں درد دل آئے نہ اس کو تاب سنتے ہی یہ کہے کہ بس اے درد مند بس
اتنی زباں دراز نہ ہوں یاں بھی ہے زبان بس اب آگے کیجئے زبان اپنی بند بس

☆☆☆

میری نگاہ ہے وہ غضب دیکھ کر جسے خنجر تو الحفیظ کہے الامان تیغ
ہوں وہ مثلِ زلف برہم اور میں ان کی زلفوں کی بلائیں لوں چہ خوش

☆☆☆

آؤ گھر میرے اے صنم آؤ تمھیں اللہ کی قسم آؤ
قاصد و لاؤ جلد خط کا جواب ایک دم جاؤ ایک دم آؤ
اے بتو میرے خانۂ دل کو دیر تم سمجھو یا حرم آؤ

☆☆☆

میری گریہ سے ہے اگر منظور سیر آبِ رواں ادھر آؤ
اتنی تاثیر ہے کہاں کہ جو تم سن کے میری فغاں ادھر آؤ
آگئی میری جان ہونٹوں پر اب تو اے میری جاں ادھر آؤ

☆☆☆

جاؤ تنہا نہ تم تمہارے ساتھ جائیگی میری جاں کھڑے تو رہو
ہے پڑی دل جلوں کی آہ جہاں تاب کیا تم وہاں کھڑے تو رہو
قد پہ نازاں ہے اپنے سروچمن اک ذرا تم بھی ہاں کھڑے تو رہو

☆☆☆

شکایت کس سے کی میں نے بلا لو سامنے اس کو کرونگا شکوہ میں تیرا معاذ اللہ
قدِ جاناں کو دو تشبیہ کیونکر نخل طوبیٰ سے کہاں وہ قد کہاں طوبیٰ معاذ اللہ

☆☆☆

Marfat.com

جو کہ عاشق کو جلائے جوں شمع وہ بھی جلتا رہے ، آمین اللہ
اپنے مرنے کی دعا گر مانگوں وہ ستمگر کہے ، آمین اللہ
جو ستائیں تجھے ان کو بھی ظفر عوض اس کا ملے آمین اللہ

☆☆☆

محبت کے یہ معنی ہیں کہ میں نے وہی چاہا کہ جو کچھ تو نے چاہا
فقیروں سے تو پوچھو لذتِ عشق اہاہا اہاہا اہاہا اہاہا

اس بے تکلف طرز بیان اور اندازِ گفتگو کو سن کر اگر اہلِ سخن ظفر ہی کی زبان سے کہیں کہ:

ع اشعار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

تو شاید حق بجانب ہوں گے۔

محاورات:

اس سادگی کے باوجود ظفر کو زبان پر اتنی قدرت ہے کہ بادشاہِ سخن بن کر زبان اور الفاظ پر فرماں روائی کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قلعہ معلّٰی بلکہ اردو زبان کا کوئی محاورہ ایسا نہیں ہے، جو اس کے دیوان میں موجود نہ ہو اور ان محاوروں کو اس خوبی اور صفائی سے اپنے اشعار میں باندھ جاتا ہے کہ اشعار کی روانی میں کہیں فرق نہیں آنے پاتا، مثلاً چُرانا ہے، اب اس مصدر سے جو ممکن اور مروج محاورے تھے، ان سب کو ظفر نے اپنی ایک غزل میں استعمال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

محبت کی کوئی اب آنکھ تجھ سے ہم چراتے ہیں علم ہوں گرچہ سو شمشیر کین کب دم چراتے ہیں
نہیں شمشیر سے جن کی جھپکتی آنکھ میداں میں نظر وہ دیکھ تیرا ابروئے پر خم چراتے ہیں
نہ روکوں کب تلک اشکوں کو اور روکوں تو ڈر یہ ہے کہ پانی زخمِ دل اے دیدۂ پر نم چراتے ہیں
یہ طفلِ اشک ہیں وہ جور باندھے چور مژگاں پر کہ آنکھوں میں سے کاجل دیکھ تو پیہم چراتے ہیں

ظفر سرِ عشق کو سر باز دیتے ہیں محبت میں
وگرنہ جان اپنی یاں بڑے رستم چراتے ہیں

Marfat.com

یا مثلاً توڑنا سے، دم توڑنا، قسم توڑنا، ستم توڑنا، قدم توڑنا، توبہ توڑنا، نشترِ غم توڑنا، نفس سرکش کو توڑنا، اتنے محاورے کو ظفر نے جس طرح استعمال کیا ہے، ان کو بھی دیکھئے۔

زیرِ خنجر ترے بسمل جو یہ دم توڑتے ہیں ۔۔۔ کوچۂ غم میں پھر آنے کی قسم توڑتے ہیں
دل مرا لے کے جو وہ سنگِ ستم توڑتے ہیں ۔۔۔ کیا ستم کرتے ہیں کیوں ساغر جم توڑتے ہیں
ہر قدم پر ترے دیوانے سرِ دشتِ جنون ۔۔۔ سیکڑوں خار سدا زیرِ قدم توڑتے ہیں
ابرِ مژگان سے بندھی رہتی ہے اشکوں کی جھڑی ۔۔۔ تار رونے کا نہیں دیدۂ نم توڑتے ہیں
جامِ ٹل دیتے ہیں تو کر نہ تامل ساقی ۔۔۔ توبہ ہم آج ترے سر کی قسم توڑتے ہیں
ہیں ہمیں سجۂ و زنار برابر دونوں ۔۔۔ نہ ہم یہ جوڑتے ہیں اور نہ یہ ہم توڑتے ہیں
آتے ہیں پھر سرِ کاوش جو کبھی حضرت عشق ۔۔۔ سیکڑوں دل میں مرے نشترِ غم توڑتے ہیں

نفسِ سرکش کو ظفر توڑتے ہیں جو اپنے
میرے نزدیک بڑا ہی وہ صنم توڑتے ہیں

اسی طرح اڑ جانا سے، خبر اُڑ جانا، رونق اُڑ جانا، نیند اُڑ جانا، رنگ اُڑ جانا، تاب اُڑ جانا، مے اُڑ جانا وغیرہ محاورے مستعمل ہوتے ہیں، ان کو بھی ظفر نے اپنے اشعار کی لڑیوں میں پرو دیا ہے۔

جب چمن میں اس کے آنے کی خبر اڑ جائیگی ۔۔۔ گل کی رونق دم میں اے بادِ سحر اڑ جائیگی
آپ کا کیا جائیگا گر خواب میں آؤ گے تم ۔۔۔ نیند آنکھوں سے ہماری رات بھر اڑ جائیگی
خون کو مل لیگا میرے تو کفِ پا سے ترے ۔۔۔ سرخی رنگِ حنا اے فتنہ گر اڑ جائیگی
آئیگا وہ مہروش اے دل تو شبنم کی طرح ۔۔۔ تاب و طاقت تیری اس کو دیکھ کر اڑ جائیگی
یہ صبا سے کوئی پوچھے تیرے کیا آئے گا ہاتھ ۔۔۔ خاک میری اس کے کوچے سے اگر اڑ جائیگی

شعلۂ رخسار ساقی گر ہوا پر تو فگن
مے جو ہے ساغر میں تیرے اے ظفر اڑ جائیگی

بلا ڈال دینا، مصیبت ڈال دینا، زنجیر ڈالدینا، شمشیر ڈال دینا، قلم ڈال دینا، دریا میں ڈال دینا، جدائی ڈال دینا، آگ ڈال دینا، تاثیر ڈال دینا جیسے محاورات پر ظفر کی طبع آزمائی سنیے۔

Marfat.com

دل پر بلائے زلفِ گرہ گیر ڈال دی ۔ تو نے مصیبت اے مری تقدیر ڈالدی
جب روبرو وہ آئے تو پائے نگاہ میں ۔ موج سرشکِ چشم نے زنجیر ڈالدی
اپنی بھویں بنا کے دکھائیں جو یار نے ۔ شمشیر گرتے ہاتھ سے شمشیر ڈالدی
لکھا جو ہم نے اپنے سرافگندگی کا حال ۔ گردن قلم نے بھی دمِ تحریر ڈالدی
جب ہم سمجھ گئے کہ ہے تقدیر کیمیا ۔ دریا میں ہم نے جیسی تھی اکسیر ڈالدی
چوں مہر و مہ بہم ہوے دوبارہ گرد وروز ۔ تو نے جدائی اے فلکِ پیر ڈالدی
کیا خاک دل مرا ہو خالی کہ اور بھی ۔ تو نے نہ آگ نالۂ شب گیر ڈالدی
مانی دکھا کے اپنا مرقع خجل ہوا ۔ جب اس کے سامنے تری تصویر ڈالدی
کیونکر نہ ہو اثر دلِ عالم میں اے ظفر ۔ ترے سخن میں عشق نے تاثیر ڈال دی

کھینچنا کے مختلف محاورات بھی سن لیجیے:

جو خنجر گل نے عندلیب زار پر کھینچا ۔ تو قمری کو بھی ہے سرد چمن نے دار پر کھینچا
کھڑا ہوں محوِ حیرت یوں لگا دیوار سے تیرے ۔ کسی نے نقش ہو جیسے کوئی دیوار پر کھینچا
وفا کا کر کے تو اقرار ہم سے ہو گیا منکر ۔ تری الفت سے ہم نے ہاتھ اس انکار پر کھینچا
جلا دے گا جہاں کو دیکھ لینا یہ دلِ سوزاں ۔ جو نالہ اس نے ادراک آہِ آتشبار پر کھینچا
خطِ رخسار کو تیرے جو دیکھا اے گلستاں رو ۔ قلم سب خوشنویسوں نے خطِ گلزار پر کھینچا
ہوئی کچھ تو دل بسمل کی اپنی صورت تسکیں ۔ تری تصویر کو جب سینۂ افگار پر کھینچا

دل زخمی سے اپنے ناوک دل دوز کو اس کے
اگرچہ کھینچنا تھا اے ظفر دشوار پر کھینچا

ظفر کے دیوان میں محاورہ بندی کی سیکڑوں مثالیں ملیں گی، ہم نے طوالت سے بچنے کے لیے صرف چند مثالوں پر اکتفا کیا ہے، لیکن انھی سے اندازہ ہوا ہوگا کہ ظفر کو زبان پر کتنی قدرت ہے سچ تو یہ ہے کہ وہ اپنے کو الفاظ کا تابع نہیں بناتا ہے، بلکہ الفاظ کو اپنا تابع بناتا ہے، اسی لیے وہ الفاظ کے ساتھ کھیلتا ہے اور اسی تفریح اور کھیل میں زبان اور بیان میں ایک خاص لطف اور چاشنی پیدا کر دیتا ہے۔

Marfat.com

صنائع لفظی:

اس کا کلام لفظی صنائع سے جو متاخرین کے کلام کا زیور ہے، خالی نہیں، پہلے مصرع کے لفظوں کو الٹ پلٹ کر دیکھئے کیسے دوسرا مصرع بنا لیتا ہے۔

یہی ایک غم ہے ، یہی اک الم ہے — یہی اک الم ہے یہی ایک غم ہے
مری چشم نم ہے ، اسی رنج و غم میں — اسی رنج و غم میں مری چشم نم ہے
خدا کی قسم ہے ، یہ کہتا ہوں سچ میں — یہ کہتا ہوں سچ میں خدا کی قسم ہے
کیا کب رقم ہے کوئی شکوہ میں نے — کوئی شکوہ میں نے کیا کب رقم ہے
ظفر کیا ستم ہے ہوا دوست دشمن — ہوا دوست دشمن ظفر کیا ستم ہے

آیا سحاب ساقی تو لا شراب ساقی — تو لا شراب ساقی آیا سحاب ساقی
ہے پیچ و تاب ساقی زلفوں سے تیرے دل کو — زلفوں سے تیرے دل کو ہے پیچ و تاب ساقی
کیا مست خواب ساقی آنکھیں ہیں آج تیری — آنکھیں ہیں آج تیری کیا مستِ خواب ساقی
مے آفتاب ساقی ہے ہم خنک دلوں کو — ہے ہم خنک دلوں کو مے آفتاب ساقی
مت کر خراب ساقی تو بزم میکشاں کو — تو بزم میکشاں کو مت کر خراب ساقی
جامِ حباب ساقی دریا میں کس نے الٹا — دریا میں کس نے الٹا جامِ حباب ساقی

ہے یہ عذاب ساقی تو ہے ظفر سے بد تر
تو ہے ظفر سے بد تر ہے یہ عذاب ساقی

بدیع کی اصطلاح میں اس کو "عکس" کہتے ہیں، یہ صفت اردو کے کسی اور شاعر کے یہاں میری نظر سے نہیں گذری، البتہ قدیم فارسی شعراء کے یہاں یہ ملتی ہے، اس کے علاوہ دوسری لفظی صنعتیں بھی ظفر کی شاعری میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً

۱۔ تنسیق الصفات، یعنی کسی موصوف کی پے در پے صفتوں کا لانا، جیسے

شوخ چشمے خوش نگا ہے بیوفا سے بد گمانے — دل فریبے دلنوازے دلربایے دلستانے
مست نازے فتنہ سازے تند خوے جنگجوئے — ظلم کیشے ظلم کو شے ظلم خوا ہے ظلم رانے
کج کلا ہے کج ادائے پر فریبے پر دغائے — بد طریقے بد شعارے بد مزاج بد زبانے
خوش نگارے خوبروے بذلہ سنجے نغز گوے — ہوشیارے حرف گیرے نکتہ طبعے نکتہ دانے

Marfat.com

خود پرستے خود نمائے خود پسندے خود ستائے ۔۔۔ خود سرے نا آشنائے سر کشے نامہر بانے

ہم ظفر ہیں اس پہ مفتوں خوار و رسوا از محزوں ۔۔۔ وہ یہ مانے یا نہ مانے وہ یہ جانے یا نہ جانے

۲۔لزوم مالا یلزم یعنی قافیہ کے آخری حرف (روی) کے پہلے کسی خاص حرف کا التزام کرلینا جیسے:

توبہ اے ساقی نہیں پینے کا میں جامِ شراب
مجھ کو اپنی بادۂ وحدت کی مستی خوب ہے

جس طرح مژگان سے میرے ہیں بندھے اشکوں کے تار
اس طرح بدلی نہیں کوئی برستی خوب ہے

خواب میں جلوہ دکھادیتا ہے وہ مہوش کسے
چشم میری دیکھنے کو جب ترستی خوب ہے

راہ بہتر ہے رہِ ہموار رہرو کے لیے
نہ بلندی ہے بہت اچھی نہ پستی خوب ہے

خود پرستی چھوڑ دو یہ بت پرستی ہے صریح
غافلو حق میں تمہارے حق پرستی خوب ہے

۳۔سیاق الاعداد یعنی کلام میں اعداد کا لانا جیسے:

چلنا مریضِ غم کو ترے آٹھ نو قدم ۔۔۔ معلوم ہوے ضعف سے دس بیس سو قدم

پہلے تھا ایک ستم پھر ہوے ایک کے دو ۔۔۔ دو کے پھر چار ہوے ہوگئے اب چار کے چھ

چار بار آٹھ پہر میں ہیں وہ ان سے ملتے ۔۔۔ ان سے ملنے کی ہیں معلوم جنھیں گھاتیں چار

ناخن کریں ہیں زخموں کو دو دو ملا کے ایک ۔۔۔ تھے آٹھ دس سو ہوگئے اب چھل کے چار پانچ

پھپھولے دل پہ جو دس بیس داغ ہیں دو تین ۔۔۔ تو قمقمے ہیں بہت اور چراغ ہیں دو تین

Marfat.com

۴۔ تلمیح یعنی کلام میں ایک حصہ دوسری زبان کا لانا جیسے:

جلوۂ شبنم و گل پر ہے رولاتی مجکو دم گلگشت چمن یاد رُخ پر عرقے
کچھ عوض دل کے وہ تکرار سے دیتا ہے تو کیا املے بر املے یا قلقے بر قلقے
رُخِ گلگوں پہ ہے اس گل کو نہ شک کی سرخی جلوۂ صبحِ بہاران و بہار شفقے
اے ظفر تم کو ہے منظور اگر ردِ حسود تو پڑھا کیجئے قل اعوذ برب الفلقے

۵۔ حسن التکریر، اس کی مثالیں تو ظفر کے یہاں کثرت سے ہیں، ہم صرف چند اشعار پیش کریں گے۔

مجھ میں اور کل اس میں باہم گفتگو تھی صاف صاف بات کی لغزش نہ تھی واللہ جو تھی صاف صاف
نکہتِ گل لے گئی دل کو ہمارے باغ میں تیری ہی سی اے سراپا ناز و بو تھی صاف صاف

شمع کی طرح سے ہم رات کو روتے روتے بہ گئے آنسوؤں میں صبح کے ہوتے ہوتے
موت یار آئی تو غفلت سے ہوں یوں ہم ہشیار ڈر کے جوں خواب میں چونکے کوئی سوتے سوتے

آگاہ تو کیا مجھے لذت سے عشق کی زخموں نے اس نے میرے نمک گر بھرا بھرا
کیا بھر دیے ہیں کان خدا جانے غیر نے غصے میں جو بھرے ہے وہ کافر بھرا بھرا

گہ یاس و گہہ امید و گہے رنج و گہہ خوشی مہماں سرائے دل میں ہیں مہمان عجب عجب
اے چشم یار بار نہ ہو دیکھ اشک بار ہر بار تجھ سے اٹھتے ہیں طوفان عجب عجب

گل جو چمن میں ہیں ہزار دیکھ ظفر ہے کیا بہار سب کا ہے رنگ جدا جدا سب کی ہے بو الگ الگ

تجھے دے ہے چن چن کے گلہائے تازہ مرا دیدۂ خوں چکاں اچھے اچھے

گر آہ و نالہ دونوں پیدا ہوں ایک دل سے لیکن الگ الگ ہے تاثیر اپنی اپنی

خالی نہیں جہاں میں تمنا سے کوئی دل ہر ایک میں ہے گرچہ تمنا جدا جدا

ایک ہی تشبیہ کو طرح طرح سے ادا کرنا:

ظفر کے یہاں ایک چیز اور ہے، جس سے اس کی قدرتِ ادا کا حال معلوم ہوتا ہے، زلف اور سانپ کی

Marfat.com

تشبیہ معمولی چیز ہے، مگر دیکھئے کہ ظفر نے اس ایک تشبیہ کو ذرا رنگ بدل کر کس کس طرح ادا کیا ہے۔

نہیں اس رخ پہ زلف اور زیرِ زلف اس زلف کا شانہ
من میں ناگ سا لڑتا ہوا ناگن سے نکلے نین

دیکھ کر آئینے میں وہ زلف کو ہنسنے لگے — بند پانی میں پڑا طرفہ کہیں کا سانپ ہے
چاند پر دوڑتا ہے مارِ سیاہِ شبِ تار — رُخِ روشن پہ ترے زلف کے بل کھانے سے
زلف یوں روے عرق آلودہ پر لہراے ہے — صبح جوں ناگن گلوں پر چاٹنے اوس آ رہے ہے
زلف یوں چہرے پہ ہلتی ہے ہوا سے اس کے — جس طرح مارسیہ کھائے جو بل پاؤں کے بل
جس طرح مارِ سیہ گل سے لپٹ جاتا ہے — زلف یوں تیری گئی ہے گلِ رخسار سے مل
جوں شانہ اسکو اے دلِ صد چاک تو نہ چھیڑ — مارِ سیہ سے کم نہیں ہرگز گزند زلف
ناگنی زلفِ پیتاں کی یہ عجب کافر ہے — کاٹ کے بیٹھی ہے یاں ہو کے دوتا اور طرف
کیا تماشا ہے تری زلف کا عکس آئینہ میں — سانپ کی طرح سے لہرائے ہے تالاب میں موج
نچوڑے زلف نہا کر جو وہ تو قطرۂ آب — وہاں پہ مارسیہ کا لعاب ہو خالص
حلقہ ہے بلا زلف کا اے پنجۂ شانہ — دیجو کہیں انگلی نہ سیہ مار کے منہ میں
اڑ کر بھی زنفِ یار سے ناگن نہ بچ سکی — جس وقت اس کے منہ پہ چڑھی مار کھا گئی
سوچتا جی میں ہوں اس زلف و در گوش کو دیکھ — سانپ کو پکڑوں کہ میں سانپ کے من کو پکڑوں
نہیں اس یار کے روئے عرق آلودہ پہ زلف — اس کو چاٹتا ہے سانپ یہ پیاسا کالا
کیوں سوتے سوتے چونک پڑے خواب میں ظفر — وہ مار زلف دیکھ کے شاید ڈرے سے ہو
دکھادے کان کے بالے میں اس کو زلف الجھا کر — نہ دیکھا جس نے ہو مارسیہ سے لڑتے بچھو کو

Marfat.com

کہتا ہوں دل کو زلف کی ناگن سے کر حذر　　جاتی پلٹ ہے دیکھ یہ بد ذات کاٹ لے

زلف آ گئی صبا سے وہ خال دمن کے پاس　　مارسیاہ کھیلے ہے کیا اپنے من کے پاس

ناگن سی باغ میں کوئی لہرا رہی ہے یہ　　یا زلف تیرے چہرہ پہ کھائے ہے بل پڑی

ہوا سے یوں جو تیری زلف عنبریں الٹی　　کسی کو ڈس کے یہ ناگن نہ ہو کہیں الٹی

یار کی زلف کو سنبل سے تشبیہ دینا عام بات ہے، مگر سنئے کہ اسی عام چیز میں ظفر اپنی جدت طبع سے کیسی کیسی ندرتیں پیدا کرتا ہے۔

مجھے آئے نہ رونا دیکھ کر کیوں سنبلِ تر کو　　کہ پھر جائے ہے اس کی زلف دل اوپر آنکھوں میں

سنبل کی لہر سے نہ رہے پھر ہمیں مطلب　　یک دست جو تم کاکلِ خم دار دکھا دو

سنبل ہی کیا پریشان ہے دیکھ زلف تیری　　موجِ نسیم کو بھی ہے پیچ و تاب ساقی

تاحشر نہ ہو خواہشِ نظارۂ سنبل　　تم ہم کو اگر زلفِ گرگیر دکھا دو

مرے مزار پہ روئیدہ کیوں نہ ہو سنبل　　کہ تیری زلف سے ہے دل کو پیچ و تاب ہنوز

تری زلف کے سامنے تاب کیا　　کہ بل باغ میں شاخ سنبل کرے

سنبل چمن میں کیوں کہ نہ ہو غرق آب شرم　　منھ دھو کے وہ بال سنوارے علی الصباح

اگر ہو عکس افگن یار کی کاکل سمندر میں　　تو پیدا جاے موجِ آب ہو سنبل سمندر میں

انھیں ہے رشک سے اس زلف پر شکن کی عجب　　کہ شاخ سنبل تر کھا کے پیچ و خم ٹوٹے

بیان کیوں کر بھلا ہوئے حدیث اس زلف پیچان کی　　نہ جب تک چل کے کیجئے سیر یکسر سنبلستا نکی

زلف اس کی پر شکن سے کیا بلا کرتی ہے بل　　دیکھ کھائیگی شکستیں شاخِ سنبل باغ میں

سنبل پیچان اُگے کیوں کر نہ اس کی خاک سے　　مرگیا جو دیکھ کر اس زلفِ عنبر بو کے بل

Marfat.com

ہے نہ قربان ہی رُخِ قاتل خونریز پہ گل
کھاتی سنبل بھی ہے اس دلآویز پہ گل

سنبل پہ گئی اوس سی پڑ جب کہ دمِ غسل
پانی تری اس زلفِ گرہگیر سے ٹپکا

یار کے ابرو کو شمشیر سے تشبیہ ہر شاعر نے دی ہے، مگر دیکھئے کہ ظفر نے اس تلوار کے کیسے کیسے ہاتھ دکھائے ہیں۔

جب ہوگئی وہ ابروے خمدار سامنے
دی پھینک اپنے ہاتھ سے تلوار سامنے

کون ہمسر ہو سکے اس ابروے خمدار سے
دم نہ اتنا تیغ میں، نے اس قدر خنجر میں ہے

کون منت کشِ شمشیر اجل ہو قاتل
طاق تیرا خمِ ابرو بھی ہے خونخواری میں

قاتل کریں اک عالم کو وہ ابرو کے خم ایسے ہیں
ان شمشیروں کے ہیں مقابل دیکھو ہاں ہم ایسے ہیں

کس نے دیکھا خمِ ابرو کو ہے پیمانے میں
چل رہی آج جو تلوار ہے میخانے میں

نہیں شمشیر سے جن کی جھپکتی آنکھ میدان میں
نظر وہ دیکھ تیرا ابروے پر خم چراتے ہیں

ہے طرفہ طلسم ابروؤں میں تیرے جو دیکھے
اک قبضہ تلوار میں ہیں عربدہ کردو

کیا جانے اس ابرو کی بھلا تاب دمِ تیغ
ہو جائے اسے دیکھتے ہی آبِ دمِ تیغ

جب جنبشِ ابرو سے تری قتل ہو عالم
پھر شرم سے ہو جائے نہ کیوں آبِ دمِ تیغ

جوہر دکھا اپنی تو شمشیر تو مجھ کو
کشتہ ہوں میں ابرو کا جو ہے آبِ دمِ تیغ

تیغ ابرو سے میں جانباز ظفر سینہ سپر
بے اجل پڑتا نہیں وار سے تلوار کے خط

ابرو پہ اس کے چین کا عالم ظفر ہے اور
جوہر نہاں ہیں یہ کہ شمشیر میں نہاں

ابرو کو اس کی کہتے ہیں سب تیغ اصفہان
ہے اصفہانیوں میں کہاں ایسا خم دروغ

کہاں ہے دل میں گنجایش ترے تیغ دو ابرو کی
میان کب اک میان دو بہم شمشیر ہوتی ہیں

جہاں کو جنبشِ ابرو سے اس نے قتل کیا
الٰہی اس کی یہ شمشیر ہل گئی تھی کیوں

Marfat.com

جیسی ہے چین اس ابروے پر خم پہ خوشنما　　جوہر کہیں بھی ایسے نہ شمشیر پر کھلے

ابرو ہلی جو اس کی عجب سیر ہو گئی　　تلوار چلتے چلتے رہی خیر ہو گئی

معشوق کی مست آنکھوں کا نقشہ کس کس طرح کھینچتا ہے:

یاد چشم مست میں اس کی یہ کیفیت رہی　　ہوش باطن میں رہا ظاہر مجھے غفلت رہی

ہم نہ کہتے تھے کہ نرگس کو دکھامت چشم مست　　نینداس کی آنکھ سے اے مست خواب اڑ جائے گی

کر دیا اک نگاہ میں بے خود　　چشم کافر ہے کیا خدا جانے

تری آنکھوں نے خدا جانے کیا کیا جادو　　ہم بھی دانا تھے پر اب پھرتے ہیں دیوانے سے

ہم کو اس دور میں ہو کیوں طلب ساغر سے　　یہ تو جب ہے کہ تری نرگسِ مخمور نہ ہو

سوفتنہ خوابیدہ بیدار ہوں اک پل میں　　گر خواب میں بھی دیکھے اس نرگسِ فتاں کو

مجھے سوجھے ہے کیفیت جہاں کی　　وہ چشمِ مست ساقی جامِ جم ہے

عین مستی میں جو تو اپنی ذرا دکھلائے آنکھ　　شرم سے نرگس کی گلشن میں نہ کیوں جھک جائے آنکھ
اشک آنکھوں میں اپنی کیوں نہ وہ بھر کر　　ساغر ے دیکھ کر جس کو تری یاد آئے آنکھ

اپنی چشم مست کی گردش نہ اے ساقی دکھا　　دیکھ چکر میں ابھی جامِ شراب آجائے گا

بھرا ہوا ہے تری چشم مست میں یوں ناز　　کہ جس طرح سے مئے ناب ہوا ایاغ کے بیچ

اٹھا کے آنکھ نہ دیکھا چمن میں نرگس نے　　رہا جو اس کو تری چشمِ پر حیا کا لحاظ
کرے ہے فتنہ ترے چشم فتنہ زا کا لحاظ　　یہ وہ بلا ہے بلا کو ہے اس کو بلا کا لحاظ

کشتہ ہوں چشم مست کا میرے مزار پر　　لازم ہے جام بادۂ انگور کا چراغ
روشن ہو چشم مست کے کشتہ کے گور پر　　روغن کی جائے بادۂ انگور سے چراغ

کیفیت اپنی چشم سیہ مست کی نہ پوچھ　　صوفی تمام دیکھ کے میخوار بن گئے

Marfat.com

منظور ہے ظفر کو لکھے وصفِ چشم یار — نرگس کے دے قلم کوئی اے ہم نشین تراش

چشم مست اس کی لے ہی جائے ہے ہوش — گرچہ ہم ہو شیار رہتے ہیں

چشم اس کی خود ہے سحر نگاہیں ہیں — حاجت نہیں ہے سرمہ جادو کی آنکھ میں

کاسۂ چشم تصور چھوڑ کر اپنا کبھی — اے ظفر محو تماشا میں نہ جام و جم میں ہوں

بغیر بادہ بھی اس شوخِ خود پرست کی آنکھ — نشے میں حسن کے ایسی ہے جیسے مست کی آنکھ

مشکل پسندی:

مگر ظفر کا زورِ طبع اور کمالِ فن اس وقت نظر آتا ہے، جب وہ نہایت مشکل اور سنگلاخ ردیف اور قافیے اختیار کرتا ہے، اس کی مثالیں اس کے دیوان میں اس کثرت سے ہیں کہ اس مضمون کے محدود صفحے ان کے متحمل نہ ہوسکیں گے ، گوسخن شناسی کا تقاضا تو یہی تھا کہ اس نے جتنے مشکل قوافی میں طبع آزمائی کی ہے اور جن سنگلاخ زمینوں میں جولانیاں دکھائی ہیں ، ان سب کی داد دل کھول کر دی جاتی ، مگر ہم تھوڑے سے اشعار پر اکتفا کرتے ہیں ۔قوافی کی مثالیں:

پارۂ ساغر و شیشہ نہیں ابرک کے ورق — ساقیا کیوں کر کہوں شیشے کو عینک کے ورق

یوں ہیں لختِ دل سیپارہ مرے اشک کے ساتھ — جیسے قرآن سے ہو ہاتھ میں کودک کے ورق

اس غزل میں چومک کے ورق، زردک کے ورق ، چشمک کے ورق ، مشک کے ورق بلبک کے ورق وغیرہ بھی قافیے ہیں:

یہ ٹکڑے خاک پہ دلہاے پاش پاش کے پھینک — جو پھینکے بھی تو سر راہ اپنی کاش کے پھینک

ہلالِ عید فلک پر ہو منفعل کیا کیا — زمین پہ ناخن پا تو جو دے تراش کے پھینک

ماش کے پھینک ، تلاش کے پھینک، خراش کے پھینک ، معاش کے پھینک ، قماش کے پھینک کو استعمال کیا ہے۔

ترے بیمارِ غم کا حال ہے یہ ناتوانی سے — کہ اس نے آج بستر پر ذرا کروٹ نہیں بدلی

بقیہ قوافی نٹ کھٹ نہیں بدلی ، پٹ پٹ نہیں بدلی ، چوکھٹ نہیں بدلی ،جھٹ پٹ نہیں

Marfat.com

بدلی، اٹ سٹ نہیں بدلی وغیرہ۔

دل جل گیا ہمارا جگر بھن گیا تمام　　الفت تمہاری شعلہ خو بھاڑ میں پڑے

کھڑکاڑ میں پڑے، تاڑ میں پڑے، چوپاڑ میں پڑے، ہڑواڑ میں پڑے، بوچھاڑ میں پڑے، دھاڑ میں پڑے وغیرہ۔

یہ خانہ باغ ہے موجود سینہ پرداغ　　جو سیر دیکھے تو وہ دل کی شہ نشین پہ ٹکے

زمین پہ ٹکے، انگبین پہ ٹکے، آتشیں پہ ٹکے، مہ جبین پہ ٹکے، نگین پہ ٹکے، یاسمین پہ ٹکے وغیرہ۔

اسی طرح مختلف سنگلاخ زمینوں میں ظفر نے جو زورِ طبع دکھائی ہے، وہ خاص اسی کا حصہ ہے، وہ نئی نئی زمینیں نکالتا تھا اور ان میں اشعار کہہ کر اپنی مشکل پسندی کا اظہار کرتا تھا، اس کے معترف مولینا محمد حسین آزاد بھی ہیں، جو ظفر کے تمام کلام کو ذوق کے خوانِ شاعری کی محض زلہ ربائی سمجھتے ہیں، وہ بادلِ ناخواستہ رقم طراز ہیں کہ ظفر شاعری میں طبیعت اور ایجاد کا بادشاہ تھا۔

اس کی ان جدتوں کے نمونے بھی اس قدر زیادہ ہیں کہ اس کا ایک ایک شعر بھی نقل کرنا طوالت کا باعث ہوگا، کچھ نمونے ملاحظہ ہوں، خط کشیدہ قوافی میں پوری پوری غزلیں ہیں۔

جو درد ہوتا تو غل مچاتا جو سایہ ہوتا تو سر ہلاتا　　الٰہی دل کو مرض یہ کیا ہے نہ منہ سے بولے نہ سر سے کھیلے

ہم اپنا عشق چمکائیں تم اپنا حسن چمکاؤ　　کہ حیران دیکھ کر عالم ہمیں بھی ہو تمھیں بھی ہو

زبان میں ہو اثر میری تو شاید دل پھرے اس سے　　اگر ناصح دعادل سے کوئی یوں ہو تو یوں بھی ہو

بجز رونے کے ہاں چشم عنایت ہو تو کیوں کر ہو　　کہ بے اشک ندامت جوش رحمت ہو تو کیوں کر ہو

رباب و چنگ ہو بزم طرب ہو اور مطرب ہو　　دف و نے ہو، دہل ہو پھر تو چہلیں ہوں تماشا ہو

کس سے انھوں نے مہر و وفا کی جس سے لیا دل اس سے دغا کی
ان سے ہو کیا امید کرم یہ کس کے ہوئے اور کس کے ہوں گے

شرارہ سے کہتے تھے شعلے شب کو نالوں کے　　کہ چمکے چرخ پر اختر نہ ہم جیسے نہ تم جیسے

Marfat.com

نہیں گل تن پہ عشق دلربا میں پھول کترتے ہیں　　تماشا ہم نے یہ رنج و بلا میں پھول کترے ہیں

غم نہیں ہونے نہ ہونے کا کہ بے پرواہیں ہم　　ہے تو ہے سب کچھ میسر کچھ نہیں تو کچھ نہیں

خالی نہیں خلش سے محبت کے کوئی بھی　　یارو کھٹکتی جان میں یہ گل کی پھانس ہے

ظفر کی طبیعت کو مشکل زمینوں میں جولانی دکھانے میں خاص مناسبت تھی، وہ خود کہہ گیا ہے کہ۔

دل اپنا فکر غزل میں ظفر نہیں لگتا　　زمیں غزل کی نہووے اگر انوکھی سی

اور اس مشکل پسندی کو وہ اپنا امتیاز سمجھتا ہے۔

زمین سہل میں تو ہیں سبھی کچھ شعر کہہ لیتے　　ظفر لکھتے غزل جو ایسی مشکل ہیں تو آپ ہی ہیں

ایک دوسری جگہ کہتا ہے:

ظفر مشکل پسندی تیری سی اب کس کو آتی ہے　　سخنور دیکھ کر یہ طرزِ مشکل ہاتھ ملتا ہے

ایک جگہ تو چیلنج دیتا ہے:

ظفر ان قافیوں میں کہہ نہیں سکتا غزل کوئی　　اگر کہتا بھی ہے تو تجھ سے اصلاحِ غزل لے ہے

ظفر کی یہ تعلی ایک حد تک بجا ہے، اس کے ہمعصر شعراء میں سے کسی نے بھی ایسے سنگلاخ قافیوں ردیفوں اور زمینوں میں غزل نہیں لکھی ہے، انشاء اور شاہ نصیر کے یہاں اس کی مثالیں ملتی ہیں، مگر اتنی نہیں۔

ظفر اور اساتذۂ فن:

ظفر کا زورِ طبع اسی پر ختم نہیں ہوتا، بلکہ ریختہ کے جتنے با کمال شعرا گذرے ہیں، ان کی غزلوں پر غزلیں کہی ہیں، ان کی بعض مثالیں ملاحظہ ہوں۔

میر　فائدہ مصر میں یوسف رہے زنداں کے بیچ　　بھیج دے کیوں نہ زلیخا اسی کنعان کے بیچ

ظفر　دم میں دم میرے نہیں جان نہیں جان کے بیچ　　زلف کیا کہتی ہے جھک جھک کے ترے کان کے بیچ

Marfat.com

درد دیکھیے جس کو یاں اوسے اور ہی کچھ دماغ ہے
ظفر دنیا فروغ دل میں محبت کا داغ ہے
انشاء بنا کے چھوڑ دوں جوافیوں کا شراب میں سانپ
ظفر اگر شراب کی موجیں، بنیں شراب میں سانپ
مصحفی سر مشک کا ہے تیرا تو کافور کی گردن
ظفر دیکھے جو ہمارے بت مغرور کی گردن
آتش ذرّہ خورشید ہو پہونچے جو در یار کے پاس
ظفر آبلہ سینہ پہ ہے میرے دلِ زار کے پاس
ناسخ ایک شب جو تیری محفل میں نہ پائے بار شمع
ظفر دریا بہائے گر مژہ اشک بار شمع
شیفتہ دن سے یہاں آنے کی تدبیر ہے
ظفر شوق خار دشت دامن گیر ہے

کرمک شب چراغ بھی گو ہر شب چراغ ہے
رہتا بغیر داغ پہ گھر بے چراغ ہے
تو صاف آوے نظر جرمِ آفتاب میں سانپ
خط شعاع سے لہرائیں آفتاب میں سانپ
نے موے پری ایسے نہ یہ حور کی گردن
غلماں کے تن سے ہوا جدا حور کی گردن
سایہ بن جائے ہما لوٹ کے دیوار کے پاس
یا کہ شیشہ سا دھرا ساقی سرشار کے پاس
صبح ہوتے ہوتے ہو مانند رشتہ زار شمع
تو بھی بجھے نہ سوز دل داغدار شمع
کیا اثر نالۂ شب گیر ہے
اور مجنون پائے در زنجیر ہے

غالب کا طرز بیان اور ان کی نکتہ آفرینیاں اپنی جگہ پر لیکن ایک ہی قافیہ اور ردیف میں ظفر نے اپنے استاد کی تقلید میں جو اشعار کہے ہیں، وہ بھی ذرا سن لیجیے۔

غالب

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادۂ و ساغر کہے بغیر
سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پنہاں ہوگئیں
وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دل کے پار
جو مری کوتاہی قسمت سے مژگاں ہوگئیں
نیند اُس کی ہے دماغ اُس کا ہے راتیں اُس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہوگئیں
اللہ رے ذوق دشت نوردی کہ بعد مرگ
ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پاؤں

ظفر

کیا ذکر کچھ کلام میں واعظ کے ہو مزا
محفل میں وصفِ بادۂ ساغر کہے بغیر
واہ اس صورت کدے میں دیکھتے ہی دیکھتے
صورتیں کیا کیا نظر سے اپنے پنہاں ہوگئیں
جس سے چار آنکھیں تری اے آفتِ جاں ہوگئیں
تیر سی اس کے جگر کے پار مژگاں ہوگئیں
اے ظفر دل کی پریشانی کا ہے میرے اثر
یہ جو اس کافر کی زلفیں ہیں پریشاں ہوگئیں
یہاں تک ہے ذوق دشت نوردی کہ دوں نکال
میں اپنے بعد مرگ بھی باہر کفن کے پاؤں

Marfat.com

مومن کی ایک غزل کا مطلع:

نامہ رونے میں جو لکھا تو یہ بھیگا کاغذ　　　که بنا ہم گھر صفحۂ دریا کاغذ

ظفر نے قافیہ کے تغیر کے ساتھ اسی ردیف میں کئی غزلیں کہی ہیں۔

جوش گریہ کا برا ہو کہ ترے نامہ کو　　　دیا آنکھوں سے بھی ہم کو نہ لگانے کاغذ
دل بیتاب کو تسکین ہو کیا قاصد کی باتوں سے　　　نہ آئے جب تلک اس یار کی تحریر کا کاغذ

ظفر سے متقدم اور اس کے معاصر شعراء کی غزلوں کے مقابلہ میں اس کی غزلیں نقل کی گئی ہیں ان کا ہرگز یہ منشا نہیں کہ:

ظفر تیرے سخن کے روبرو کس کا سخن چمکے　　　سخن کی تاب و طاقت ہی نہیں رہتی سخندان میں

یا

سخنوری میں ظفر کون تم سے ہو ہمسر　　　خدا نے ہے تمہیں دل و دماغ دیا

بلکہ صرف اس قدر دکھانا مقصود ہے کہ:

ظفر کہتے ہیں ہم بھی وضع استادانہ رکھتے ہیں

ظفر و میر:

اوپر غزل کے ظواہر میں باکمال شعراء کے کلام کے مقابلہ میں ظفر کی طبع آزمائی دکھائی گئی ہے، معنوی حیثیت سے بھی اس کے کلام میں مختلف اساتذہ کا رنگ پایا جاتا ہے، میر کے رنگ میں کہتا ہے۔

تیرے جس دن سے خاک پا ہیں ہم　　　خاک ہیں لیک کیمیا ہیں ہم
تیرہ بختی میں ہیں یہ بخت سفید　　　کیا مگر سایۂ ہما ہیں ہم
ہم ہیں جوں زلف و عارض خوباں　　　گو پریشان ہیں خوشنما ہیں ہم [۱]

یہ کراہا تیرا بیمار الم درد کے ساتھ　　　کسی ہمسایہ کو بیمار نے سونے نہ دیا
میں وہ مجنوں ہوں کہ زنداں میں نگہبانوں کو　　　میری زنجیر کی جھنکار نے سونے نہ دیا

---

[۱] اسی قافیہ اور ردیف میں میر کی غزل کا مطلع ہے۔

گرچہ آوارہ جوں صبا ہیں ہم　　　لیک لگ چلنے میں بلا ہیں ہم

میر کی اس غزل پر مخمس بھی لکھا ہے، جو اس کے دیوان جلد اول پر ملاحظہ ہو۔

Marfat.com

نازک بہت ہے عشق کے بیمار کا دماغ
بالیں پہ اس کے شور مچاؤ نہ ہمدمو

اشک کی جا چشم سے لختِ جگر پیدا ہوا
یہاں تلک روئے جدائی میں ترے دن رات ہم

میرؔ کے طرز پر چھوٹی بحروں میں بھی غزلیں لکھی ہیں مثلاً

گور کنج فراغ ہے اپنا
داغ اپنا چراغ ہے اپنا

کون کنجِ حزن میں ہے دمساز
ایک دل سوز داغ ہے اپنا

دردِ دل دردِ آشنا جانے
اور بے درد کوئی کیا جانے

ہو نمک سود گر نہ زخم جگر
دل محبت کا کیا مزا جانے

میر اور ظفر کے ملتے جلتے ہوئے مضامین:

میرؔ:

کیا عشق خانہ سوز کے دل میں چھپی ہے آگ
اک سارے تن بدن میں مرے پھک رہی ہے آگ

ظفرؔ:

داغ دل میں آگ لخت دل میں چشم تر میں آگ
عشق کی سوزش سے ہے پھیلی ہوئی گھر گھر میں آگ

میرؔ:

جل جل کے سب عمارت دل خاک ہوگئی
کیسے نگر کو آہ محبت نے دی ہے آگ

ظفرؔ:

ہو گیا میں خاک جل کر پر وہی ہے سوزِ دل
اپنے دامن کو بچائے میرے خاکستر میں آگ

Marfat.com

میرؔ:

یارب ہمیشہ جلتی ہی رہتی ہیں چھاتیاں
یہ کیسے عاشقوں کے دلوں میں رکھی ہے آگ

ظفرؔ:

جی جلائیں کیوں نہ میرا یہ بتاں سنگ دل
دل ظفر ان کا ہے پتھر اور ہے پتھر میں آگ

میرؔ:

اللہ ری عندلیب کی آواز دلخراش
جی ہی نکل گیا جو کہا ان نے ہائے گل

ظفرؔ:

آجائے گر ہوائے گلستان قفس تلک
بلبل کا دم ہوا ہو یہ کہہ کر کہ ہائے گل

میرؔ:

تیری ہی جستجو میں گم ہوا ہے کہ کہاں کھویا
جگر خون کشتہ دل آزردہ میرا اس خانہ ویران کو

ظفرؔ:

تجھے دل دے کے میں اے کافر بے مہر کھو بیٹھا
خرد کو ہوش کو طاقت کو جی کو دین و ایمان کو

ظفر میر کے رنگ میں خود میر صاحب کی روح سے خراجِ تحسین حاصل کرتا ہے۔

یہ غزل پڑھتے اگر بزم سخندان میں ظفر   کیوں کہ تحسین کے لیے پھر نہ سر میر ہلے

ناسخؔ و ظفرؔ:

ظفر کی قادر الکلامی کا یہ عالم ہے کہ وہ متضاد رنگ میں کامیاب طبع آزمائی کرتا ہے ناسخ

Marfat.com

اور میر کا اختلافِ ذوق ظاہر ہے، مگر میر کے بعد جب وہ ناسخ کے رنگ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، تو وہ رند مشرب عاشق بن جاتا ہے اور اس کوچہ کا بھی ویسا ہی کامیاب رہِ نورد نظر آتا ہے، مثلاً:

کرتا ہے قتل وقت جواب سخن مجھے ہنس دینا ان کا اور نہ کہنا حجاب سے

اللہ رے شرم آئے جو وہ شب کو خواب میں پنہاں رکھا حجاب سے منہ کو نقاب میں

کبھی افسوس وہ اور ہم نہ محفل میں بہم بیٹھے جو ہم اٹھے تو وہ بیٹھے جو وہ اٹھے تو ہم بیٹھے

وصل کی رات نہ باتوں میں گذار و ساری بس گلے ہو چکے گر ہیں تو سحر پر رکھو

جس کو سمجھے لب پان خوردہ وہ مالیدہ مسی مرد مان دیکھئے پھولی وہ کہیں شام نہ ہو

ہے ڈوپٹہ سرخ جو وہ رشک گل اوڑھے ہوئے باغ میں گل برقع خجلت میں گل اوڑھے ہوئے

گلوں کے ہونگے گریباں چاک گلشن میں رہیں گے بند قبا تیرے گر کھلے کے کھلے

نہیں ہے سرخ وہ موباف جعد مشکیں پر بغور دیکھ ظفر ہے بہار شام شفق

جھلک رخسار آتشناک کی بجلی سی کوندے ہے ہوا کے جھوکے اس غرنے پر جب چلمن ہلاتے ہیں

یہ معاملہ بندی جس طرح ناسخ کے یہاں اعتدال سے بڑھ کر رکیک ونحیف بن گئی ہے، اسی طرح ظفر کے یہاں بعض اوقات بہت ہی مبتذل ہوگئی ہے، مگر اس قسم کے خارجی مضامین میں ناسخ کے ساتھ طبع آزائی کر کے ظفر اپنی تخلیل نگاری اور مضمون بندی کا بھی ثبوت دیتا ہے۔ مثلاً:

ناسخ:

کیا اثر پھیلا ہے تیرے روے آتشناک کا
صورتِ مجمر ہے دیواروں کے ہر روزن میں آگ

ظفر:

حلقہ و زلف میں ہے اس کا رخ آتشناک
لجۂ حسن کی روشن ہوئی گرداب میں آگ

Marfat.com

ناسخ:

اس قدر سوزش ہے اے جراح میرے زخم میں
لگ اٹھے گی دم میں تنکے کی طرح سوزن میں آگ

ظفر:

ہے شرار اشک خون سے چشم طوفان زامیں آگ
عشق کی گرمی سے دیکھو لگ گئی دریا میں آگ

ناسخ:

میری آنکھوں سے اگر بختِ دل سوزاں گرے
بولے ہمدم دیکھئے ہے آپ کے دامان میں آگ

ظفر:

تیرے دیوانے کی آنکھوں سے جو ٹپکے اشکِ گرم
کیا تعجب گر لگادے دامنِ صحرا میں آگ

آتش وظفر:

آتش

مے نے کئے عذارِ بتِ شوخ و شنگ سرخ
کندن کا اور آگ میں ہوتا ہے رنگ سرخ

ظفر:

کب چشم سرمہ سا ہے تری مست خواب سرخ
اس جامِ نیلگوں میں ہے رنگ شراب سرخ

آتش:

دل دوستی بت کا نہ پابند ہو یارب
دشمن کا بھی دب جائے نہ پتھر کے تلے ہاتھ

Marfat.com

ظفر:

فرہاد بسر آتا ہے اس عشق سے شیریں
پر کیا کرے جو دب گیا پتھر کے تلے ہاتھ

آتش:

تبدیل شبِ وصل سے ہو روز جدائی
بالش کے عوض ہو سر دلبر کے تلے ہاتھ

ظفر:

ہے جی میں تمنا یہ کہ سوتے ہیں تو گاہے
آجائے مرا عارضِ دلبر کے تلے ہاتھ

آتش:

مستی میں طلب گار، تو ساقی سے ہے ہے کا
کاٹوں گا میں کانپے گا جو ساغر کے تلے ہاتھ

ظفر:

دل ہاتھ میں اس کا لیا پر ہے یہ ظفر حال
جنبش میں رہے جیسے کہ ساغر کے تلے ہاتھ

آتش:

پاؤں کو ان کے چھوا میں نے تو ہنسکر بولے
کاٹے جاتے ہیں تو ایسے ہی گنہگار کے ہاتھ

ظفر:

میں نے چوری سے جو شب زلف کو چھیڑا تو کہا
کاٹنے چاہئے اس دزد سیہ کار کے ہاتھ

Marfat.com

آتش:

کرتا ہے ناز وہ شہِ خوبان نئے نئے
آئین تازہ تازہ ہیں فرمان نئے نئے

ظفر:

نازو ادا ۔ و غمزہ تو ہیں شیوۂ قدیم
انداز ان کے اور ہیں اکثر نئے نئے

آتش:

رخسار خط نکالے گا اس شاہِ حسن کا
پیدا کرے گا مور سلیمان نئے نئے

ظفر:

آغاز خط سے کیا ہی نکالے ہیں دیکھنا
طوطی باغِ حسن نے یہ پر نئے نئے

آتش:

خاک چھنوا رہی ہے کوچۂ قاتل کی تلاش
ساتھ اپنے خراب اپنی قضا پھرتی ہے

ظفر:

دے کے دل قاتل بے رحم کو پھیروں کیوں کر
کہ نہ تقدیر پھرے ہے نہ قضا پھرتی ہے

اور کہیں کہیں تو زورِ بیان میں ظفر آتش سے سبقت لے جاتا ہے، مثلاً

آتش:

پھوٹا لحد میں دل کا پھپھولا تو دیکھنا
ہو جائے گا مزار کا آتش کے سنگ سرخ

Marfat.com

ظفر:

خون جوش میں ہے تیرے شہیدوں کا زیرِ خاک
نکلا زمین کے پردے سے جو آفتاب سرخ

آتش:

سوزشِ دل کا بیاں کچھ کچھ کیا تھا رات کو
موم ہو کر بہ گئی سن کر مرا افسانہ شمع

ظفر:

دریا بہائے گر مژہ اشک بار شمع
تو بھی بجھے نہ سوز دل داغدار شمع

آتش:

داغ دل کی روشنی کافی ہے آتش گور میں
غم نہیں اس کا نہ ہو اپنے سر مدفن چراغ

ظفر:

اس دل جلے کو چاہئے کیا گور کا چراغ
ہے داغ دل ہے کشتہ رنجور کا چراغ

آتش:

کٹواتی ہے سر شمع جو ثابت قدمی سے
آنسو بھی نہ اندیشۂ گلگیر سے ٹپکے

ظفر:

ہر اک آنسو کا قطرہ ہے جو دانہ کہربا کا سا
دم گریہ جگر کے آبلے کیا پھوٹ کر ٹپکے

Marfat.com

آتش:

جوشِ جنوں نے گو کہ مجھے زرد کر دیا
چہرے کو میرے رکھتے ہیں لڑکوں کے رنگ سرخ

ظفر:

ہے میرے اشکِ خون سے ظفر راہِ عشق میں
ہر سنگ ریزہ صورتِ لعلِ خوش آب سرخ

سراپا نگاری:

سراپا نگاری کا جتنا مکمل نمونہ ظفر کے یہاں ہے، وہ کسی اور شاعر کے یہاں نہیں، معشوق کے اوصاف ولوازم کی قلمی تصویر کھینچنے میں اس نے پوری پوری غزلیں کہی ہیں، جن میں زیادہ تر رنگ تو ناسخ و آتش کا ہے، لیکن بعض اوقات زبان کی سادگی، بیان کی بے تکلفی اور خیالات کی برجستگی میں ظفر، ناسخ و آتش سے بڑھ جاتا ہے۔ مثلاً ظفر زلفِ یار کو کالی گھٹا سے تشبیہ دیتا ہے۔

کھول کر زلفِ سیہ اس نے جو دیکھا آئینہ ۔۔۔ صاف دریا پر نظر کالی گھٹا سی آ گئی

کھول دی اس نے عرق افشان جو وہ زلف دراز ۔۔۔ کیا زمین سے جھوم کر بدلی برستی لگ گئی

زلف کو کھول کے آئینہ جو دیکھا تو نے ۔۔۔ رنگ بدلی نے بھی کیا کیا لب جیجون بدلے

ڈھانپ لے منہ کو قمر سے وہیں دامان سحاب ۔۔۔ تیرے عارض پہ اگر زلفِ گرہگیر ہلے

زلف اس رخ سے جو سرکی تو یہ سوجھا شب کو ۔۔۔ اے ظفر مہ نکل آیا جو گئی ہٹ بدلی

آتش اور ناسخ نے بھی زلفِ یار کو کالی گھٹا سے تشبیہ دی ہے، مگر ان کے یہاں صرف ایک ایک شعر ملا:

آتش ۔۔۔ کم نہیں کالی گھٹا سے یار کی زلفِ سیاہ ۔۔۔ دیکھ لے طاؤس کافر کو تو چلانے لگے

ناسخ ۔۔۔ ہمیشہ رہتی ہیں زلفیں عذارِ تابان پر ۔۔۔ عجب ہے چاند کہ ہوتا نہیں سحاب جدا

زلفِ یار کی ناگن، سنبل اور زنجیر سے تشبیہیں آتش، ناسخ اور ظفر کے یہاں بکثرت ہیں، مگر

Marfat.com

مندرجہ ذیل اشعار ظفر کی ندرتِ تخیل اور جدتِ طبع کا نتیجہ ہیں، جو ناسخ اور آتش کے یہاں نہیں۔

زلف یوں روئے عرق آلودہ پر لہرائے ہے ۔۔۔ صبح جون ناگن گلوں پر چاٹنے اوس آئے ہے

زلف یوں چہرے پہ ہلتی ہے ہوا سے اس کے ۔۔۔ جس طرح مارسیہ کھائے ہے بل پاؤں کے بل

رُخ گلنار پر تیرے کہاں ہے زلفِ خم گشتہ ۔۔۔ بہم اے بحر خوبی حلقہ گرداب و آتش ہے

رُخ گلنار پر عرق گرا بر تر بن جائیگی ۔۔۔ برق تو میری بھی آہ پر شرر بن جائیگی

ہٹا دو زلف کو تم مصحف رُخ سے غضب یہ ہے ۔۔۔ کہ پھیلے سوے قران پاؤں اس کج طبع کافر کے

خدا محفوظ رکھے اس صنم کی زلف سے دل کو ۔۔۔ کہ یہ سیدھا مسلمان اور وہ کج طبع کافر ہے

زلف اس روئے کتابی پر ظفر ۔۔۔ سورۂ واللیل ہے قرآن میں

مصحفِ رخسار پر کافر ترے گیسو ہیں دو ۔۔۔ ہے تماشا حافظ قرآن ہوئے ہندو ہیں دو

لٹکی عجب انداز سے ہے رخ پہ تری زلف ۔۔۔ ایسا خط تعلیق میں بھی لام نہ پایا

''خالِ رخ یار'' پر ظفر نے جو مضمون بندی کی ہے، وہ بھی آتش اور ناسخ کے یہاں نہیں مثلاً:

چشم مست بت مے نوش پہ یہ خال نہیں ۔۔۔ نیلوفر کا ہے دھرا ساغر لبریز پہ گل

خال ہے دنبالہ چشم فسوں گر کے تلے ۔۔۔ نیلوفر کا پھول ہے یا شاخ عنبر کے تلے

خال رخ پر زلف کب وہاں سر بسر جنبیدہ ہے ۔۔۔ شاخ سنبل نیلوفر پر یہ مگر جنبیدہ ہے

خال اب نہ تہِ زلف سیاہ فام دکھاؤ ۔۔۔ تارا مجھے مت ایک سرشام دکھاؤ

نہیں رخسار پر اس مہ جبیں کے خال کاجل کا ۔۔۔ خدا جانے کہ یہ کن تیرہ بختوں کا ستارا ہے

خالِ رخ یار کا کشتہ ہوں ۔۔۔ لایا گردش میں ستارا مجھے

دیکھے ہے خالِ رخ یار کو یوں طائر دل ۔۔۔ دانہ پر جیسے پڑے مرغ ہوا گیر کی آنکھ

Marfat.com

سورۂ صاد ہے چشم اس کی کہ جس پر یہ ظفر | خال سے کاتب قدرت نے بنایا مطلق
اے ظفر اس خالِ رخ پر بال زلفوں کے نہیں | من سے اپنے ہیں یہ کالے لہر کھا کر کھیلتے
یہ سیاہی سے لکھا مضمون خال رخ ترا | ہے بیاض ماہ پر تنویر میں لکھا ہوا

چشم یار کو ناسخ اور ظفر جام سے تشبیہ دیتے ہیں، مثلاً:

ناسخ کر دیا ہے یاد چشم و گردن جاناں نے مست | سامنے سے ساقیا اب شیشہ و ساغر اٹھا
ظفر ہم کو اس دور میں ہو کیوں طلب ساغر سے | یہ تو جب ہو کہ تری نرگسِ مخمور نہ ہو
ناسخ چشم ساقی سے نہ کیوں عشق ہو میرے دل کو | کون شیشہ ہے بھلا جس کو نہیں جام سے کام
ظفر مجھے سوجھے ہے کیفیت جہاں کی | وہ چشم مست ساقی جام جم ہے

قامتِ یار پر ناسخ، آتش اور ظفر تینوں نے طبع آزمائی کی ہے۔

ناسخ کون ہے جو نہیں مرتا ہے تری قامت پر | کیوں نہ ہو سرو چمن قالب بیجاں ہوتا
آتش سرو گڑ جائیں گے گل خاک میں مل جائیں گے | پانوں رکھے تو چمن میں وہ سرفراز اپنا
ظفر صدقے اے رشکِ چمن اس قدموزوں کے ترے | سیدھا ایسا کوئی سروچمنی ہووے تو ہو

نزاکتِ یار پر آتش و ظفر کی شاعرانہ تخیل دیکھیے:

آتش وہ نازنین یہ نزاکت میں کچھ یگانہ ہوا | جو پہنی پھولوں کی بدھی تو درد شانہ ہوا
ظفر کیا نزاکت ہے کہ گل عکس درگوش سے آہ | یہ پڑا بوجھ کہ درد اس کے ہوا شانے میں
آتش نہ یہ نزاکت پری میں دیکھی نہ حور میں یہ نزاکت آتش | جو ہار پھولوں کا اس نے پہنا تو بوجھ اٹھایا ہزار من کا
ظفر چہ شدا اللہ رے نزاکت کہ اگر زلف کا عکس | بوجھ ڈالے تو لچکتی وہ کمر اور بھی ہے

ناسخ اور آتش اپنی اپنی جگہ پر مسلم الثبوت استاد ہیں، لیکن ظفر کے اشعار میں نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس کے طرز بیان میں تکلف، تصنع اور آورد نہیں، شاید اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ:

اے ظفر ایک ہے تو فن سخن میں استاد | کیوں نہ قائل ہوں ترے ناسخ و آتش دونوں

Marfat.com

ذخیرہ محمد اقبال مجددی لاہور

خاتمہ:

ظفر کی شاعری پر میری طویل خامہ فرسائی ناظرین کے لیے گراں خاطر ہو رہی ہوگی، مگر یہ طوالت شاید اس کا ردعمل ہے کہ ظفر جس نے ہزاروں اشعار کہہ کر اپنے خونِ جگر کو کاغذ کے صفحوں پر بہایا ہے، عام طور سے یا تو ادنیٰ درجہ کا شاعر یا ذوق کا محض زلہ ربا سمجھا جاتا ہے۔

انصاف ہی جب اہلِ سخن میں نہ ہو ظفر　　　چاہے سخن کی اپنی کوئی ان سے داد خاک

اس کی شہرت کو سب سے زیادہ نقصان مولانا محمد حسین آزاد سے پہونچا، جنھوں نے اس کے دیوان کے مجموعوں کو سرتاپا ذوق کی طرف منسوب کر دیا، چناں چہ ایک زمانہ تک اہلِ نظر بھی اس کی شاعری کو ذوق کی کمائی سمجھ کر قابلِ التفات نہیں سمجھتے تھے، لیکن اربابِ بصیرت نے اصل حقیقت کو دکھا کر اس غلط فہمی کو دور کیا اور ظفر ایک مستقل شاعر مانا گیا، پھر بھی غالب، مومن اور ذوق کی آوازۂ شہرت کے سامنے اس کی شاعری دب گئی، اس کے علاوہ اہلِ ذوق کی طبیعتیں بھی بدل گئیں، غالب کی فلسفہ طرازی، مومن کی بلند پردازی اور دونوں کی دل نشین فارسی ترکیبوں کے سامنے ظفر کی سادگی پھیکی اور بے مزہ ہوگئی۔

ظفر کی شاعری میں غالب اور مومن کی معجز طرازیاں نہ سہی، لیکن قادر الکلامی کا دائرہ اتنا تنگ نہیں، جس نے سوز و گداز اور حزن و ملال کا صحیح مرقع کھینچا، اخلاقی مسائل اور صوفیانہ نکات کو عام فہم بنایا، سادگی اور سلاست کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا، قلعہ معلیٰ کی زبان اور محاورات کو اپنی شاعری میں محفوظ کیا اور اپنے زورِ طبع سے پرانے اساتذۂ فن کی یاد تازہ کی، کیا اس کو ہم ایک قادر الکلام شاعر اور استاد نہیں کہہ سکتے ہیں؟

سخن دان و سخن گویوں تو دنیا میں ہزاروں ہیں　　　ظفر پر ہم نے تری سی سخن گوئی نہیں دیکھی

بے شبہہ اوس کی شاعری معائب سے خالی نہیں، گو وہ خود تو یہ کہہ گیا ہے۔

آج کس اہلِ سخن کو اس قدر مقدور ہے　　　کر سکے جو اے ظفر تیرے سخن پر اعتراض

تاہم جس نے بیس ہزار اشعار کہے ہوں، ظاہر ہے کہ وہ سب اچھے نہ ہوں گے، اس کے دیوان میں مبتذل اور ادنیٰ درجہ کے اشعار ضرور ہیں، خصوصاً جب وہ اپنے رنج و الم اور اندوہ و غم کو

Marfat.com

بھول کر تفریح طبع کے لیے اشعار کہتا ہے، تو اکثر ان کا رنگ بہت ہی شوخ ہو جاتا ہے اور ان کے مضامین جرأت کی معاملہ بندی سے بھی گر جاتے ہیں یا جب وہ محض مشکل قوافی اور سنگلاخ زمینوں کی خاطر اشعار کہتا ہے، تو وہ بھی بہت ہی معمولی درجہ کے ہوتے ہیں، ان کو احساس تھا کہ قوافی اور زمینوں میں اعلیٰ معیار کا شعر کہنا مشکل ہے۔

ظفر ہے تیری غزل کی وہ سنگلاخ زمین — کہ تیغ فکر سخنور کی دھار گر جائے

پھر بھی صرف اپنی قادر الکلامی کے اظہار کے لیے غزلیں لکھتا ہے اور اپنی جدت اور ذہانت پر تعلّی کرتا ہے۔

جنھیں سخن کا ہے دعوی ذرا کہو ان سے — کہ ایسی جلد رقم تم کوئی غزل تو کرو

لیکن ظفر کے پورے دیوان پر خود اسی کا ایک شعر پر بہت ہی جامع تبصرہ ہو سکتا ہے۔

کوئی غزل پر اپنی جو ناز ان آگے تیری غزل کے ہو — شعر سنا دے اس کو ظفر اک اس میں کا اک اس میں کا

یعنی ظفر خود اس کا خواہاں تھا کہ اس کے دیوان کا انتخاب ہو، مگر اس کو نہ خود اتنی فرصت نصیب ہوئی اور نہ کوئی اس کا قدردان پیدا ہوا کہ میر اور غالب کی طرح اس کے دیوان سے بھی اچھے اور عمدہ اشعار منتخب کر کے ایک مجموعہ تیار کرتا، اب بھی اگر کسی صاحبِ ذوق کی کوشش سے اس کے دیوان کا انتخاب شائع ہو جائے، تو یہ کہنے میں تامل نہ ہوگا کہ:

پروئے تو نے کیا تارِ سخن میں گوہر معنی — ظفر تحسین کناں محفل میں اب سارے سخنداں ہیں

اور شاید یہ بھی کہ

ترا سخن وہ مزے دار ہے کہ حشر تلک — رہیں گے اس کے ظفر طبع نکتہ داں پر مزے

جولائی تا نومبر ۱۹۳۸ء

Marfat.com

Marfat.com